صالحہ عابد حسین

متراج

سنگم کتاب گھر، اردو بازار جامع مسجد دہلی

بار اول ۲۰۰۰ — مئی ۱۹۴۷ء

بار دوم ۱۰۰۰ — اگست ۱۹۵۴ء

بار سوم ۵۰۰ — جون ۱۹۵۸ء

اپنی پیاری امّاں

(مشتاق فاطمہ مرحومہ اہلیہ خواجہ غلام الثّقلین مرحوم)

کے نام

جن کی زندگی ان تمام قدروں کی روشنی سے معمور تھی جو شریف ہندوستانی مسلمان عورت کے لئے باعث امتیاز رہی ہیں۔ جن کی سیرت میں خلوص، ہمدردی، دل سوزی، محنت، خدمت، ایثار حق پسندی اور رواداری، سخاوت اور ریاضت کا ایک ایسا دل کش امتزاج ملتا تھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

جن کی ہمدردی اور ایثار کی بدولت ان بہت سے لوگوں کی زندگیاں بن گئیں جن کو ان کی محبّت اور صحبت سے مستفید ہونے کا موقع نصیب ہوا۔

دیباچہ طبع ثانی

عذرا میرا پہلا ناول ۱۹۴۵ء میں لکھا جانا شروع ہوا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں پہلی مرتبہ اسے "کتابی دنیا لمیٹڈ" نے شائع کیا۔ چار مہینے کی مختصر مدت میں بعض اخبار اور رسالوں نیز اس کے پڑھنے والوں نے میری توقع سے کہیں زیادہ اس کی تعریف اور قدر کی۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں دہلی میں فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک اٹھی تھی "کتابی دنیا" بھی اس کی لپیٹ میں آگیا اور اس ادارے کا بیشتر ذخیرہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ عذرا خوش قسمتی سے ان کتابوں میں تھی جو بجائے جلنے کے لوٹی گئیں۔ اس کے دو ہزار کے اڈیشن میں سے صرف چھ سو جلدیں گری ہوئی چھت کے نیچے سے جمع کی گئیں اور باقی تقریباً سوا ہزار کاپیاں لٹیں جو ۱۹۴۷ء میں دلی کے گلی کوچوں میں دو دو آنے اور چار چار آنے میں بکیں اور بعد میں کئی کتب فروشوں نے اسے پورے دام پر غلاف چڑھا کے بیچا۔ جب کہ اس کی بچی کھچی جلدیں دلی کے ایک گھر کے بند کمرے میں کس مپرسی کے عالم میں پڑی تھیں۔ اس طرح اگرچہ اس کی مصنفہ کو کافی نقصان اٹھانا پڑا مگر اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی اور عذرا کی کافی اشاعت ہوئی اور اس ناول نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ ہزاروں آدمیوں نے اسے پڑھا اور پسند بھی کیا۔

مجھے اس کا ذرا سا قلق نہیں کہ عذرا کوڑیوں کے مول بکی، یا مالی فائدہ دوسروں نے حاصل کیا۔ مجھے تو یہ خوشی ہے کہ وہ جل کر راکھ نہیں ہوئی بلکہ اس کے لکھنے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں نے اسے پڑھا۔

یوں تو عذرا کو اونچے علمی ادبی مذاق رکھنے والے لوگوں نے بھی پڑھا اور بعض نے پسند بھی فرمایا اور کچھ نے ہمت افزائی کی۔ لیکن دراصل عذرا کی اصلی قدردان اور میرے حوصلہ و امنگ کو بڑھانے والی وہ ہزاروں نوجوان لڑکیاں ہیں

جو عذرا کو بڑے ذوق شوق سے پڑھتی ہیں۔ میری ان نوجوان بہنوں کی عذرا کے بارے میں جو رائے ہے اور وہ جس جس طرح اس کا ذکر کرتی ہیں اگر ان میں سے دو چار کو بھی نقل کروں تو خود ستائی اور تعلّی سمجھی جائے گی اور اگر میں ان کا یقین کر لیتی تو برخود غلط بنتے دیر نہ لگتی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ عذرا کی مصنفہ ابھی تک اس مرض کا شکار نہیں۔ وہ جانتی ہے کہ نوجوان جس چیز کو پسند کرتے ہیں شدت سے کرتے ہیں اور جس کو ناپسند کرتے ہیں اس میں بھی وہی شدت ہوتی ہے۔ یہ عمر نکتہ نوازی کی ہوتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ عذرا ان کی پسندیدہ کتابوں میں سے ہے، اور باوجود ان ساری خامیوں کے جو اس کتاب میں ہیں، مجھے اس کی مسرت ہے کہ اس سے میری بہت سی نوجوان دوستوں نے صرف لطف ہی نہیں اٹھایا سبق بھی حاصل کیا ہے۔

علی گڑھ گرلز کالج کی ایک لڑکی کے متعلق جب مجھ سے کہا گیا کہ اس نے عذرا کو اسّی مرتبہ پڑھا ہے تو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور اس کی سہیلیوں کی تصدیق کے باوجود میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی حساب میں بہت کمزور ہے اور اسے گنتی یاد نہیں رہتی۔

قدردانوں کی محبت اور عذرا کی مانگ نے مجھے مجبور کیا کہ ساری مشکلوں کے باوجود میں اسے دوبارہ شائع کراؤں۔ خدا کرے اس اڈیشن کا وہ حشر نہ ہو جو پہلے کا ہوا تھا۔

اب عذرا نظرِ ثانی کے بعد دوبارہ شائقین کے ہاتھوں میں آ رہی ہے۔ پہلی بار وہ جھجکتی، شرماتی آئی تھی۔ اس بار اپنے قدردانوں کی محبت اور پسند پہ ناز اور اعتماد کے ساتھ آ رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنی کمزوریوں اور نقائص سے بھی بے خبر نہیں۔

خدا کرے اس کے اعتماد اور ناز کو ٹھیس نہ لگے۔

صالحہ عابد حسین

۱۲؍ اگست ۱۹۵۴ء

سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۲ء تک

پہلا باب

قصبہ اکبر پور کے محلے اشراف ٹولے میں اس وقت رات کا سناٹا مسلط ہے ——— ہاں ایک گلی میں جس کے سامنے ایک بڑا سا مقفل پھاٹک اور اِدھر اُدھر متوسط درجے کی ڈیوڑھیاں ہیں ——— ایک بڈھا اپنے پلنگ پر پڑا کھانس رہا ہے ——— داہنی طرف کی ڈیوڑھی کے اندر داخل ہو تو دو بڑی بڑی ڈیوڑھیوں کے بعد ایک ''ربع صحن اور پختہ چبوترا نظر آتا ہے ——— صحن میں ایک بڑھیا کے خراٹوں کی آواز اس کی گہری نیند کا اعلان کر رہی ہے۔ چبوترے پر کئی بستر لگے ہیں جن پر کچھ لوگ سو رہے ہیں۔ سارے گھر میں خاموشی طاری ہے۔ البتہ چبوترے پر بچھے ہوئے لکڑی کے تخت پر کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔ لالٹین کی روشنی سے اتنا پتہ چلتا ہے یہ تہجد گزار انسان کوئی دُبلی پتلی عورت ہے نہایت خشوع اور خضوع سے

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھائے دعا میں محو ہے وہ کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا مانگتی رہی۔ کبھی کبھی لال ٹین کی ہلکی روشنی میں اس کے گالوں پر دو موتی چمک اُٹھتے اس کے بعد اس نے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا اور بہت دیر تک نہ اُٹھایا —— وہ ایک دوسری دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

وہ عروسی جوڑا پہنے بیٹھی ہے۔ ایک خوش رو وجیہہ نوجوان مُسکراتا ہوا آتا ہے۔ وہ شرم سے سمٹ جاتی ہے —— وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہتا ہے۔ نسیم یہ ہماری زندگی کا زرّیں لمحہ ہے۔ تم میری شریکِ حیات —— دنیا کی حور —— انسانی صورت میں فرشتہ!

وہ فخر اور شرم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آنکھیں جُھکائے اپنے نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ اس کا شوہر اُنگلی سے بچے کا گال چھو کر مسکراتے ہوئے کہتا ہے "نسیم اس کا نام ریاض رکھیں؟" "ہاں بہت پیارا نام ہے ——"

دہلی میں ایک چھوٹے سے خوب صورت مکان میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اُس کے پاس بہت سی عورتیں اپنا دُکھ درد بیان کرنے اور اس سے مدد لینے آتی ہیں اور وہ حتی الامکان سب کی مدد کرتی ہے۔ شوہر باہر قومی، ملکی اور سماجی کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ کئی کئی دن اس کی صورت نہیں دیکھ سکتی اور بے چین ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اس کا مُسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے تو وہ ساری

شکایت اور تکلیف بھول جاتی ہے۔ دونوں کا چہرہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی اور محبت کے جذبات سے سُرخ ہو جاتا ہے۔

"ریاض کی ماں ــــــــ ریاض کی تعلیم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بھلا تمہارے سامنے میں کیا رائے دے سکتی ہوں"

"واہ تمہاری رائے بڑی صائب ہوتی ہے"

"میں تو اُسے علی گڑھ کالج میں پڑھاؤں گی تاکہ وہ بھی بڑا ہو کر تمہارا سا بنے"

"خیر میں تو کیا ہوں۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے بچے کو بہت اعلیٰ تعلیم دلاؤں ــــــ میرا ارادہ ہے کہ اسے یورپ بھیجوں گا تاکہ وہاں اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکے"

"اے ہے ولایت بھیجو گے؟ اتنی دُور"

"تم بھی جاہل عورتوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ تعلیمی ترقی کے لئے دُور اور نزدیک کا کیا سوال"

"بھلا میں کیسے اتنے دن اپنے بچے کے بغیر رہ سکوں گی"

"تو پھر اسے اعلیٰ تعلیم کیسے دلاؤ گی"

"(ہنس کر) اللہ تمہیں اور اُسے سلامت رکھے ــــ وہ وقت تو آنے دو ــــــ ابھی تو خیر سے قاعدہ پڑھنا سیکھا ہے۔ میں کیا جب تک زندہ بیٹھی رہوں گی ــــ جہاں چاہے بھیجنا"

"کیوں نہ زندہ رہو گی"

"اے میں سدا کی بیمار کمزور نہ جانے ان بچوں کی جوانی

دیکھوں بھی یا نہیں۔"

"کیسی بڑھوں کی سی باتیں کرتی ہو۔"

اور دونوں ہنس پڑتے۔

"فرخ کے ابا دیکھنا فرخ نے گڑیا کیسے سلیقے سے سجائی ہے۔"

"کیوں نہ ہو آخر کس ماں کی بیٹی ہے۔"

"ریاض کی ماں دیکھو ہماری بیٹی کیسا فرفر قاعدہ پڑھتی ہے۔"

"یہ تمھاری عذرا؟ بڑی شیطان ہے سارے دن شرارت کرتی ہے میری فرخ بڑی نیک ہے۔"

"واہ ہماری بیٹی بڑی ذہین اور تیز ہے —— ریاض کی ماں میں چاہتا ہوں کہ اپنی بچیوں کو خوب پڑھاؤں تم نہ کہیں رکاوٹ ڈالنا۔"

"جتنا شریفوں میں پڑھا جاتا ہے یہ بھی پڑھ لیں گی۔"

"یعنی اپنی ماں جیسا ٹوٹا پھوٹا لکھنا پڑھنا؟ نہیں صاحب انھیں تو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ملے گی —— میری بچیاں قدرت سے اعلیٰ دماغ لے کر آئی ہیں۔ تم دیکھنا وہ پڑھ لکھ کر عورتوں کے لئے نمونہ بنیں گی۔"

"اپنے منھ سے اپنے بچوں کی تعریف بھلا کیا اچھی لگتی ہے۔"

"کیوں اس میں ہرج کیا ہے —— میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ انشاء اللہ اکبر پور میں لڑکیوں کا اسکول کھولوں۔"

"انشاء اللہ"

نسیمہ خاتون جانماز پر ذرا ٹیڑھی سجدے میں پڑی سو رہی تھیں
اُن کی آنکھیں بند تھیں لیکن ہونٹوں پر دل کش مُسکراہٹ کھیل رہی تھی ——
کہ کوّے کی بے ہنگم آواز سے چونک کر انھوں نے آنکھیں کھول دیں ——
صبح صادق کی روشنی نے رات کی سیاہی کو مغلوب کر لیا تھا —— تاریکی
رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی تھی اور ہلکی، سنہری، پاکیزہ، لطیف روشنی
دُنیا پر اپنا تسلّط جما چکی تھی —— چڑیوں کے چہچہانے کی آواز
فضاؤں میں گونج رہی تھی —— دُور سے کسی مُرغ کے بانگ دینے کی آواز
آ رہی تھی اور منڈیر پر ایک کوّا بیٹھا کائیں کائیں کر رہا تھا ——

نسیمہ خاتون نے چاروں طرف ایک اُچٹتی نظر ڈالی —— صحن میں
بڑی بی کروٹیں بدل رہی تھیں، عذرا اور فرخ اور سیّدہ میٹھی نیند میں مدہوش
تھیں —— ریاض کا پلنگ خالی پڑا تھا —— صحن کی ننھی سی کیاری
میں موتیا کے پھول صبح کی ہلکی ہوا سے آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے ——
نسیمہ خاتون نے متجسّسانہ نظریں اِدھر اُدھر ڈالیں اور پھر یک لخت اُن کا
چمکتا ہوا چہرہ ماند پڑ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے —— آہ یہ سب
خواب تھا؟ کیسا اچھا شیریں، پُرمسرّت خواب۔ اور حقیقت؟ تلخ جاں گزا
حقیقت یہ ہے کہ اُن کا بے مثل اور محبوب شوہر چار سال ہوئے اُن سے
بچھڑ چکا ہے —— اُنھوں نے اپنے سفید دوپٹے کے پلو سے آنکھیں
پونچھیں، ایک آہِ سرد کے ساتھ لیٹے سے اُٹھ بیٹھیں اور وضو کر کے نمازِ فجر کی
نیّت باندھ لی۔

پھٹتی ہوئی پو کی بڑھتی ہوئی روشنی نے اس چہل سالہ خاتون کو دیکھا
جو سفید بے داغ کپڑوں میں ملبوس جانماز پر نظریں جمائے محوِ عبادت تھی۔

اس کا موزوں قد، چھریرا جسم، زردی مائل گندمی رنگ، پتلی ستواں ناک، بڑی سی پیشانی اور بڑی بڑی متین آنکھیں جن میں وسعتِ قلب اور رحم دلی کی جھلک کے ساتھ ساتھ حزن و ملال کی ہلکی سی لہر بھی موجزن تھی، ایک عجیب دل کش تصویر پیش کرتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح صادق مجسم ہو کر خالقِ اصباح کی عبادت میں محو ہے۔

محسن علی گڑھ کے ابتدائی دَور کے ان بہترین اور مایۂ ناز طالب علموں میں تھے جن پر نہ صرف مادرِ کالج بلکہ قوم ہمیشہ فخر کرے گی۔ انھوں نے بی۔اے کی ڈگری اس وقت لی جب مسلمانوں میں انگریزی تعلیم بہت معیوب سمجھی جاتی تھی ــــــ علم کی پیاس کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں سچی مذہبی لگن اور قومی درد بھی موجود تھا ــــــ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے وکالت شروع کی لیکن ان کا اصول یہ رہا کہ تھوڑا سا وقت فکرِ معاش میں صرف کر کے باقی تمام وقت اور اپنی قابلیت اور صلاحیت قوم کی خدمت، سماج کی اصلاح اور تعلیم کو رواج دینے کی کوشش میں صرف کرتے تھے۔

ان کی شادی اپنی چچا زاد بہن نسیمہ خاتون سے ہوئی تھی جو زمانہ کے دستور کے خلاف اچھی خاصی پڑھی لکھی تھیں اور اس کے ساتھ ہی بہت سمجھ دار، رحم دل، نیک طبیعت اور نہایت فراخ دل بھی تھیں۔ طبیعت کی یکسانی اور ہم خیالی نے ان دونوں کی اُنسیت کو بہت جلد قلبی محبت میں تبدیل کر دیا ــــــ سارے خاندان میں ان دونوں کی محبت اور خوش نصیبی ضرب المثل تھی ــــ بچوں کی پیدائش کے بعد

ان کی خوش قسمتی کی تکمیل ہوگئی۔ ریاض عباس کی غیر معمولی ذہانت فرخ کی پیاری صورت اور عذرا کی تیزی پر ماں باپ کیا غیر بھی فدا تھے ——
محسن علی کی آمدنی محدود تھی لیکن نسیمہ خاتون کے سلیقے کی وجہ سے خاصی آسائش سے گزر ہوتی تھی۔ دونوں میاں بیوی اپنے لئے کفایت شعار مگر دوسروں کی مدد کرنے میں بے حد فیاض تھے اور اُن کی آمدنی کا آدھا حصّہ اپنوں، غیروں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ان دونوں کو آئندہ کی فکر بھی رہتی تھی اور محسن علی ہر سال تھوڑا بہت پس انداز کر کے کچھ جائداد خرید لیتے تھے —— وہ اس غیر معمولی دماغ اور بے مثل قابلیت کے انسان تھے کہ اگر روپیہ کمانے پر آتے تو اس کے ڈھیر لگا سکتے تھے مگر انھیں روپیہ سے ہمیشہ ایک کراہت سی رہی —— وہ کہتے تھے کہ بس اتنا کمانا چاہیئے کہ معمولی حیثیت سے گزر ہو سکے اور تھوڑا بہت پس انداز ہو جائے تاکہ بچّوں کی تعلیم کے وقت رُکاوٹ نہ پڑے۔ ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ روپیہ کبھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ باہر کے اخراجات کا روپیہ منشی کے پاس رہتا اور گھر کی ضروریات کا نسیمہ خاتون کے پاس۔ وہ خود کبھی روپے کو نہیں چھُوتے تھے ——

اکثر دونوں میاں بیوی مستقبل کے منصوبے بنایا کرتے کہ بچّوں کی اس طرح سے تربیت کریں گے، اتنی تعلیم دیں گے، شادی کے وقت فلاں فلاں بات کا لحاظ رکھیں گے ——

لیکن انسان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ دیکھنے میں محسن علی بہت قوی اور مضبوط جوان تھے لیکن ان کی ایک کمزوری یہ تھی کہ صحت کی طرف سے ہمیشہ لاپروا رہے اور طرّہ یہ کہ محنت اور کام

حد سے زیادہ کر لیتے تھے۔ اکثر ساری ساری رات کام میں گزار دیتے۔ آرام لینا جانتے ہی نہ تھے ——— نسیمہ خاتون اور محمد احسان (محسن علی کے چھوٹے بھائی) ان کو اکثر اس طرف متوجہ کرتے مگر انھوں نے کبھی پروا نہ کی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا۔ وہ کہتے تھے انسان کا کام ہے اپنے مقصد کے لئے جان توڑ محنت کرنا۔ اس کی ذات تو بہت معمولی چیز ہے۔ در اصل وہ اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ نتیجہ وہی ہوا جو قدرت کا قانون ہے ——— بے اعتدالی خواہ اچھے سے اچھے مقصد کے لئے کی جائے، خواہ بُرے کاموں میں۔ جسمانی طور پر اس کا تقریباً ایک ہی سا اثر پڑتا ہے ——— ۱۹۱۴ء میں جس دن جنگ عظیم شروع ہوئی اسی دن اس خوش نصیب خاندان پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ——— محسن علی کے دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ چند گھنٹے کے اندر بینتالیس سال کی عُمر میں جوان بیوی، ننھے ننھے بچوں، بدنصیب خاندان اور کم نصیب قوم سب سے مُنھ موڑ کر دنیا سے سدھار گئے۔ چھوٹی بچی سیدہ باپ کے انتقال کے دو مہینے بعد پیدا ہوئی۔

شوہر کی وفات سے نسیمہ خاتون پر جو کچھ گزری اس کو صرف وہ عورت ہی سمجھ سکتی ہے جس نے اُن کی طرح اٹھارہ انیس سال ایک ہم مذاق، ہم مزاج، جاں نثار، محبوب شوہر کے ساتھ آرام اور خوشی کے ساتھ بسر کئے ہوں اور پھر اس سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائے۔ ان کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انھیں باغِ بہشت کی ایک جھلک دکھا کر تپتے ہوئے صحرا میں تن تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ بڑی باحوصلہ، سمجھ دار اور مستقل مزاج عورت تھیں مگر ایسے بے مثل صفات والے عاشقِ زار شوہر کی جُدائی اُن کے لئے

ناقابلِ برداشت تھی۔ اگر وہ مذہب کی اس قدر پرستار اور خدا پر سچا عقیدہ نہ رکھتیں تو کوئی عجب نہ تھا کہ اس سانحۂ عظیم کے وقت خودکشی کرلیتیں۔ کیونکہ بیوگی کی بھیانک اور تنہا زندگی کے تصوّر سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔
کچھ دن تک ان کی حالت بہت خراب رہی۔ کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا اور بالکل صاحبِ فراش ہوگئیں اور اسی حالت میں بچّی پیدا ہوئی، جو ماں کی کمزوری اور صدمے کی وجہ سے بہت کمزور اور نحیف تھی۔ اس بیماری مایوسی اور صدمے کی حالت میں ان کے دیور محمد احسان نے اُن کی ہرطرح خدمت اور مدد کی اور جہاں تک ہوسکا ان میں حوصلہ اور ہمّت پیدا کی۔ محمد احسان کو ان کے بڑے بھائی محسن نے چھوٹی سی عمر سے اپنے پاس رکھا اور پڑھایا لکھایا تھا اور بیٹے کی طرح چاہتے تھے اور احسان بھی بھائی کو باپ کی جگہ سمجھتے تھے۔ دیور بھاوج بچپن سے ایک ساتھ پلے بڑھے تھے اور دونوں میں سگے بہن بھائی سے زیادہ محبّت اور یک جہتی تھی۔
احسان بھاوج کو ماں کی جگہ سمجھتے اور چھوٹی ہونے کے باوجود انتہائی عزت اور احترام کرتے تھے، نسیمہ خاتون احسان کو حقیقی بھائی سمجھتیں اور بیٹوں کی سی شفقت سے پیش آتیں۔ اس سخت وقت میں احسان نے وہی کیا جو انھیں کرنا چاہئیے تھا۔ بھتیجے بھتیجیوں کی دیکھ بھال اور خرچ کی پوری ذمّہ داری خود اٹھائی اور بیماری میں بھاوج کی دن رات ایسی خدمت کی کہ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات۔ ان کی ہر طرح تسلّی تشفّی کرتے اور سمجھاتے کہ خدا کی مصلحت کو سمجھنا اور اس کے کارخانے میں دخل دینا انسان کا کام نہیں۔ اور باپ کے بعد ماں کی ذمّہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے
انھوں نے بھاوج کو یہ یقین دلایا کہ میں ہر قسم کی مدد اور خدمت کو دل و جان

سے حاضر ہوں۔ نسیمہ خاتون پر ان کی دلداری اور سچی محبت کا بہت اثر ہوا اور انھیں محسوس ہوا کہ میں دُنیا میں تنہا نہیں بلکہ میری سرپرستی کے لئے ایک محبت کرنے والا بھائی موجود ہے جو ہر مشکل میں مدد کرے گا۔ فوری صدمے کا اثر گزرنے کے بعد انھوں نے سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس طرح جان دینے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ موت اختیاری چیز نہیں۔ صحت خراب ہوگئی تو بچوں کا کیا ہوگا۔ اب ننھے ننھے بچوں کی پرورش، تربیت، تعلیم، دلداری سب ان کے ذمّہ ہے، اب اِن کو صرف ماں ہی نہیں باپ بھی بننا پڑے گا۔ خدا کی طرف سے یہ کڑی آزمائش اُن پر ڈالی گئی ہے اور اس آزمائش میں پُورا اُترنا اُن کا فرض ہے —— وہ جانتی تھیں کہ بے باپ کے بچّے اگر ماں سمجھداری سے کام لے تو خراب اور برباد نہیں ہوتے لیکن بے ماں کے بچّے خصوصاً جن کے سر پہ باپ بھی موجود نہ ہو، تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو نہ صرف تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں بلکہ صحیح تعلیم و تربیت بھی نہیں ہو سکتی اور اکثر ان کی ساری زندگی خراب ہو جاتی ہے —— —— وہ غریب جانتی تھیں کہ بچوں والی بیوہ کے لئے —— مرنا بھی —— مشکل ہے۔

صحت ٹھیک ہونے پر اُنھوں نے دیور کی مدد سے دیکھ بھال کی کہ اُن کے شوہر کتنی جائداد وغیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ مہینے بھر کے جھگڑے بکھیڑے کے بعد معلوم ہوا کہ پچاس ساٹھ روپے مہینے کی جائداد، ایک مکان اور کچھ اناج کی زمین یہ ہے کل سرمایہ۔ نسیمہ خاتون کا دو تین ہزار کا زیور اس کے علاوہ تھا۔ انھوں نے احسان کے مشورے سے پردیس کا رہنا ترک کر دیا اور بچوں کو لے کر اکبر پور آگئیں۔ ریاض کو قصبے کے ہائی اسکول میں داخل کر دیا جو اُن کے شوہر کی اَن تھک کوششوں سے قائم ہوا تھا —— افسوس

کہ مرحوم کی لڑکیوں کے اسکول کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

نسیمہ خاتون کی بڑی بہن جمیلہ خاتون بھی دو سال سے اپنے شوہر اور سُسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر یہیں اُن کے مکان کے برابر والے مکان میں جوان دونوں کے والد کا تھا، آکر رہنے لگی تھیں۔ محمد احسان سہارن پور میں نوکر تھے مگر اُن کے بیوی بچے وطن ہی میں رہتے تھے اور وہ اکثر آتے جاتے رہتے اور بھی بہت سے عزیز اقارب تھے اس لئے نسیمہ خاتون کو تنہائی کی کوئی شکایت یہاں نہ تھی۔

محمد احسان نے خرچ کے لئے ایک معقول رقم بھاوج کو دینی چاہی مگر انھوں نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا انھوں نے دیور کو یقین دلایا کہ فی الحال موجودہ آمدنی بالکل کافی ہے، جب بیاہ شادی یا تعلیم کا بڑا خرچ آ کر پڑے گا تو تمھارے سوا اور کون کرنے والا ہے! بھاوج کے سامنے احسان کی ایک نہ چلی اور انھیں مجبوراً مان لینا پڑا۔ اور نسیمہ خاتون اسی قلیل آمدنی میں کل خرچ چلانے لگیں۔ جنگ کی وجہ سے اشیاء کی گرانی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اچھے اچھے پیسے والے لوگوں کو خرچ پورا کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ نہ کہ اتنی کم آمدنی میں چار بچوں اور دو نوکروں کا خرچ اُٹھانا۔ بچے ناز و نعم کے پلے ہوئے تھے اور ماں کو یہ گوارا نہ تھا کہ بچوں کے دل پر میل آنے دے۔ اس پر ان کا سادہ دل اور فراخ دل جو کسی کو تکلیف یا تنگی میں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کنبے برادری میں تقریبوں کے موقع پر دینا دلانا۔ سینکڑوں اخراجات تھے جن کو نہ جانے وہ کس کس طرح پورا کرتی تھیں۔

نسیمہ خاتون نے تین سال کا یہ کٹھن زمانہ کسی نہ کسی طرح گزار دیا تھا یوں دیکھنے میں کسی کو اندازہ بھی نہ ہوتا تھا کہ اس ہنس مکھ اور مستعد عورت

کے دل میں جو نہ صرف اپنے بچوں اور عزیزوں بلکہ ہر کس و ناکس کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ اور تیار رہتی ہے، دردِ فراق کی دبی ہوئی آگ اندر ہی اندر سُلگتی رہتی ہے جو انہیں گھن کی طرح کھائے جاتی ہے' ان کے دُبلے پتلے کمزور جسم کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم ارادہ تھا (اور پھر اس زمانے کے شرفا کے رسم و رواج کے مطابق شوہر کے رنج و غم کا اظہار کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا) کہ کوئی اُن کے غمِ پنہاں کا اندازہ نہ کر سکتا تھا صرف محمد احسان جو بھاوج کی طبیعت اور مزاج شناس تھے جانتے تھے کہ اس مطمئن اور خندہ رو ہستی کے دل کی گہرائیوں میں کتنا رنج و غم پنہاں ہے۔ انھیں ہمیشہ بھاوج کی صحت کی فکر رہتی اور اُن کے لئے طاقت کی دوائیں لاتے اور غذا کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔

نسیمہ خاتون نماز کے بعد کچھ دیر وظیفہ پڑھتی رہیں، پھر سجدۂ شکر ادا کیا اور صحن میں سوئی ہوئی عورت کو آواز دی "نصیبن اے نصیبن، جلدی اُٹھو نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے" بڑھیا نے اطمینان سے آنکھیں کھولیں، مُنہ مُنہ میں کلمہ پڑھا دو چار انگڑائیاں لیں، سر کھجایا نیفے کے بل ٹھیک کئے، پٹی سے نیچے پیک تھوکی اور ایک بد قلعی لوٹا اٹھا کر پاخانے کی طرف چل دیں۔

نسیمہ خاتون ہاتھ میں تسبیح لئے ایک پلنگڑی کے پاس آئیں جس پر ایک لڑکی مُنہ لپیٹے سو رہی تھی۔ انھوں نے بازو ہلا کر کہا "فرخ بیٹی اُٹھو دیکھو کتنا دن چڑھ گیا اور تم اب تک پڑی سو رہی ہو" فرخ نے کسمسا کر کروٹ بدل لی اور تکیہ مُنہ پر رکھ کر پھر سو گئی۔ نسیمہ نے تکیہ مُنہ سے ہٹا کر کہا "فرخ یہ کیا کاہلی ہے نماز کا وقت اتنا کم رہ گیا اور تم پڑی سو رہی ہو" فرخ نے آنکھیں کھولیں

کلمہ پڑھا اور ماں کو سلام کرکے اُٹھ بیٹھی۔ فرخ کی عمر دس گیارہ سال کی تھی۔ بڑی بڑی شربتی آنکھیں چھوٹا سا دہن، سُرخ ہونٹ، سیاہی مائل بھورے بال گورا رنگ، گالوں پر سیب کی سی سُرخی، بھرا بھرا ڈیل اور معمول سے کچھ چھوٹا قد۔

فرخ کے اُٹھتے ہی دوسرے پلنگ سے عذرا گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اس کی عمر آٹھ نو سال کی ہوگی۔ خاصہ لمبا قد۔ چھریرا جسم، کھلتا ہوا سانولا رنگ، پتلی سی موزوں ناک، سیاہ اور چمکدار آنکھیں جن سے ذہانت اور شوخی ٹپک رہی تھی، لمبی لمبی سیاہ پلکیں، سیاہ گھونگھر والے بال، کتابی چہرہ لمبی گردن، معمولی ہونٹ، دہن اس کی صورت نسیمہ خاتون سے بہت ملتی تھی۔ کھڑے ہو کر ماں کو سلام کیا اور بغیر جواب کا انتظار کئے غسل خانے میں گھس گئی اور ذرا دیر میں وضو کر آ نماز پڑھنے لگی۔ فرخ ابھی دانت مانجھ کر بھی فارغ نہ ہوئی تھی کہ یہ نماز ختم کرکے اوپر جانے لگی۔ ماں نے پوچھا "اوپر کیوں جا رہی ہو" اُس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا۔ "اماں! ابھی آتی ہوں ذرا ٹہل آؤں" اور اوپر جا کر بڑی بڑی چھتوں پر ٹہلنے لگی۔

نسیمہ نے اپنے پلنگ پر سوئی ہوئی بچی کو اُٹھایا اور اُس کا مُنہ دُھلانے لگیں۔ چار سال کی بچی مشکل سے تین سال کی معلوم ہوتی تھی۔ سفید پھٹک رنگت بھورے بال بھوری آنکھیں، چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیر، ٹھوڑی اور گالوں میں ننھے ننھے خوبصورت گڑھے۔ دیکھنے میں بہت کمزور معلوم ہوتی تھی ــــ

نسیمہ خاتون مُنہ دُھلاتی جاتی تھیں اور سیدہ کو کلمہ اور الحمد یاد کراتی جاتی تھیں۔ دروازے سے پندرہ سولہ سال کی عمر کا ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔ لمبا قد چھریرا مگر مضبوط جسم، خوبصورت گندمی رنگ بڑا سا اونچا ماتھا، ذرا بڑا دہن، اور

موٹے ہونٹ، لمبی پتلی خوب صورت ناک، کتابی چہرہ گول اور خوب صورت سر، سیاہ بال اور ذہین آنکھیں، ترکی ٹوپی، ٹھنڈی شیروانی اور لٹھے کا سفید پاجامہ پہنے ہوئے۔ اُس نے ہنستے ہوئے ماں کو سلام کیا۔ ہنستے ہوئے خوب صورت دانتوں کی لڑی بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ نسیمہ خاتون نے بہت سی دعاؤں کے بعد کہا "ریاض میاں سویرے سویرے کہاں سدھار گئے تھے؟"

ریاض۔ آج چھٹی ہے اس لئے ذرا دُور تک ٹہلنے چلا گیا تھا۔ راستے میں فرحت مل گئے ان سے باتوں میں دیر ہوگئی۔ یہ کہتے ہوئے ریاض نے سیدہ کو گود میں اٹھا لیا اور پیار کرنے لگے۔ فرخ اندر سے آئی اور قرینے سے دوپٹہ اوڑھ کر جھک کر بھائی کو سلام کیا۔ "بھائی جان آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

ریاض۔ میں ذرا ٹہلنے چلا گیا تھا۔ روز تو اسکول جانے کی جلدی ہوتی ہے ٹہلنا ہو نہیں سکتا۔

فرخ۔ بھائی جان اس وقت باہر بڑا اچھا معلوم ہوتا ہوگا۔

ریاض۔ ہاں اس وقت باہر سیر کرنے سے بڑی فرحت ہوتی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور ہرے بھرے کھیتوں کا منظر، لہراتی ہوئی ندی، بہتا ہوا پانی بہت دل کش منظر ہوتا ہے۔

فرخ۔ صبح کے وقت میرا بھی جی باہر سیر کو جانے کو چاہتا ہے۔ مگر خالہ جان کے ڈر سے کچھ نہیں کہتی ـــــ "اے نوج بیٹیاں کیوں باہر جانے لگیں" حالانکہ جب ابّا جان زندہ تھے تو ہم سب منھ اندھیرے اُٹھ کر روز سیر کرنے جاتے تھے۔ ہے نا امّاں؟

نسیمہ۔ اس وقت تم چھوٹی سی تھیں، اب ماشاءاللہ بڑی ہوگئی ہو۔

فرخ۔ ایسی بڑی کہاں ہوں۔ اور تب تو آپ بھی سیر کو جاتی تھیں، آپ تو اتنی ہی بڑی تھیں جتنی اب ہیں۔

نسیمہ۔ وہ تو پردیس تھا نا۔ یہ اپنا شہر ہے۔ یہاں لوگ باہر نکلنے کو معیوب سمجھتے ہیں۔

عذرا اوپر سے اُتر آئی اور پیچھے سے بھائی جان کی آنکھیں بند کر لیں ریاض نے ہنس کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور بولے یہ سوا شریر عذرا کے اور کون ہو سکتا ہے۔ عذرا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دونوں باہیں ریاض کے گلے میں ڈال کر لٹک گئی "آج چھٹی کے دن آپ باہر چل دیئے اور میرا سبق رہ گیا۔"

نسیمہ۔ تم خود آج دیر کرکے اُٹھی ہو۔

ریاض۔ لاؤ کتاب میں ابھی پڑھائے دیتا ہوں۔

نسیمہ۔ نہیں میاں پہلے ناشتہ کر لو پھر پڑھانا۔ اسے تو ہر بات کی جلدی پڑی رہتی ہے۔ جاؤ اچھی بڑی بی سے ٹکیاں لے آؤ۔ اور فرخ تم چوکی پہ دسترخوان بچھا کر چائے کی پیالیاں لگا لو۔

سب نے مل کر دودھ، گھی کی ٹکیوں اور چٹنی کا ناشتہ کیا۔ ریاض اور نسیمہ نے چائے بھی پی۔ ناشتے کے بعد فرخ اور عذرا نے سب کے بستر تہ کر کے سہ دری میں رکھے نصیبن نے پلنگ اندر بچھائے اور سارے گھر میں جھاڑو دی۔ ریاض نے کچھ دیر عذرا کو پڑھایا پھر اپنی کتابیں لے کر اوپر چلے گئے۔ نسیمہ خاتون نے پہلے تو ایک جھاڑن سے پلنگ چوکیاں وغیرہ جھاڑیں اس کے بعد پاندان کھول کر ایک پان خود کھایا ایک نصیبن کو دیا اور نصیبن کو دوپہر کے کھانے کے لئے بنا کر سلائی لے کر بیٹھ گئیں۔ سیدہ ان کے گھٹنے کے پاس بیٹھی

اپنی گڑیا کو قاعدے سے دوپٹہ اوڑھانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ فرخ اور عذرا اپنی اپنی کتابیں لے کر صحنچی میں جا بیٹھیں۔

ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہوگا کہ دروازے سے ایک بی بی آتی نظر آئیں۔ کالی چھینٹ کا پاجامہ ڈوریئے کا کُرتا اور ہلکے موتیا رنگ کا دوپٹہ۔ گورا رنگ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، بھاری ڈیل، ماتھے پہ تین بل، بالوں میں سیاہی کے ساتھ سفیدی چمکتی ہوئی۔ عمر ۴۵ سال کے لگ بھگ۔

فرخ اور عذرا نے ان کو آتے دیکھا تو چپکے سے ایک نے دوسری سے کہا "خالہ جان آرہی ہیں" اور دوپٹہ سے سر ڈھک کر جھک کر سلام کیا لیکن چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئیں۔ یہ نسیمہ کی بڑی بہن جمیلہ خاتون تھیں، ان کا مزاج بہت تیز تھا اور بڑی نکتہ چین طبیعت پائی تھی۔ وہ خدا ترس، خدمت گزار اور سخی طبیعت رکھتی تھیں، مذہب کی سختی سے پابند تھیں لیکن خیالات پہ قدامت پرستی کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا وہ سمجھتی تھیں کہ ان کی رائے خیالات اور عقیدے ہی سچے اور اصلی ہیں اور سیدھے خدا کی طرف سے ان پہ نازل ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدے اور رائے سے اختلاف کرنے والا یقیناً جہنمی، کافر اور بے دین ہے۔ لڑکیوں کے بارے میں ان کا خیال تھا اور نہایت خلوص سے کہ ان پہ جتنی زیادہ سے زیادہ سختی ہوسکے کرنی چاہیئے اور ہر وقت کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔ ان کا کوئی کام، کوئی بات پرانی روش سے ہٹی ہوئی نہ ہو۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ بیٹی ذات کو کھلائیے سونے کا نوالہ اور دیکھیے شیر کی نگاہ۔ کنواری لڑکیوں کا سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے۔ تعلیم بھی بس اتنی ملنی چاہیئے کہ قرآن پڑھ سکیں۔ اور مذہبی کتابیں پڑھ لیں۔ موجودہ زمانے کی تعلیم تباہ، برباد اور لامذہب

کرنے والی ہے اس سے ہر شریف لڑکی کو بچانا چاہیئے۔ خوش قسمتی سے ان کے کوئی لڑکی نہیں تھی صرف ایک لڑکا جمیل تھا۔ ہاں اُن کی نند کی بچّی ذکیہ جس کی ماں عرصہ ہوا فوت ہو گئی تھیں، ان کے پاس رہتی تھی۔ جمیلہ خاتون اسے بے حد چاہتی تھیں لیکن باوجود اتنی محبّت کے ہر وقت سختی اور نکتہ چینی کرتی رہتی تھیں۔ ذکیہ کی عمر ابھی گیارہ سال ہی کی تھی مگر اس پر کڑی بندشیں لگ چکی تھیں۔ اپنے اصولوں کی سختی اور مزاج کی وجہ سے ان کی ہمیشہ اپنے شوہر سے اَن بَن رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے عاجز آ کر دوسری شادی کر لی اور یہ اپنے لڑکے اور نند کی بچّی کو لے کر باپ کے گھر میں چلی آئیں۔ نسیمہ ان سے کئی سال چھوٹی تھیں۔ باوجود مزاجوں اور خیالات کے اختلاف کے دونوں بہنوں میں بہت محبّت تھی اور دونوں کو ایک دوسری کی مصیبت اور رنج کا احساس تھا۔ لیکن جمیلہ خاتون کو بہن کے گھر کی ہر بات انوکھی، خلافِ رسم و رواج اور خلافِ مذہب معلوم ہوتی تھی۔ وہ جب آتیں لڑکیوں کو نصیحت کرتی، ٹوکتی اور اعتراض کرتی ہوئی آتی تھیں اور اسی لئے لڑکیاں اُن سے خائف رہتی تھیں نسیمہ کو بہن کا بڑا پاس تھا اور وہ اکثر ان کی بات مان لیتی تھیں لیکن اول تو ان کی طبیعت خود ہی معقول پسند واقع ہوئی تھی پھر انیس سال تعلیم یافتہ روشن خیال شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد ان کے خیالات اور عقائد بہت کچھ بدل گئے تھے اور یہ بات اُن کی بہن کو بہت ناگوار تھی اور اسی لئے وہ اکثر بہن پر ناراض ہوتی رہتی تھیں۔

نسیمہ نے انھیں دیکھا تو کھڑے ہو کر سلام کیا۔ "آپا جان آداب"

جمیلہ خاتون نے دُعا دی اور بہن کے برابر بیٹھ گئیں۔ سیّدہ جو خالہ سے بہت مانوس تھی اُن کی گود میں جا بیٹھی اور باتیں بنانے لگی۔ نسیمہ نے

پان بنا کر دیا اور باتیں ہونے لگیں۔
نسیمہ۔ پرسوں سے خاصی گرمی بڑھ گئی ہے۔ مگر رات کچھ خنکی تھی۔
جمیلہ۔ ہاں لُو اگرمی تو اب روز بروز بڑھے گی اور میرے ہاں تو صحن میں ہَوا کی رمق بھی نہیں آتی۔
نسیمہ۔ آپا تم اوپر کے کوٹھے پر سویا کرو۔ نیچے تو بڑی گرمی ہوتی ہو گی۔
جمیلہ۔ اوپر کیسے سوؤں۔ جمیل جو اوپر سوتا ہے۔
نسیمہ۔ اے تو ہرج کیا ہے۔ جمیل تمھارا بچّہ ہی تو ہے۔
جمیلہ۔ تم بھی نسّن بچّوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ اوّل تو خدا رکھے جوان لڑکے کے سامنے سوتے خود مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے۔ پھر ذکّن کی وجہ سے اور بھی نہیں سو سکتی جوان لڑکی ہے دونوں ایک جگہ کیسے سو سکتے ہیں۔
نسیمہ۔ آپا تمھارے وہموں سے خدا بچائے۔ اوّل تو جمیل خود بچّہ ہے سولہ سترہ برس کی عمر بھی کوئی عمر ہے اور پھر ذکیہ تو ابھی پورے گیارہ برس کی بھی نہیں تم اسے جوان لڑکی کہتی ہو۔
جمیلہ۔ جوان نہیں تو کیا ہے۔ عرب میں تو چھ سات برس کی عمر میں لڑکیوں کی شادی ہو جاتی تھی۔ نو برس کی لڑکی پر نماز روزہ فرض ہے کہ نہیں؟
نسیمہ۔ یہ تو ہندوستان ہے عرب نہیں۔ یہاں تو نو دس کی بچّی یہ بھی نہیں جانتی کہ اس کے مُنھ میں کَے دانت ہیں۔
جمیلہ۔ اے ہاں کیوں نہیں۔ آج کل کی لڑکیاں ایسی پکّی ٹاٹ ہوتی ہیں کہ خدا بچائے۔ یہ ہمارا تمھارا زمانہ نہیں ہے پھر لڑکی کی ذات ککڑی کی بیل کی طرح پھیلتی ہے۔ دو تین برس میں دیکھنا کہ یہ نو دس برس کی لڑکیاں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں۔ مجھے تو راتوں کو نیند بھی نہیں آتی۔ جوان لڑکی کی

نگرانی کرنا بڑا مشکل کام ہے۔
نسیمہ۔ (بات ٹال کر) آپا کل احسن بھائی کے ہاں سے نائن آئی تھی۔ نجمہ کا قرآن ختم ہوا ہے۔ پرسوں اس کی آمین ہے۔ تمھارے ہاں بھی تو بلاوا آیا ہوگا۔
جمیلہ۔ ہاں آیا ہے۔ اللہ جیتا رکھے۔ چھوٹی سی عمر میں قرآن ختم کرلیا۔ آج کل لوگوں کو قرآن نماز کی طرف توجہ کہاں بس اُردو انگریزی پڑھوا دو اسی میں نجات ہے۔
نسیمہ۔ تو تم جاؤ گی آپا۔
جمیلہ۔ ہاں ضرور جاؤں گی۔ تم نے کچھ اور بھی سُنا انھوں نے ڈُگن کو بھی بلایا ہے۔
نسیمہ۔ ہاں میری بچیوں کا بھی بلاوا آیا ہے۔ بچی کی آمین میں بچیوں کو بلانا ہی چاہیئے تھا۔
جمیلہ۔ لو اور سُنو۔ لڑکیاں کیوں یوں گُنبے برادری میں پھرنے لگیں۔
نسیمہ۔ توبہ آپا کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھائی احسن علی کیا غیر ہیں۔ ابّا کے سگے چچا زاد بھائی کے بیٹے ہیں۔ ایسے قریب کے رشتوں میں بھی لڑکیاں نہ جائیں تو پھر کہاں جائیں۔
جمیلہ۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ کُنبہ برادری میں لڑکیاں پھریں اور سب لوگ نام رکھیں۔
نسیمہ۔ کنبے برادری میں نہ جائیں کہیں اور نہ جائیں آئیں تو کیا گھٹ گھٹ کر مر جائیں اور اتنی چھوٹی سی عمروں سے تو ہرگز بھی پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔ بھی عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے۔ آگے چل کر تو پابندیاں لگنی ہی ہیں۔
جمیلہ۔ تمھارے خیالات شہر میں رہ کر بالکل خراب ہوگئے بچیوں پر چھوٹی عمر سے سختی نہ کی جائے گی تو بڑی ہو کر وہ کیسے قابو میں آئیں گی۔ کبھی ہم نے تم نے بھی گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔

نسیمہ۔ آپا وہ زمانہ اور تھا۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس میں یہ پُرانی باتیں نہیں چل سکتیں۔

جمیلہ۔ (ناراضگی سے) ہاں جب تم جیسی مائیں ہوں گی تب تو لڑکیاں جو بھی کریں تھوڑا ہے۔ غضب خدا کا ماں ہو کر تمھیں یہ خبر نہیں کہ لڑکیوں کی تربیت کس قدر مشکل کام ہے۔ ایسی آزادی ٹھیک نہیں۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ وہ دیکھو فرخ سر کھولے بیٹھی ہے۔ اور پڑھ کیا رہی ہے؟ کوئی نماز روزے دینیات کی کتاب تو ہو گی نہیں۔ ہو گی کوئی فضول کتاب۔

فرخ۔ (جلدی سے سر پہ دوپٹہ اوڑھ کر) خالہ جان مرأۃ العروس پڑھ رہی ہوں۔

جمیلہ۔ مجھے ان موئی قصّے کی کتابوں سے نفرت ہے۔ یہ خراب سراب قصّے پڑھ کر لڑکیاں کس کام کی رہیں گی۔

نسیمہ۔ خراب قصّہ نہیں مولوی نذیر احمد کی اصلاحی کتاب ہے۔ لڑکیوں کے لئے خاص طور پر لکھی گئی ہے۔ (نسیمہ) بہت مفید اور اچھّی اچھّی باتیں بتائی ہیں۔

جمیلہ۔ بس رہنے دو میں سب جانتی ہوں۔ دیکھو میں کہے دیتی ہوں مجھے یہ پسند نہیں کہ لڑکیاں تقریبوں میں جائیں وہاں سینکڑوں عورتیں ہوں گی اور لڑکیوں کو دیکھیں گی۔

اس طرف عذرا اور فرخ چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں

عذرا۔ خالہ جان نے تو ناک میں دم کر دیا۔ اماں کو بہکا رہی ہیں کہ نجمہ کی آئین میں نہ لے جائیں۔ بڑی آئیں بچاری۔

فرخ۔ خبر نہیں خالہ جان کو دُنیا بھر کی لڑکیوں سے کیوں دشمنی ہے ہماری امّاں بڑی اچھی ہیں۔ اگر وہ بھی خالہ جان جیسی ہوتیں تو ہم کیا کرتے۔

عذرا۔ بچاری ذکیہ کی جان ہر وقت آفت میں کئے رہتی ہیں۔ نہ کہیں آنا نہ جانا نہ ہنسنا نہ بولنا نہ کھیل کود نہ پڑھنا لکھنا بس قرآن پڑھتی رہے یا حدیث کی کتابیں۔ بچاری کی ماں نہ مرتیں تو کیوں ان کے پاس آ کر رہتی۔

فرخ۔ خالہ جان ذکیہ سے محبّت تو بہت کرتی ہیں۔ ہر وقت اس کی صحت کا خیال رکھتی ہیں۔ دُنیا بھر کی اچھی اچھی چیزیں کھلاتی ہیں ــــــ مگر مزاج کو کیا کریں وہ تو ہے ہی ایسا۔

عذرا۔ میں تو ضرور احسن چچا کے ہاں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو۔

فرخ۔ سُن نہیں رہی ہو خالہ جان اماں سے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔

دروازے سے آواز آئی "بھابی میں اندر آ سکتا ہوں"

نسیمہ نے جلدی سے کہا "ہاں ہاں بھائی آؤ نا"

دروازے سے ۴۲ ۔ ۴۳ سال کے ایک صاحب، لمبا قد، گورا رنگ اونچا ماتھا، موزوں نقش و نگار، چہرے سے محبت اور شفقت برستی تھی پیشانی کی بلندی عالی ظرفی اور فراخ دلی کا اظہار کرتی تھی ـــــ ہاتھ میں لکڑی لئے اندر داخل ہوئے۔ عذرا اور فرخ ننگے پاؤں اُن کی طرف دوڑیں اور جا کر لپٹ گئیں۔ محمد احسان نے دونوں بھتیجیوں کو گلے سے لگایا اور عذرا کو گود میں اٹھائے فرخ کو پہلو سے لگائے دالان کی طرف چلے۔ جمیلہ خاتون نے خشمگیں نظروں سے بہن کو دیکھا "دیکھتی ہو لڑکی کی بے شرمی۔ اتنی بڑی ڈھونگ چچا کی گود میں سوار ہے" نسیمہ خاتون نے متانت سے جواب دیا "چچا ہی کی تو گود ہے ــــ

اگر چچا سے بھی شرم کرے گی تو پھر محبت کس سے کرے گی ؟" جمیلہ خاتون جھلا گئیں
"آج کو باپ چچا کے گلے میں باہیں ڈالے گی کل کو ...."

نسیمہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ جمیلہ خاتون کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ محمد احسان اندر آئے اور دونوں کو سلام کیا۔ "آپا اور بھابی آداب عرض کرتا ہوں"۔ جمیلہ نے ہاتھ سے سلام کا جواب دیا اور نسیمہ نے محبت بھرے لہجے میں دعائیں۔ اگرچہ محمد احسان نسیمہ سے کچھ بڑے ہی تھے لیکن بڑی بھاوج ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دیور کو اپنے سے چھوٹا سمجھتی تھیں۔ عذرا نے چچا کے کان میں کہہ دیا تھا کہ خالہ جان احسن چچا کے ہاں جانے سے منع کر رہی ہیں آپ اماں سے کہہ دیجئے گا کہ ضرور لے جائیں۔ محمد احسان نے ہنس کر گردن ہلا دی تھی۔ سیّدہ باورچی خانے میں کھیل رہی تھی چچا کی آواز سُن کر دوڑی آئی اور اُن کی گود میں بیٹھ گئی۔ چچا اسے بہت چاہتے تھے۔ اور سیّدہ بھی اُن کے نام کی عاشق تھی۔

نسیمہ۔ کیوں بھائی تم کب آئے ؟ کوئی اطلاع تو تھی نہیں۔

احسان۔ آج صبح آیا ہوں۔ دفتر میں دو تین دن کی چھٹی تھی اس لئے آ گیا۔ کئی دن سے یہاں سے کسی نے خط نہیں لکھا تھا۔ ریاض سے یہ نہیں ہوتا کہ باقاعدگی سے خط لکھتا رہے ـــــ کہاں ہے ؟

نسیمہ۔ ابھی کچھ دیر ہوئی باہر گیا ہے۔ آتا ہوگا۔

احسان۔ امتحان سر پہ آ گیا۔ کچھ تیاری بھی کر رہا ہے۔

نسیمہ۔ ہاں محنت تو بہت کر رہا ہے۔ آگے خدا مالک ہے۔

جمیلہ۔ احسان میاں بہو کیسی ہیں۔ سُنا تھا کچھ جی بُرا ہے۔

احسان۔ جی ہاں ان کی طبیعت صاف نہیں کچھ دوران سر وغیرہ کی شکایت رہتی ہے۔

جمیلہ۔ بچے اچھے ہیں۔
احسان۔ شکر ہے خدا کا۔ فرخ تمھیں صغرا بہت یاد کر رہی تھی۔
فرخ۔ چچا جان آپ اُسے لے کیوں نہ آئے میرا جی بھی ملنے کو بہت چاہ رہا ہے۔
احسان۔ اب کل تم لوگ احسن بھائی کے ہاں ان کی بچی کے نشرح میں جاؤ گی وہ بھی جائے گی وہاں سے اُسے ساتھ لے آنا۔
نسیمہ۔ (دبی زبان سے) بچیاں تو شاید نہ جاسکیں۔
احسان۔ کیوں نہ جائیں؟ — ضرور لے جاؤ۔ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے ملیں گی کھیلیں گی۔ گھر میں گھٹے گھٹے پریشان ہو جاتی ہیں۔
جمیلہ۔ یہ نیا دستور نکلا ہے کہ کنواری لڑکیاں کنبے برادری میں پھریں۔
احسان۔ مگر احسن بھائی تو قریبی عزیز ہیں۔ کیا آپ ذکیہ کو نہ لے جائیں گی؟
جمیلہ۔ جی نہیں میں آپ لوگوں کی طرح فیشن ایبل نہیں ہوں۔
احسان۔ اس طرح لڑکیوں کو قید کرنا اور بھورے میں پالنا اچھی بات نہیں آخر فرخ عذرا صغرا سبھی تو جائیں گی وہ بھی چلی جائے تو کیا ہرج ہے۔
جمیلہ۔ میں ان کا جانا ہی کب پسند کرتی ہوں۔ مگر بھئی وہ تمھاری اولاد ہے تمھیں اختیار ہے جہاں چاہے بھیجو، جو چاہے کرو۔ میرا کیا بس ہے۔ مگر میری بچی میرے قبضہ میں ہے اُسے جیسے چاہوں گی رکھوں گی کسی کو دخل دینے کا حق نہیں۔
احسان۔ (ناگواری سے) میں دخل نہیں دیتا صرف مشورہ دیا تھا آگے آپ مختار ہیں۔
ریاض نے باہر سے آکر چچا کو سلام کیا۔ انھوں نے گلے سے لگا کر پاس بٹھا لیا۔ جمیلہ خاتون اپنے گھر چلی گئیں۔
احسان۔ تمھارا امتحان کب سے شروع ہے۔
ریاض۔ مئی کی پندرہ تاریخ سے۔ مہینہ بھر باقی ہے۔

احسان۔ کچھ تیاری بھی کر رہے ہو یا نہیں۔
ریاض۔ جی ہاں کر تو رہا ہوں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔
احسان۔ پوری طرح کوشش کرو۔ محنت کرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ اس امتحان کی کامیابی پر تمھاری آئندہ ترقی کا دار مدار ہے۔ اگر میٹرک میں، اچھے نمبروں میں کامیاب ہو گئے اور کوئی وظیفہ لے لیا تو آئندہ تعلیم میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ بیٹا تمھیں ہر وقت اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ تم پر پورے خاندان کی ذمہ داری ہے۔

ریاض نے سر جھکا لیا اور نسیمہ خاتون کی آنکھوں میں جو آنسو بھر آئے تھے انھیں وہ کوشش کر کے پی گئیں۔

دوسرا باب

شیخ احسن علی ریٹائرڈ تحصیلدار تھے۔ اپنے زمانے میں ان کو "دستِ غیب" حاصل تھا۔ خوب کمایا اور خوب خرچ کیا پھر بھی اس وقت پنشن سمیت چار پانسو روپے ماہوار کی آمدنی تھی پنشن کے بعد سے اکبر پور ہی آرہے تھے۔ پُرانے خیال اور پُرانی معاشرت کے دلدادہ ہونے کے باوجود انگریزی حکومت کے انتہائی وفادار اور لڑکوں کو مغربی تعلیم دلانے کے حامی تھے۔ اس لئے نہیں کہ اس سے علم یا عقل میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ کوئی اچھی سرکاری نوکری مل جاتی ہے۔ ان کی بیوی محمدی بیگم مزاج کی بڑی تیز اور میاں پر بہت حاوی تھیں اور تحصیلدار صاحب جنھوں نے اپنی تحصیلداری کے زمانے میں بڑوں بڑوں کے تنکلے کے سے بل نکال دیے تھے بیوی کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے تھے۔

اشراف ٹولے سے کچھ فاصلے پر سادات محلہ میں احسن علی کا مکان تھا۔

مکان پُرانی وضع کا مگر بہت شاندار اور وسیع تھا۔ گھر میں علاوہ محمدی بیگم اُن کی دسیوں نوکرانیوں اور چھوکریوں کے ان کی لڑکی نجمہ اور لڑکا فرحت حسن اور ایک اُن کی نند کی لڑکی شمیم بھی تھی جس کے ماں اور باپ کا انتقال ہو گیا تھا اور اب وہ ماموں کے پاس رہتی تھی۔

آج اُن کے ہاں بڑی بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کہیں نائی دیگیں صاف کر رہے ہیں اور کھانا پکانے کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ اندر دالانوں میں فرش فروش درست ہو رہا ہے، کورے گھڑے بھرے جا رہے ہیں، چاندی کے بڑے پاندان پر کارچوبی گردی چڑھائی جا رہی ہے۔ غرض سارے گھر میں ایک ہلڑ مچا ہے محمدی بیگم بہت بھاری جسم کی بیوی ہیں کبھی صورت اچھی ہوگی مگر اب تو سارے نقش و نگار گوشت میں چھپ گئے ہیں۔ ایک چھپر کھٹ پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے، فرشی پاجامہ پُرانی وضع کی محرم کرتی پہنے اور بھاری دوپٹہ اوڑھے سر سے پاؤں تک زیور میں لدی خاصی چوتھی کی دُلہن بنی بیٹھی ہیں بسروتا ہاتھ میں کھٹا کھٹ چل رہا ہے اور ساتھ ہی چھوکریوں پر زبان بھی تیز کرتی جاتی ہیں اُن کی کڑاک دار آواز سارے گھر میں گونج رہی ہے۔

سامنے کے کمرے سے نجمہ باہر نکلی۔ دس سال کی عمر اور اچھی شکل کی لڑکی تھی رنگ بہت گورا تھا مگر ابھی سے ماں کی طرح جسم بھدا معلوم ہوتا تھا۔ محمدی بیگم نے لڑکی پر ایک نظر ڈالی "یہ تم نے کیا پہنا ہے۔ گلابی ساٹن کا پاجامہ اور آبی کرتا دوپٹہ، سبحان اللہ یہ تقریب کے دن ایسے سادے کپڑے!! اے وہ جوڑا پہنو نا جو آج کے دن کے لئے بنایا گیا ہے"۔ نجمہ نے کہا" باجی اماں بھلا اتنا بھاری جوڑا میں اس گرمی میں کیسے سارے دن پہنے رہوں گی" محمدی بیگم نے غصے سے کہا" ہاں ہاں وہ فیشن ایبل نہیں اس لئے ناپسند ہے۔

لڑکی کیا برادری میں میری ناک کٹائے گی ـــــ جا جلدی جاکر دوسرا جوڑا بدل"
نجمہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے ٹھنک کر بولی "کہہ تو رہی ہوں شام کو پہن لوں گی ـ"
محمدی بیگم نے چلاکر کہا "نہیں ابھی پہننا ہوگا۔ گل چمن جا جلدی سے جاکر صاحبزادی کا جوڑا بدلوا" نجمہ منہ بناتی چلی گئی اور جوڑا بدل کر واپس آئی۔ زربفت کا پاجامہ، کلیوں کا سرخ ریشمی مسالے سے لسا ہوا کرتا اور ویسا ہی بھاری دوپٹہ، ہاتھوں، پاؤں، گلے کانوں وغیرہ میں بہت سا زیور اور ناک میں نتھنی، پاؤں میں سلیم شاہی ولی کی جوتی۔ محمدی بیگم دیکھ کر کھل گئیں اور پاس بلاکر پیار کیا۔ ماما ئیں، چھوکریاں آآکر بلائیں لینے لگیں۔ ایک نے نظر اُتاری دوسری نے پڑھ کر پھونکا۔ نجمہ کچھ نازاں سی کچھ شرمائی سی ماں کے پاس بیٹھی تھی کہ سہ دری سے شمیم باہر آئی۔ بارہ سال کی دُبلی پتلی سانولے رنگ کی لڑکی تھی۔ چہرے سے سنجیدگی اور افسردگی ٹپکتی تھی۔ اُس نے باہر آکر ممانی کو سلام کیا اور کاموں کی دیکھ بھال کرنے لگی۔

دس بجے کے بعد سے مہمان آنے شروع ہوئے ڈولیوں پر ڈولیاں اور پالکیوں پر پالکیاں اُترنے لگیں۔ کچھ تانگے اِکے بھی آئے۔ ہر صورت اور ہر لباس کی سینکڑوں عورتیں اور ہر سائز اور ہر عمر کے بچے آگئے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی گیارہ بجے دو ڈولیوں میں نسیمہ خاتون فرخ اور عذرا آئیں اور ایک ڈولی میں جمیلہ خاتون اور سیدہ۔ نسیمہ خاتون کاہی اٹالین کا آڑا پاجامہ اور سفید چکن کا دوپٹہ کرتہ پہنے ہوئے تھیں۔ فرخ اور عذرا کے سبز ساٹن کے پاجامے، ریشمی پھولدار کرتے اور باریک ململ کے گلابی دوپٹے تھے جن پر پتلا سا لچکا ٹکا تھا۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں، ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں اور گلے میں جگنی سکڑی سکڑائی خالہ کی طرف خائف نظروں سے دیکھتی، آنکھیں نیچی کر کے ماں کے پاس بیٹھ گئیں۔ سیدہ سفید چکن کا قمیص اور سرخ ریشمی پاجامہ اور

کارچوبی ٹوپی پہنے بڑی پیاری معلوم ہو رہی تھی۔

محمدی بیگم نے بچیوں کو گلے لگایا جمیلہ اور نسیمہ کی خیریت پوچھی، اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔

بارہ بجے ہوں گے کہ باہر سے موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ بیویوں کے کان کھڑے ہوئے ایک دوسری سے تعجب سے پوچھنے لگیں کہ "اوئی بُوا یہ موٹر کِس کا آیا"؟ محمدی بیگم گھبرا کر کھڑی ہو گئیں اور ہانپتی ہوئی دو پیش خدمتوں کو ساتھ لئے پیشوائی کے لئے بڑھیں۔ ایک لمبی سی بیوی کاسنی بنارسی ساڑی، گلے میں سونے کا ہار، جڑاؤ چوڑیاں، جڑاؤ بُندے پاؤں میں سیاہ پمپ اور سونے کی نازک سی پازیب پہنے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں ایک کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی اور دوسری کی سات سال کی۔ بڑی گلابی رنگ کا ریشمی شلوار جمپر اور ہلکا ہلکا جڑاؤ زیور پہنے ہوئی تھی۔ اونچی ایڑی کے جوتے، بالوں میں کلپ ہاتھ میں گھڑی اور آنکھوں میں سُرمہ۔ سُرخ و سفید رنگ اور معمولی ناک نقشہ۔ دوسری ریشمی فراک جانگیہ اور موزے پہنے تھی، کٹے ہوئے بالوں میں فیتہ بندھا ہوا تھا اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے بندے تھے۔

بیویاں جو مُنہ کھولے، آنکھیں پھاڑے آنے والی بیوی اور اُن کی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں اب آپس میں کھسر پُھسر کرنے لگیں "اے بوا یہ شریفوں میں میم کہاں سے گھس آئی"، دوسری بولی "جوان لڑکی کا فیشن تو دیکھو" اور "چھوٹی تو بالکل عیسائی لگتی ہے"، جمیلہ خاتون نے تیوری پر بل ڈال کر اُن کی طرف دیکھا "خدا بچائے اس زمانے کے رنگ سے۔ بھلا اس عورت کی کوئی ادا بھی مُسلمانوں کی سی ہے نہ جانے ابھی کیا کیا ہونا ہے ـــــ قیامت قریب ہے" نسیمہ نے آنے والی بیوی کو غور سے دیکھ کر کہا "آپا میں جانوں یہ ڈپٹی نعیم احمد کی بیوی اور لڑکیاں ہیں

مگر وہ تو لاہور میں تھے یہاں کب آئے؟" پاس بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا تمہیں نہیں خبر اِن کی پنشن ہوگئی۔ اب یہیں رہیں گے۔" تیسری بولی "اے میں اب سمجھی یہ خان بہادر کی بیوی ہیں ___ اے وہی اپنے محلہ کی حسینہ" آنے والی بیوی نے جوتے کے بند کھولے ہاتھ سے محفل کو سلام کیا اور محمدی بیگم نے صدر میں مخملی قالین پر گاؤ تکیئے کے سہارے لاکر انھیں بٹھا دیا اور خود ان کے پاس بیٹھ کر چاندی کے خاصدان میں پان پیش کئے۔

مسز نعیم۔ کیوں بہن وہ اُس طرف سانولے رنگ کی سفید لباس والی کون بیوی ہیں۔

محمدی بیگم۔ آپ کسے پوچھ رہی ہیں ___ اچھا وہ ___ آپ نہیں جانتیں اُنھیں! یہ نسیمہ ہیں حسن علی ماموں کی لڑکی محسن بھائی کی بیوی۔

مسز نعیم۔ اے ہے یہ نسیمہ ہیں؟ بالکل پہچانی نہیں جاتیں۔ کیا زمانے کا انقلاب ہے۔ بچاری کا بنا بنایا گھر برباد ہوگیا۔ صورت ہی بدل گئی۔ بچپن میں ہم اور یہ ایک محلے میں رہتے تھے۔ برسوں ساتھ کھیلے ہیں۔ یہ مجھ سے کئی سال چھوٹی ہیں۔

یہ کہہ کر مسز نعیم اُٹھ کر نسیمہ کے پاس چلی گئیں اور دونوں گرم جوشی سے گلے ملیں اور باتیں کرنے لگیں۔

ڈیڑھ بجے دسترخوان بچھے اور مٹی کی ڈھوبریوں میں پلاؤ زردہ قورمہ لاکر چنا گیا اور شیرمال و سادہ خمیری روٹیاں رکھ دی گئیں مسز نعیم اور اُن کی لڑکیوں کے لئے اندر کمرے میں میز پر چینی کی پلیٹوں میں کھانے کا انتظام کیا گیا اور خود محمدی بیگم نے کھڑے ہو کر کھلایا۔ اس پر عورتوں میں خوب خوب چہ میگوئیاں اور اعتراضات ہوئے۔ کھانے کے بعد محمدی بیگم نے نجمہ سے کہا لڑکیوں کو

دوسری طرف لے جاؤ اور جھولا جھولو کھیلو کودو یہاں کیا بیٹھی ہو۔ نجمہ۔ شمیم خان بہادر کی دونوں لڑکیاں، عذرا، فرخ اور پانچ سات اور ہم عمر لڑکیوں کو ساتھ لے کر نیچے کے بڑے دالان میں آ گئیں اور بے تکلفی سے سب میں باتیں ہونے لگیں۔

نجمہ۔ فرخ ذکیہ کیوں نہیں آئیں میرا جی اُن سے ملنے کو بہت چاہتا ہے۔

فرخ۔ خالہ جان نہ لائی ہوں گی۔

نجمہ۔ توبہ ہمارے ہاں آنے میں بھی کوئی بُرائی ہے؟

عذرا۔ ان کو تو ہر جگہ جانے میں بُرائی نظر آتی ہے۔ ہم دونوں کو بھی منع کر رہی ہیں۔

شمیم۔ تمہاری چچی جان اور صغرا بھی نہیں آئیں۔

فرخ۔ معلوم نہیں کیا بات ہوئی۔ کل تو چچا جان کہہ رہے تھے کہ وہ بھی جائیں گی۔

رضیہ سب سے الگ بیٹھی ان گنوار اور پُرانے فیشن کی لڑکیوں کو کچھ تعجب اور حقارت سے دیکھ رہی تھی وہ اس حلقے میں اپنے کو اجنبی سا محسوس کر رہی تھی۔ نجمہ نے اسے الگ بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کے پاس آ گئی۔

نجمہ۔ بہن تم ادھر کیوں بیٹھی ہو۔ آؤ اس طرف چلو سب مل کر کھیلیں گے باتیں کریں گے۔

رضیہ۔ نہیں میں اچھی بیٹھی ہوں۔

نجمہ۔ تمہارا نام کیا ہے بہن؟

رضیہ۔ مس رضیہ نعیم اور میری بہن کا نام یاسمین ہے۔ یہ دو لڑکیاں کون ہیں جن سے تم ابھی باتیں کر رہی تھیں۔

نجمہ۔ عذرا اور فرخ۔

رضیہ۔ کون عذرا اور فرخ؟

نجمہ۔ ہمارے ایک چچا تھے محسن چچا۔ کئی برس ہوئے بچارے مرگئے۔ یہ دونوں اُن کی لڑکیاں ہیں اور ان کی اماں وہ ہیں جن سے آپ کی اماں گلے ملی تھیں۔

رضیہ۔ اچھا۔

نجمہ۔ اے بہن اُٹھو نا چلو تمھیں اپنی گڑیاں دکھاؤں۔

رضیہ اُٹھ کر دوسری طرف آ بیٹھی۔

فرخ۔ (چپکے سے) عذرا ان کے کپڑے کیسے اچھے ہیں۔ اور بندے تو دیکھو کیسے خوب صورت ہیں جھل مل جھل مل کر رہے ہیں۔

عذرا۔ مجھے تو ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔ منہ تو دیکھو کیسا بنا رکھا ہے۔ تیوری پر بل۔ جیسے بڑی کوئی لاٹھ صاحب ہوں۔ اس زیور پر ہی اتراتی ہوں گی۔

فرخ۔ تمھیں ہر کوئی بُرا ہی لگتا ہے۔ چلو چل کر ان سے باتیں کریں۔

عذرا۔ تم جاؤ میں نہیں جاتی۔

فرخ اٹھ کر رضیہ کے پاس آ بیٹھی۔

فرخ۔ کیوں بہن آپ کہاں رہتی ہیں۔

رضیہ۔ ہماری کوٹھی شہر سے باہر نہر کے کنارے ہے۔

فرخ۔ وہ تو بڑی اچھی اور کھُلی جگہ ہے۔

رضیہ۔ ہاں اور کیا۔ بند جگہ میں تو ہم ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتے۔ تمھارا مکان کہاں ہے؟

فرخ۔ اشراف ٹولے میں۔

رضیہ۔ اشراف ٹولہ؟ وہ تو شہر کے اندر ہے۔ بڑی گندی اور گھٹی ہوئی جگہ ہوگی۔ تم لوگوں سے کیسے رہا جاتا ہے۔

فرخ کھسانی ہو کر چُپ ہو گئی۔

رضیہ۔ تم کچھ پڑھتی ہو؟
فرخ۔ میں نے اور عذرا نے آدھے سے زیادہ قرآن شریف پڑھ لیا ہے اور اُردو کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔
رضیہ۔ انگریزی نہیں پڑھتیں؟ اُردو کا کیا ہے۔ اصل میں تو انگریزی پڑھنا چاہیئے۔
عذرا۔ (وہیں سے بیٹھے بیٹھے) کیوں۔ انگریزی پڑھے بغیر کیا ہوتا ہے۔
رضیہ۔ (تمکنت سے) اس لئے کہ بے انگریزی پڑھے آدمی کی عزت نہیں ہوتی۔ یہ ترقی کا زمانہ ہے۔ اب ہر لڑکی کو انگریزی جاننی چاہیئے جاہل آدمی کی دُنیا میں قدر نہیں ہوتی۔
عذرا۔ اچھّا تو تعلیم بس انگریزی پڑھنے کا نام ہے جو انگریزی نہ پڑھا ہو وہ جاہل ہے؟ معلوم ہوتا ہے آپ انگریزی خواں ہیں۔
رضیہ۔ (تنک کر) بے شک۔ میں انگریزی کی کئی کتابیں پڑھ چکی ہوں۔ انگریزی لکھ سکتی ہوں۔ بول سکتی ہوں۔
عذرا۔ تبھی آپ اس شان سے بیٹھی ہیں اور دوسروں سے اس طرح بات کرتی ہیں۔
رضیہ۔ چُپ رہو میں تم جیسی جاہل لڑکیوں سے بات نہیں کرتی۔
عذرا۔ تم چُپ رہو۔ جاہل تم خود ہو۔
فرخ۔ عذرا کیا ہو گیا ہے چُپ نہیں رہتی خواہ مخواہ زبان چلا رہی ہے۔
عذرا۔ آپ چُپ رہیئے۔ تمھیں ان کی خوشامد اچھی لگتی ہے مجھے نہیں۔
نجمہ۔ رضیہ بہن آپ ناراض نہ ہوں۔ عذرا بچی ہے، اس کی بات کا کیا بُرا ماننا۔

رضیہ۔ یں ایسی بدتمیز لڑکی کے منھ نہیں لگتی۔ ہم سے زبان چلاتی ہے!
عذرا۔ جب تم بدتمیزی کرو گی تو دوسرا کیوں دبے گا۔ تم امیر ہو گی تو اپنے گھر کی یہاں کوئی تمھارا دبیل نہیں ہے۔
فرخ۔ رضیہ بہن آپ اس کی باتوں کا برا نہ مانیئے۔ اس کا تو مزاج ہی خراب مجھ سے بھی لڑتی رہتی ہے۔
عذرا۔ باجی شرم تو نہیں آتی۔

عذرا کا منھ غصّے سے لال ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شمیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے محبّت بھرے لہجے میں کہنے لگی "عذرا بی بی خفا نہ ہو۔ یہ نئے فیشن کی بے وقوف لڑکی نہیں جانتی کہ آپس میں بہنوں سہیلیوں سے کیسے بات کرنا چاہیئے۔ تم تو سمجھ دار ہو، جانے دو"۔ عذرا نے غصّے سے جواب دیا "شمیم آپا میں تو اسے ٹھیک بنا دیتی۔ مگر باجی جو اس پر جان دیئے دیتی ہیں اور اس کے بدلے مجھے برا بھلا کہہ رہی ہیں"۔
شمیم۔ بہن یہ بات نہیں۔ فرخ تمھیں اس لئے روک رہی ہیں کہ اتنے آدمیوں میں لڑنا اچھی بات نہیں ہے۔

اُدھر شمیم سمجھا بجھا کر عذرا کو لے گئی اور جھولا جھلانے لگی۔ اِدھر ان سب نے باتیں کر کے رضیہ کا غصّہ دھیما کیا۔ تھوڑی دیر بعد سب لڑکیاں آپس میں گھل مل گئیں اور مختلف کھیل کھیلنے لگیں۔ مگر رضیہ اور عذرا ایک دوسرے سے الگ الگ اور منھ پھلائے رہیں۔

عصر کی نماز کے بعد بجمہ کی آمین ہوئی۔ پہلے کنبے رشتے والوں کے ہاں سے مٹھائی کے جو خوان آئے تھے وہ سامنے لا کر رکھے گئے۔ پھر عزیزوں

نے نجمہ کو حسبِ حیثیت اور رشتے کے مطابق روپے دیئے۔ محمدی بیگم نے ایک خوان میں نجمہ کی اُستانی کو ریشمی جوڑا، ان کے میاں بچوں کے جوڑے اور سونے کی چوڑیاں دیں۔ اس کے بعد نجمہ کی خالہ نے آمین پڑھی اور اندر باہر مٹھائی تقسیم کی گئی۔

چھ بجے دروازے پر ڈولیاں لگ گئیں۔ نسیمہ دونوں لڑکیوں کے لئے دروازے کے پاس اپنی ڈولی کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ اُدھر سے مسز نعیم، رضیہ اور یاسمین کو لئے آئیں اور عذرا اور فرخ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر نسیمہ سے کہا "ماشاءاللہ بڑی پیاری اور سمجھ دار بچیاں ہیں۔" فرخ نے جھجکتے ہوئے رضیہ سے کہا "بہن اب آپ اور عذرا صلح کر لیجئے۔"

مسز نعیم۔ کیوں کیا ان دونوں میں لڑائی ہوئی ہے؟

فرخ۔ جی لڑائی تو نہیں ہوئی۔ عذرا نے کچھ رضیہ بہن سے بدتمیزی کی تھی اس پہ وہ ناراض ہو گئیں۔

عذرا۔ (سر نیچا کر کے غصے سے) میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔

نسیمہ نے تیز نظروں سے عذرا کی طرف دیکھا، مسز نعیم نے بھی رضیہ سے کہا۔ "عذرا تمہاری چھوٹی بہن ہے اس سے کیا روٹھنا۔ جاؤ اُسے گلے لگالو۔" رضیہ بادل ناخواستہ عذرا کے قریب آئی، عذرا کو ماں نے اشارہ کیا۔ دونوں چند لمحے جھجکی کھڑی رہیں اس کے بعد گلے مل گئیں۔

تیسرا باب

نو بجے صبح کا وقت تھا نسیمہ خاتون عذرا کو اُردو پڑھا رہی تھیں بڑی بی باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ فرخ سیدہ کو گڑیاں کھلا رہی تھی۔ عذرا پڑھتے پڑھتے رُک جاتی اور بیچ میں ماں سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگتی جس پر بعض وقت نسیمہ خاتون جھنجھلا جاتیں۔

نسیمہ۔ ذرا تو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ۔ اتنی جلدی کیا ہے۔

عذرا۔ امّاں جلدی کرنے میں کیا ہرج ہے؟

نسیمہ۔ ہرج یہ کہ نہ میں ٹھیک سُن سکتی ہوں اور نہ تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔

عذرا۔ امّاں کیا کروں۔ بہت کوشش کرتی ہوں کہ باجی کی طرح اٹک اٹک کر پڑھوں مگر نہیں پڑھا جاتا۔

فرخ۔ تو پڑھتی ہو گی اٹک کر میں کیوں پڑھتی۔

عذرا۔ پڑھتی تو ہو جیسے بیل گاڑی چل رہی ہو۔

نسیمہ۔ لڑو نہیں ٹھیک طرح پڑھو ورنہ میں نہیں پڑھاؤں گی۔

عذرا۔ اماں بھائی جان کتنی دیر نہیں آئیں گے؟

نسیمہ۔ بس اب آتے ہی ہوں گے۔ خدا خیر کے ساتھ خوشی کی خبر سنائے۔

فرخ۔ اللہ کرے بھائی جان اوّل نمبر پر پاس ہوں۔

نسیمہ۔ خدا خیر کرے میرا تو دل دھڑک رہا ہے۔

سیّدہ۔ اماں پھر ہم مٹھائی کھائیں گے۔ ملود ہو گا۔

نسیمہ۔ ہاں بی بی مٹھائی بھی کھانا اور مولود بھی ہو گا۔

عذرا۔ سیّدہ کو تو مٹھائی ملے گی نہیں۔

سیّدہ۔ اوں اوں مجھے تو ملے گی تمھیں نہیں ملے گی۔

محمد احسان نے باہر سے پکارا "بھابی ہم آئیں" تینوں ماں بیٹیاں دروازے کی طرف دوڑیں، آگے آگے محمد احسان پیچھے ریاض گھر میں داخل ہوئے۔ دونوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔

احسان۔ بھابی مٹھائی کھلاؤ تمھارا بچّہ پاس ہو گیا۔

نسیمہ خاتون نے بڑھ کر ریاض کی بلائیں لیں دونوں بہنیں بھائی سے لپٹ گئیں۔

احسان۔ مٹھائی کھلاؤ بھابی مٹھائی۔

نسیمہ۔ مٹھائی بہت مگر میرا بھائی جلدی سے بتاؤ کس نمبر پر پاس ہوا ہے۔

احسان۔ (ہنس کر) اوّل نمبر پر۔

نسیمہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ انھوں نے ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور سب کو اندر لا کر بٹھایا۔ باہر سے بڑے میاں نے پکار کر کہا "حضور مبارک ہو چھوٹے میاں کا امتحان" احسان نے ہنس کر کہا

"تمھیں بھی مبارک ہو، بڑے میاں مٹھائی کھلاؤ نا تمھارا لڑکا پاس ہوا ہے۔"
بڑے میاں نے خوش ہوکر کہا "اجی میاں جتنی مٹھائی کہو کھلادوں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹے میاں کو سلامت رکھے مٹھائی کی کیا کمی۔ بس غم ہے تو یہ کہ آج محسن میاں نہ ہوئے۔"

نسیمہ، ریاض اور عذرا، فرخ چاروں کی آنکھیں بھر آئیں، محمد احسان کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ مگر انھوں نے ضبط سے کام لیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ نسیمہ نے بڑے میاں سے گلاب جامنیں منگائیں اور دیور کے آگے رکھ دیں۔ محمد احسان نے خود کھائیں سب بچوں کو اور بھاوج کو اپنے ہاتھ سے کھلائیں اور بڑی بی اور بڑے میاں کو دیں۔

احسان۔ اب کیا ارادہ ہے بھابی۔

نسیمہ۔ کا ہے کا؟

احسان۔ ریاض کی تعلیم کے بارے میں۔ آگے تعلیم کے لئے کہاں بھیجا جائے دہلی یا علی گڑھ؟

نسیمہ۔ اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں جو تمھاری اور ریاض کی رائے ہو۔

احسان۔ کیوں بھئی تم کہاں جانا چاہتے ہو؟

ریاض۔ یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

احسان۔ تم بھی تو کچھ کہو۔

ریاض۔ میں تو علی گڑھ جانا چاہتا ہوں۔

احسان۔ میرے نزدیک دہلی زیادہ مناسب ہے۔

ریاض۔ چچا جان علی گڑھ کی تعلیم دہلی سے بہتر ہے۔ وہاں ایک خاص تعلیمی فضا ہے جو اور جگہ میسر نہیں آسکتی اور خرچ بھی کم ہے۔

احسان۔ خرچ تو دہلی میں بھی کم ہوگا۔ وہاں ہمارے ایک دور کے عزیز ہیں

اُن کے ہاں رہنے کا انتظام ہو سکتا ہے۔

نسیمہ۔ نہیں بھائی میں کسی عزیز کے ہاں رکھنے کی مخالف ہوں۔ بورڈنگ میں رہنا ٹھیک ہے۔

ریاض۔ میرے سب ساتھی فرحت، نسیم وغیرہ علی گڑھ ہی جا رہے ہیں۔

احسان۔ میاں اُن کی کیا ریس ہے۔ وہ امیروں کی اولاد ہیں پیسے والے لوگ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

نسیمہ۔ ریاض کے باپ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اسے علی گڑھ میں پڑھائیں گے۔ مرحوم بھی، تم خود بھی علی گڑھ ہی کے پڑھے ہوئے ہو۔ اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ یہ بھی علی گڑھ ہی جائے۔

احسان۔ خیر ابھی تو کالج کھلنے میں کئی مہینے ہیں سوچیں گے کہ کہاں بھیجا جائے۔

جب احسان اپنے گھر کو چلے گئے تو نسیمہ اور ریاض دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ کھانا کھانے کے بعد ریاض اندر سہ دری میں گئے وہاں عذرا اور فرخ پہلے سے لیٹی باتیں کر رہی تھیں۔ بھائی کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھیں۔

عذرا۔ بھائی جان اب آپ تو علی گڑھ چلے جائیں گے ہم کس سے پڑھیں گے؟ امّاں تو صرف اُردو اور قرآن شریف پڑھاتی ہیں۔ انگریزی اور حساب اب کون سکھائے گا؟

فرخ۔ ہاں بھائی جان آپ کے سدھارنے کے بعد ہمارا لکھنا پڑھنا رہ جائے گا۔

ریاض۔ (سوچ میں پڑ کر) تمھارا پڑھنا تو ہرگز بند نہ ہونا چاہیئے۔ دیکھو میں سوچوں گا کہ کیا کیا جائے۔

عذرا۔ آپ کیا سوچیں گے نہ یہاں کوئی اسکول نہ اُستانی۔ آپ بھی چلے جائیں گے۔

چچاجان بھی یہاں نہیں رہتے۔

ریاض۔ تم فکر نہ کرو میں کوشش کروں گا کہ کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے۔

عذرا۔ بھائی جان مجھے بھی علی گڑھ ساتھ لے چلئے وہاں تو کوئی اسکول ہوگا لڑکیوں کا؟ داخل کرو دیجے گا۔

ریاض۔ کاش ایسا ہو سکتا۔

فرخ۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔

ریاض۔ بی بی یہ مشکل ہے۔

عذرا۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہمارے لئے سب باتیں مشکل ہیں۔ جہاں آپ جا سکتے ہیں وہاں ہم کیوں نہیں جا سکتے۔

ریاض۔ بھلا تمھیں اماں اپنے سے الگ کیسے کر سکتی ہیں۔

فرخ۔ یہاں سے علی گڑھ کتنی دور ہوگا۔

ریاض۔ سو میل سے کچھ زیادہ ہوگا۔

عذرا۔ ہائے آپ اتنی دور چلے جائیں گے۔

ریاض۔ ریل میں چار پانچ گھنٹے کا سفر ہے جلدی جلدی آیا کروں گا۔

فرخ۔ آپ کے جانے کے بعد ہمارا بڑا جی گھبرائے گا۔

ریاض۔ میں وہاں سے تم دونوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں بھیجوں گا۔ خط لکھوں گا۔ جواب دو گی نا!

عذرا۔ ہاں بھائی جان ضرور۔ مجھے تو خط لکھنے کا بڑا شوق ہے مگر کسے لکھوں کبھی کبھی چچا جان کو لکھ دیتی ہوں۔

فرخ۔ مجھے تو خط لکھنا آتا ہی نہیں۔

عذرا۔ خط لکھنا کیا مشکل ہے۔ جیسے ہم باتیں کر رہے ہیں اسی طرح

لکھ دیں گے۔ بھائی جان دیکھئے گا میں کیسے اچھے اچھے خط لکھتی ہوں۔
ریاض۔ اچھا دیکھیں گے۔
فرخ۔ بس ڈینگیں مارنا کوئی عذرا سے سیکھ لے۔
عذرا۔ تم کیوں جلتی ہو۔ تم بھی لکھ دیا کرنا۔
ریاض۔ لڑو نہیں۔ مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرو۔
عذرا اور فرخ۔ کیا وعدہ؟
ریاض۔ دیکھو میرے جانے کے بعد اماں بہت پریشان ہوں گی۔ اب تم دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ گھبرائیں نہیں۔ انھیں کسی بات پہ ناراض نہ کرنا ورنہ مجھے بہت رنج ہوگا۔ عذرا تمھیں اس بات کا زیادہ خیال کرنا چاہیئے۔ تم اماں سے محبّت تو بہت کرتی ہو مگر تمھارے مزاج کی تیزی اور لڑنے کی عادت سے اماں کو بہت کوفت ہوتی ہے۔
عذرا۔ (شرمندگی سے) کیا کروں بھائی جان جب لوگ مجھے بُرا کہتے ہیں یا گھٹیا سمجھ کر ڈانٹتے ہیں تو مجھے غصّہ آجاتا ہے۔ باجی کا سب لحاظ کرتے ہیں میرا کوئی نہیں کرتا۔ بس آپ خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے دیکھئے میری آپ سے کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔
ریاض۔ مگر غصّے میں چلّانا اور بدمزاجی کرنا تو نہیں چاہیئے!
عذرا۔ کوشش تو بہت کرتی ہوں۔ نماز کے بعد اللہ میاں سے دُعائیں مانگتی ہوں کہ یا اللہ میرا مزاج اچھا ہو جائے ـــــ باجی جیسا نہیں ـــــ آپ جیسا ـــــ مگر پھر بھی غصّہ آجاتا ہے۔
ریاض۔ تم کوشش کرو گی تو ضرور اپنا مزاج قابو میں کر لو گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم جس بات کا ارادہ کر لو اسے پورا کر کے رہتی ہو۔

عذرا۔ (متاثر ہوکر) بھائی جان میں ضرور کوشش کروں گی۔
ریاض۔ اور دیکھو فرخ تم بھی عذرا کا خیال رکھا کرو۔ اپنی چھوٹی بہن ہے اگر کوئی بات بے جا بھی کرے تم پیار سے سمجھا دیا کرو۔ ڈانٹ ڈپٹ لڑائی جھگڑا اچھا نہیں اور ہاں تم اکثر نماز ناغہ کر دیتی ہو۔ پابندی سے نماز پڑھنے کی عادت ڈالو۔ اماں کو اس کا بڑا صدمہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی بچہ نماز روزے میں تساہل کرے۔
فرخ۔ (بہت شرمندہ ہوکر) بھائی جان آپ دیکھئے گا کہ اب میں کیسی پابندی سے اوّل وقت نماز پڑھتی ہوں۔
ریاض۔ اور تم دونوں اماں کی صحت کا خیال رکھنا اور ان کو برابر دودھ اور دوا کا استعمال کراتی رہنا اور اگر خدانخواستہ کبھی ان کی طبیعت ذرا سی بھی ناساز ہو تو مجھے اور چچا جان کو لکھ دیا کرنا۔
فرخ۔ بہت اچھا۔
ریاض۔ اب تم دونوں کو گھر کے کاموں میں بھی اماں کی مدد کرنی چاہیئے۔ وہ کمزور ہیں۔ زیادہ محنت سے اُن کی صحت پر اثر پڑتا ہے۔
فرخ۔ بھائی جان آپ اماں سے پوچھ لیجئے میں تو ان کا بہت کام کرتی ہوں۔
عذرا۔ (جلدی سے) اب میں بھی کیا کروں گی۔ کیا کروں میرا تو جی سوا پڑھنے لکھنے کے کسی کام میں نہیں لگتا۔
نسیمہ خاتون پسینے میں نہائی ہوئی اندر آئیں۔ عذرا جلدی سے پنکھا اُٹھا کر جھلنے لگی۔ ریاض نے پوچھا "آپ اتنی سخت لو اور گرمی میں کہاں چلی گئی تھیں"۔
نسیمہ۔ نصیبن نے بتایا کہ ذکیہ کو بخار ہے۔ اُسے دیکھنے گئی تھی۔ آپا دوا کی تو قائل نہیں۔ وہی جھاڑ پھونک تعویذ گنڈوں کے پھیر میں پڑی رہتی ہیں میں نے جا کر اسے دو دفعہ کیری کا آب شورہ پلایا۔ سر پر برف رکھا تو ذرا تسکین ہوئی۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ لُو لگ گئی۔

ریاض۔ جی ہاں آج کل بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

نسیمہ۔ ذرا ٹھنڈا وقت ہو جائے تو تم جا کر حکیم سے حال بیان کرنا اور دوا لا دینا۔

ریاض۔ بہت اچھا، شام کو چلا جاؤں گا۔ کیا جمیل گھر پر نہیں ہے۔

نسیمہ۔ جمیل رہتا کب ہے۔ جی چاہا آیا جی چاہا نہ آیا۔ اوّل تو وہ خود ہی لاابالی مزاج کا ہے۔ پھر جب آتا ہے تو آپا کے غصّے خفگی، اعتراض اور بے جا لاڈ پیار سے اور گھبراتا ہے۔

فرخ اور عذرا۔ اماں ہم ذکیہ کو دیکھ آئیں۔

نسیمہ۔ اس وقت نہیں۔ لُو چل رہی ہے شام کو چلی جانا۔

ریاض کا علی گڑھ جانا طے ہو گیا۔ احسان اس کی تعلیم کا خرچ دینا چاہتے تھے مگر نسیمہ خاتون نے نہ مانا۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ بھی بال بچوں والے آدمی ہیں۔ ایک تو آمدنی محدود ہے اور اس پر حد سے زیادہ فراخ دل ہیں۔ کتنے ہی گھر کے حاجت مند لوگ ان ہی کے پاس مدد لینے آتے ہیں اور غیروں کی بھی ہر طرح خدمت اور مدد کرتے رہتے ہیں۔ ریاض نے چچا سے کہا کہ فیس تو معاف ہو جائے گی ذرا کچھ وظیفہ ملے گا۔ پندرہ روپے مہینہ یہاں سے اماں بھیج دیا کریں گی۔ اس میں بخوبی میرا خرچ چل جائے گا۔ محمد احسان بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔

نسیمہ خاتون نے بیٹے کے بارہ جوڑے، دو اچکنیں اور دو کوٹ بنائے۔ اس کے علاوہ تولئے، موزے، بنیان، رومال، کمربند، تکئے کے غلاف، پلنگ کی چادریں وغیرہ تیار کیں۔ سوائے کوٹ اور اچکنوں کے سب کپڑے اپنے ہاتھ

سے سیئے۔ غلاف، رومال، گھر میں لڑکیوں نے تیار کئے۔ اگرچہ انھوں نے بہت کفایت اور سلیقے سے سب چیزیں بنائی تھیں پھر بھی وہ ڈیڑھ دو سو کی قرض دار ہو گئیں۔ وہ بہت انہماک سے بیٹے کے جانے کی تیاریوں میں مشغول تھیں۔ سارا دن اور آدھی رات کام میں گزار دیتی تھیں۔ جوں جوں ریاض کے جانے کے دن قریب آرہے تھے ان کا دل اُٹھا جاتا تھا۔ ریاض سے اُن کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھے ذرا دیر ہو جاتی تو بے قرار ہو جاتیں۔ اُس کے آرام اور خوشی کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں اور ان کی دلی آرزو تھی کہ ریاض اعلےٰ سے اعلےٰ کامیابی اور اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے۔ اس لئے دل پر پتھر رکھ کر اس کی اعلےٰ تعلیم کے خیال سے علی گڑھ جانے کی اجازت دے دی مگر دل کا جو حال تھا وہ بس خدا ہی کو معلوم تھا۔ مہینے بھر کے اندر اندر جُدائی کے خیال نے انھیں آدھا کر دیا۔ ریاض اپنے جانے کی تیاریوں اور دوستوں، اُستادوں، عزیزوں وغیرہ سے ملنے ملانے میں ایسے منہمک تھے کہ اس طرف اُن کا زیادہ دھیان نہ گیا۔ عذرا باوجود کم عمری کے ماں کی حالت کا اندازہ کر رہی تھی۔ محمد احسان آئے تو ایک نظر میں بھاوج کی حالت کو سمجھ گئے۔ اور تو کیا کر سکتے تھے ہاں اُن کے کھانے پینے کا خیال رکھنے لگے۔

دونوں بہنیں بھی بھائی کے جانے کے خیال سے بہت اُداس تھیں۔ جانے سے دو دن پہلے عذرا نے یاد دہانی کی "بھائی جان آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے پڑھنے کا انتظام کر کے جائیں گے۔" ریاض چونک پڑے۔ "تم نے خوب یاد دلایا میں تو بالکل بھول ہی گیا تھا۔ دیکھو آج ہی اماں سے ذکر کروں گا۔"

شام کو کھانے سے فارغ ہو کر نمازِ عشا کے بعد سب لوگ پلنگوں پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ محمد احسان بھی تھے۔ نسیمہ عشا کی نماز پڑھ کر پلنگ پہ آ کر لیٹ گئیں اور پنکھا جھلنے لگیں۔

ریاض اپنے پلنگ سے اُٹھ کر ماں کے پاس آئے اور پائینتی بیٹھ کر ٹانگیں دبانے لگے۔ نسیمہ نے بیٹے پر ہاتھ پھیر کر پیار بھرے لہجے میں کہا "نہ میاں تم رہنے دو میری ٹانگوں میں درد نہیں "۔

ریاض ۔اماں آپ سارے دن تو کام کرتی رہتی ہیں درد ضرور ہوگا میرے ہاتھ ایسے نازک تو نہیں جو ذرا دیر دبانے سے دُکھ جائیں گے۔

نسیمہ ۔ہاں دو چار دن اور اماں کے لاڈ کر لو۔ جب سدھار جاؤ گے تب کون پوچھے گا؟

نسیمہ نے یہ بات کہی تو مُسکرا کر تھی۔ لیکن ریاض نے لال ٹین کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیکھا کہ اُن کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے ہیں۔

محمد احسان بھی پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ریاض نے گفتگو کا موضوع بدلا اور بہنوں کی پڑھائی کا ذکر چھیڑا نسیمہ خاتون نے کہا اس کے لئے کیا ہو سکتا ہے اُردو میں پڑھاتی رہوں گی۔

ریاض ۔مگر یہ تو بہت بُری بات ہے کہ ان کی تعلیم چھوٹ جائے چچا جان آپ بتائیے کیا کیا جائے۔

احسان ۔مجھے تو خود بھی اس بات کی فکر ہے۔ صغرا کی تعلیم بھی کچھ نہیں ہو رہی اس کی ماں کہتی ہے کہ بس قرآن پڑھ لیا دو چار اُردو کی کتابیں دیکھ لے زیادہ کیا کرنا ہے مگر میں یہ نہیں چاہتا۔ ایک تو سارے دن ماں کے گھر کے کام میں اُسے لگائے رکھتی ہے۔ دوسرے کوئی پڑھانے والا نہیں۔

ریاض ۔ہندو گرلز اسکول میں بھیجنے میں تو آپ لوگوں کو اعتراض ہو گا۔

نسیمہ ۔اے میاں کیسی باتیں کرتے ہو وہاں پردہ کہاں ہو سکے گا؟

احسان ۔ہاں پردے کا بھی معاملہ ہے کچھ دوسرے مذہبوں کا اثر پڑنے سے

لڑکیاں اپنے مذہب سے بالکل بے گانہ ہو جاتی ہیں۔
ریاض۔ جی ہاں میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ بات شاید آپ لوگ پسند نہ کریں!
احسان۔ یہ سارے جھگڑے میری نوکری نے ڈال رکھے ہیں اگر میں یہاں رہ سکتا تو بھابی کی صحت کا بھی خیال رکھتا۔ بچّیوں کی تعلیم بھی ہوتی رہتی۔ اور ان لوگوں کی تنہائی کا فکر بھی نہ رہتا۔
نسیمہ۔ بھائی تم یہاں رہ سکتے تو اس سے اچھّا کیا تھا مگر آخر نوکری کا معاملہ ہے نہ سہی سرکاری مگر پرائی تابعداری تو ہے۔
ریاض نے دیکھا کہ گفتگو کا موضوع بدل گیا تو اس نے پھر ذکر چھیڑا۔
"تو پھر چچا جان ان بچّیوں کی تعلیم کا کیا ہوگا"
احسان۔ کیا بتاؤں میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔
نسیمہ۔ اُردو تو میں پڑھاتی ہی ہوں۔ حساب اور انگریزی جو سیکھی ہے اُسے دہراتی رہیں گی۔ جب تم یا احسان آیا کرو گے سبق دے دیا کرنا۔
ریاض۔ بھلا کہیں اس طرح پڑھنا ہو سکتا ہے۔ ایک بات میرے خیال میں آئی ہے اگر آپ لوگ مان جائیں تو بہت اچھا ہے۔
احسان۔ کہو۔
ریاض۔ ہمارے اسکول کے سیکنڈ ماسٹر منشی عنایت اللہ صاحب بوڑھے آدمی ہیں۔ ابا سے ان کی بڑی دوستی تھی بلکہ انھوں نے ابا کو پڑھایا بھی ہے نہایت قابل اور نیک بزرگ ہیں۔ چچا جان آپ تو ان سے خوب واقف ہیں؟ اگر ان سے کہا جائے تو وہ ضرور ایک دو گھنٹے پڑھا دیا کریں گے۔
احسان۔ بھئی خوب سوچا۔ مجھے ان کا خیال ہی نہ آیا تھا۔ وہ بھائی مرحوم کے عزیز

دوستوں میں ہیں ضرور پڑھا دیا کریں گے میں کل ہی ان سے ملوں گا۔
نسیمہ۔ (کچھ دیر سوچ کر) ہاں میں منشی صاحب کو جانتی ہوں. بڑے شریف آدمی ہیں اور ان بچیوں کے دادا کے برابر. مگر مجھے یہ خیال ہے کہ قصبہ بھر میں شور مچ جائے گا کہ ان کی لڑکیاں مردوں سے پڑھتی ہیں۔
احسان۔ بکنے دو لوگوں کو میں اس کی پروا نہیں کرتا۔ اوّل تو ابھی لڑکیاں کم عمر ہیں دوسرے منشی صاحب بزرگ آدمی ہیں۔ ان سے پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں۔
نسیمہ۔ میاں باتیں تو مجھے سُننی پڑتی ہیں۔ مردوں کا کیا ہے ایک بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔
احسان۔ بھابی دنیا کے کہنے کی اگر پروا کرو گی تو لڑکیوں کی تعلیم کا خیال چھوڑ دو۔
نسیمہ۔ میری تو دلی آرزو ہے کہ یہ لڑکیاں خوب پڑھیں لکھیں۔ ان کے مرحوم ابا کی خواہش بھی یہی تھی اور اسی وجہ سے مجھے اور بھی خیال ہے۔ اور یوں تو میں بھی دنیا والوں کے کہنے کا زیادہ خیال نہیں کرتی مگر آپا سے ڈر لگتا ہے وہ یونہی میری جان ہر وقت کھائے جاتی ہیں۔ اس پر تو خدا جانے کیا آفت ڈھائیں۔
احسان۔ آپا جمیلہ کا معاملہ بہت مشکل ہے کسی طرح کوئی بات وہ سمجھ نہیں سکتیں خیر تم کہہ دینا کہ ان کے چچا کا حکم یہی ہے تمھیں جو کہنا ہو ان سے کہو۔
نسیمہ۔ اچھا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ان سے بھی کسی نہ کسی طرح نبٹ ہی لوں گی۔
فرخ اور عذرا چپکی بیٹھی سب باتیں سُن رہی تھیں اور بہت خوش تھیں کہ ان کی تعلیم کا بندوبست ہو گیا۔ چچا کے جانے کے بعد بھائی سے آکر لپٹ گئیں۔ اور طرح طرح سے اظہار محبّت کرنے لگیں۔

ریاض کی روانگی کے دن قریبی عزیز صبح سے آگئے جگہ جگہ سے صدقہ آیا۔

محمد احسان کی بیوی اور ان کی بیٹی صغرا جو فرخ کی ہم عمر تھی اور سات سال کا بچہ اصغر، جمیلہ خاتون، ذکیہ، محمدی بیگم وغیرہ آگئیں۔ جمیلہ خاتون بھانجے کو الگ بٹھا کر سمجھاتی رہیں کہ نیچریوں کے رنگ میں نہ رنگ جانا اور اپنے مذہبی فرائض کو نہ بھولنا۔ لڑکیاں اِدھر اُدھر ٹولیوں میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ عذرا اور فرخ کا منہ اُترا ہوا تھا۔ نسیمہ خاتون مہمانوں کی خاطر مدارات اور سامان ٹھیک ٹھاک کرنے میں مصروف تھیں مگر چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں گاڑی علی گڑھ پانچ بجے روانہ ہوتی تھی مگر محمد احسان نے تین ہی بجے سے جلدی مچانی شروع کر دی۔ اسٹیشن قریب ہی تھا مگر انھیں سفر کے خیال سے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ ریاض تیار ہو کر آئے خالہ، چچی، پھوپی سب نے گلے سے لگایا۔ فرخ اور عذرا آنسو بھرے آگے بڑھیں بھائی نے بہنوں کو لپٹا لیا اور دو چار فقرے کس کر ہنسایا۔ نسیمہ خاتون لال دھجی میں امام ضامنؑ کا روپیہ باندھ کر آگے بڑھیں۔ منہ منہ میں بہت سی دُعائیں پڑھ کر ریاض کے داہنے بازو پر امام ضامن باندھا۔ آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے مگر ہونٹوں پر زبردستی مُسکراہٹ پیدا کر رکھی تھی۔ ریاض نے آداب کیا اور جُھک کر ماں کے گلے سے لپٹ گئے تو باوجود ضبط کی کوشش کے نسیمہ خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ریاض نے ضبط کر کے کہا اماں آپ ناحق پریشان ہوتی ہیں میں بہت جلد جلد آیا کروں گا۔" نسیمہ نے آنسو پونچھ کر کہا: "خط میں دیر نہ کرنا ورنہ تم جانتے ہو میرا کیا حال ہو گا۔"

ریاض نے مستعدی سے جواب دیا۔ "اماں آپ دیکھئے گا میں کتنی جلدی جلدی خط بھیجوں گا۔ مگر آپ بھی ضرور لکھئے گا اور دیکھو فرخ اور عذرا تم بھی۔" دونوں نے کہا "جی ہاں بھائی جان ضرور" باہر سے آ کر محمد احسان نے کہا:

ریاض اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو جلدی چلو۔ ریاض نے جیب سے گھڑی نکالی (جو آج ہی ماں نے یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ تمھارے باپ کی ہے، اسے اپنے پاس رکھو اور اسے دیکھ کر ان کی صفات یاد کر لیا کرنا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہر گھڑی کوشش کرنا) اور آہستہ سے کہا "چچا جان تو خواہ مخواہ گھبرا جاتے ہیں ابھی تو گاڑی جانے میں گھنٹہ بھر ہے۔ اچھا اماں اجازت دیجئے ـــــ اور دیکھئے اپنی صحت کا خیال رکھئے گا۔"

نسیمہ خاتون نے ایک بار پھر کلیجے سے لپٹا لیا نصیبن نے آکر سر سے پاؤں تک بلائیں لیں اور دعائیں دینے لگیں۔ ماں، خالہ، چچی پھوپی سب پیچھے پیچھے دروازے تک رخصت کرنے آئیں۔ بڑی بوڑھیوں نے کہا "الٰہی جیسے پیٹھ دکھائی یونہی منھ دکھائیو" نسیمہ نے جب دروازے سے باہر نکل گئے تو پکار کر کہا "میاں ذرا اِدھر دیکھنا" ریاض نے مڑ کر دیکھا تو کہا "جاؤ اب سدھارو اللہ حافظ اللہ نگہبان امام ضامن کی ضامنی بیوی کے دامن کی اوٹ، خدا خیر کے ساتھ واپس لائے۔"

اسٹیشن پر کئی عزیز رخصت کرنے آئے۔ احسان علی کا لڑکا فرحت حسن اور ڈپٹی نعیم کا لڑکا نسیم بھی علی گڑھ ایف۔ اے میں داخل ہونے جا رہے تھے۔ بیس منٹ انتظار کے بعد گاڑی آئی۔ احسان بھتیجے کو داخل کرانے علی گڑھ جا رہے تھے وہ اور ریاض ریل میں بیٹھ گئے۔ گاڑی چلی گئی تو بڑے میاں آنسو پونچھتے نسیمہ سے خیریت کہنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

چوتھا باب

اگست کا مہینہ اور برسات کا موسم ہے لیکن بارش نہ ہونے کی وجہ سے غضب کی گرمی پڑ رہی ہے۔ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ ہر گھر سے قرآن شریف کی تلاوت کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ خیر خیرات، صدقہ، زکوٰۃ فاتحہ، درود کا زور ہے۔ اکثر لوگ جو گیارہ مہینے بھول کر بھی خدا کو یاد نہیں کرتے آج کل بڑی پابندی سے نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو پہلا اور ضروری فرض نماز، چاہے ادا نہ کریں مگر روزہ ضرور رکھتے ہیں، وہ لوگ جو کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے شرمندہ شکل منہ چھپاتے پھرتے ہیں یا حقہ سیگرٹ اور پان تمباکو کے عادی لوگوں کا عجیب حال ہے۔ منہ اترا ہوا اور قدرے پاکیزہ معلوم ہوتا ہے۔ جمائیوں پر جمائیاں چلی آتی ہیں۔ بدن ٹوٹ رہا ہے، اکثر کے مزاج کا پارہ ایک سو دس ڈگری پر پہنچا ہوا ہے۔ بچوں بچاروں کی

سب سے زیادہ شامت ہے سارا غصہ ان ہی پر اُترتا ہے۔ مگر ایسے خدا کے بندے بھی موجود ہیں جو صرف کھانا پینا ہی نہیں چھوڑتے بلکہ اُن کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ اور زبان سب کا روزہ ہوتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہاتھ سے کوئی بُرا کام نہ ہو، پاؤں بُری راہ نہ چلیں، کان میں بُری بات یا گندہ لفظ نہ پڑے، زبان سے کسی کی دل آزاری نہ کریں اور جتنی خدمت اور کام دوسروں کا کر سکیں اور نیک کام ہو سکیں وہ اس مبارک مہینے میں کر ڈالیں۔ ایسے ہی گنتی کے چند لوگوں میں نسیمہ خاتون بھی ہیں۔ وہ باوجود کمزوری کے روزہ پابندی سے رکھتی ہیں۔ اس مہینے میں پانچ سات مرتبہ کلام مجید ختم کرتی ہیں اور تھوڑا تھوڑا ترجمہ بھی پڑھتی رہتی ہیں۔ رمضان بھر تین چار غریب لوگوں کو کھانا بھجواتی ہیں، اکثر افطاری کی چیزیں پکوا کر مسجدوں، امام باڑوں اور بیوہ غریب اور محتاج عورتوں کے ہاں بھیجتی رہتی ہیں اور اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ دوسروں کا کام کریں۔ یوں بھی ہمیشہ ان سے کتنے رشتے، اپنے غیر، پڑوسی، نوکر چاکر مختلف قسم کے کام کرا لیا کرتے، کسی نے اپنے اور بچوں کے کپڑے قطع کرانے کے لئے بھیج دیئے۔ کسی نے بچوں کی ٹوپیاں ٹانکنے کے لئے دے دیں۔ کوئی صدریوں میں ڈورے ڈلوانے کو لے آئی۔ کسی کو دلائی میں اچھی گوٹ لگوانی ہے تو آ گئی۔ کسی کو بیٹی کے جہیز میں دینے کے لئے بٹوے تلے دانیاں سلوانی ہیں تو وہی بھیج دیں۔ کسی کا بچہ بیمار ہوا تو اُن کے پاس لے آئی انھوں نے دیکھ کر دوا بھی بتائی اور پڑھ کر پھونک بھی دیا۔ کسی کو لڑکیوں کے ناک کان چھدوانے ہوئے تو آ کر ان سے چھدوا لئے۔ یہاں تک کہ پاس پڑوس کی لڑکیاں بالیاں تہواروں تقریبوں کے موقع پر چوڑیاں پہننے اور مہندی لگوانے ان کے پاس آتی تھیں

کہ خالہ جی (یا پھوپی جی یا اماں جی یا بیوی جی) بڑی اچھی مہندی لگاتی ہیں، اور چھوٹی سے چھوٹی چوڑی چڑھا دیتی ہیں۔ نسیمہ خاتون دلی شوق اور توجہ سے سب کے کام کرتیں۔ سب کا دُکھ درد سنتیں اور سب کو صلاح مشورے دیتیں اور اپنی اسی خدمت اور رحم دلی کی وجہ سے وہ حد سے زیادہ ہر دل عزیز تھیں عزیز اُن پر جان دیتے، غیر بسم اللہ کرکے نام لیتے اور ہر وقت گن گاتے نوکر اپنا رفیق اور خیر خواہ سمجھتے اور بچے دوست اور مشیر جانتے۔ نسیمہ خاتون خود بھی لوگوں کے کام کرتیں اور اپنے بچوں سے بھی ان کی بساط کے موافق کام کراتی رہتی تھیں تاکہ انھیں عادت پڑے۔ موقع محل سے زبانی بھی سمجھاتی رہتیں کہ جہاں تک ہوسکے دوسروں کی خدمت اور مدد ضرور کرو۔ چاہے اس کی وجہ سے اپنے پر تکلیف اُٹھانی پڑے۔ خدا سے محبّت کرنے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ اوپری دل سے نماز قرآن پڑھ لیا، بے شک سچے دل سے مذہب کے ارکان کی پابندی بھی خدا کی عبادت اور انسان کا فرض ہے لیکن اس کا فرض یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے بڑا اور اہم لیکن کٹھن فرض خدا کے بندوں کی خدمت اور ان سے محبّت کرنا ہے۔ نسیمہ خاتون کا اپنے سب بچوں پر بہت اثر تھا۔ ایک تو وہ دل سے اپنی ماں کی عزت اور ان سے انتہائی محبّت کرتے تھے۔ لیکن زبانی نصیحتوں سے زیادہ جس چیز کا ان پر گہرا اثر ہوتا تھا وہ ماں کی زندہ مثال تھی۔ وہ ہر وقت دیکھتے تھے کہ ماں ہر ایک کی مدد، خدمت اور ہمدردی کرتی رہتی ہیں لہذا خواہ مخواہ بھی ماں کی تقلید کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ ریاض میں ماں کی سیرت سب سے نمایاں تھی۔ مرد ہوکر اس کا دل لڑکیوں سے زیادہ نرم اور گداز تھا۔ کسی کی تکلیف سے بہت جلد متاثر ہوتا اور اس کی ہر مدد کے لئے کمر بستہ ہو جاتا۔ فرخ سگھڑ اور گھر کے

کام کاج کی بڑی شوقین تھی نہ صرف ماں کا بلکہ دوسروں کا بھی ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتی۔ مزاج نازک تھا کیونکہ بچپن سے کنبے بھر کی چہیتی رہی تھی لیکن لڑائی سوائے عذرا کے اور کسی سے نہیں ہوتی تھی۔ عذرا کی طبیعت ایک حد تک دونوں بہن بھائی سے مختلف تھی۔ مزاج میں تیزی خودداری اور خود رائی موجود تھی۔ نسیمہ خاتون کی تربیت کی وجہ سے یہ باتیں زیادہ بڑھنے تو نہیں پاتی تھیں لیکن پھر بھی اس کا سنبھالنا ان کو خاصا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ نسیمہ خاتون اس کی ذہانت، شوخی، تیزی، طراری اور مستقل مزاجی کو پسند کرتی تھیں لیکن وہ جانتی تھیں کہ اگر احتیاط اور توجہ سے اس کی تربیت نہ کی گئی تو وہ خود سر، بدمزاج اور شوخ ہو جائے گی اس لئے وہ اُسے نصیحت فضیحت کرتی رہتی تھیں کبھی کبھار ایک آدھ تھپڑ بھی مار دیتیں، انھیں عذرا کی طبیعت میں اس کے باپ کی سیرت کی جھلک نظر آتی تھی۔ عذرا ماں کا کہنا ماننے اور انھیں خوش رکھنے کی بڑی کوشش کرتی اور اکثر اسے اپنی طبیعت کے خلاف کام کرنا پڑتا کیونکہ فطرتاً اس کی طبیعت اطاعت پسند نہیں تھی۔ پھر بھی ماں کے خیال سے وہ اپنی طبیعت کو بہت دبائے رکھتی تھی اور جب کسی بات پر وہ ناراض ہو جائیں تو عذرا کو بہت صدمہ ہوتا۔ اس کی نہ تو بہن سے بنتی تھی اور نہ اور کنبے رشتے کی لڑکیوں سے زیادہ دوستی تھی خالہ تو ہمیشہ ہی بُرا بھلا کہتی رہتی تھیں۔ محمدی چچی اعتراضات جڑتی رہتیں، چچا کا رُعب بہت تھا۔ بس ایک تو بھائی سے بے تکلفی تھی اور اس سے زیادہ ماں سے۔ وہ ماں کو اپنا دوست رفیق، صلاح کار سب کچھ سمجھتی تھی اور اپنے دل کی بات صرف ماں سے، وہ بھی جھجک جھجک کر اور رُک رُک کر، کہتی تھی۔ اُسے یہ خیال ہوتا تھا کہ

سب لوگ مجھے بُرا سمجھتے اور بُرا کہتے ہیں لیکن ماں کی محبت اور دل دہی نے کبھی اُسے بے دل نہیں ہونے دیا۔

رات کے دو بجے کا وقت ہوگا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر بڑی آب وتاب سے چمک رہا ہے۔ چبوترے پر فرخ اور عذرا دوپٹے تانے خوابِ شیریں کے مزے لے رہی ہیں۔ نسیمہ خاتون بارہ بجے نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر لیٹی تھیں۔ اس وقت محوِ خواب ہیں۔ نصیبن بھی گرمی سے لڑتی مچھروں کو مارتی، پنکھا جھلتی اور بڑبڑاتی بڑی دیر تک جاگتی رہی تھیں، ابھی انھیں نیند آئی ہے۔ بڑے میاں اب بھی کھانس رہے ہیں اور کروٹیں بدل رہے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی فقیر گاتا ہوا گلی میں گزر جاتا ہے جس سے سونے والوں کی نیند میں کچھ خلل پڑتا ہے اور پھر وہ کروٹ بدل کر سو جاتے ہیں۔ دو بجے کے بعد سے گھروں میں برتنوں کے کھڑکنے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ڈھائی بجے ایک بڈھا آدمی ہاتھ میں ڈنڈا لئے گلی میں آیا۔ وہ ہر گھر کے دروازے پر آکر لکڑی سے زور زور سے کھٹکھٹاتا اور جب تک کوئی اندر سے چلا کر اپنے اُٹھنے کا اعلان نہ کر دیتا وہاں سے نہ ہٹتا۔ نسیمہ خاتون کے گھر پر آکر پہلے تو اس نے بڑے میاں کو پُکارا لیکن وہ غریب ابھی سوئے تھے جب نہ اُٹھے تو بڑبڑاتا ہوا "بڑھاپے میں ایسی نیند" دروازے کی طرف بڑھا " اجی میاں جی ــــــ او شیخ جی ــــ اے جی سیّد صاحب ــــــ سحری کا وقت ہو گیا ــــــ اے میاں جی ــــ اُٹھو ــــــ" اتفاق سے آج سب ہی دیر سے سوئے تھے۔ کسی کی آنکھ نہ کُھلی تو اُس نے لکڑی سے دروازہ پیٹنا اور نصیبن کو پکارنا شروع کیا۔ نصیبن نے کروٹ بدلی اور جھلا کر اپنی بھاری آواز میں چلائیں " اے جا موئے ــــ نگوڑے نے نیند خراب کر دی ــ جا ــــ

جا۔ اُٹھ گئے ہیں۔ بڈھا مطمئن ہوکر دوسرے دروازے پر جا کر اپنا سبق دُہرانے لگا۔ نسیمہ نے آنکھیں بند کئے کئے کہا "نصیبن اُٹھ کر ذرا سویاں اُبال لو پھر بچیوں کو اُٹھاؤں گی" یہ کہہ کر ان کی آنکھ پھر لگ گئی اور نصیبن بھی اُٹھنے کے ارادے ہی ارادے میں غنین ہوگئی۔ تین بجے گھبرا کر نسیمہ اُٹھ کھڑی ہوئیں نصیبن کو اٹھایا اور جب سحری کا سامان تیار ہوگیا تو بچیوں کو اُٹھانے لگیں۔ فرخ تو جلدی سے اُٹھ گئی اور مُنھ دھوکر دسترخوان بچھا کر برتن وغیرہ رکھنے لگی۔ عذرا کو بہت اٹھایا مگر وہ اوں اوں کرکے پھر سو جاتی۔ آخر نسیمہ نے کہا "اچھی سحری کا وقت بہت کم رہ گیا اگر کل روزہ نہیں رکھو گی تو ویسی کہو" یہ سُن کر عذرا کود کر کھڑی ہوگئی اور جلدی سے کُلی کر مُنھ دھوکر آگئی۔ تینوں ماں بیٹیاں تخت پر آکر بیٹھ گئیں۔ نصیبن کو بھی نسیمہ نے وہیں بُلا لیا اور وہ بھی ہاتھ میں روٹی لے پیڑھی پر بیٹھ کر کھانے لگیں۔ بڑے میاں سے پوچھا سحری بھیجی جائے تو اُنھوں نے کہا: "اللہ رکھے کل اجن بیوی کا روزہ ہے وہ مجھے دے دیں گی میں رکھ کر کیا کروں گا"

نسیمہ نے دو پیالوں میں دونوں لڑکیوں کو دودھ دیا۔

عذرا۔ اماں دودھ نہیں پیا جاتا۔ خالی سویاں کھالوں گی۔

نسیمہ۔ دودھ تو پینا پڑے گا ورنہ میں روزہ نہیں رکھنے دوں گی۔

فرخ۔ آخر میں بھی تو پی رہی ہوں تم کیوں اتنے نخرے کرتی ہو۔

عذرا۔ تمھیں تو ہر سفید رنگ کی چیز پسند ہے ——— آخر ہم رنگی ہے نا ——— ورنہ دودھ بھی کوئی پینے کی چیز ہے دیکھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔

نسیمہ۔ زیادہ باتیں نہ بنا ——— دودھ پی ورنہ دسترخوان سے اُٹھ جا۔

عذرا۔ (مُنھ بنا کر) اچھا اماں۔ اور پھر ایک سانس میں آنکھیں بند کرکے کڑوی دوا کی طرح سارا دودھ پی گئی۔

دروازہ کھلا اور جمیلہ خاتون کی ماما ایک پلیٹ میں جلیبیاں لے کر آئی۔

"بیوی نے اچھی بی کی سحری بھیجی ہے۔"

نسیمہ۔ لو یہ تو کھالو خالہ جان نے سحری کے لئے جلیبیاں بھیجی ہیں۔

عذرا فرخ نسیمہ نے دو دو تین تین جلیبیاں کھائیں۔ نفیسن اور بڑے میاں کو دیں اور باقی سیدہ کے لئے اٹھا رکھیں۔

تینوں ماں بیٹیاں دانت مانجھ رہی تھیں کہ گولا چھوٹ گیا نفیسن کے منہ میں پان تھا گھبرا کر چلائیں "ارے بی بی میں کیا کروں میرا روزہ ٹوٹ گیا" نسیمہ نے مسکرا کر کہا "نہیں روزہ نہیں گیا کلی کر لو۔"

عذرا نے سونا چاہا تو نسیمہ نے منع کر دیا کہ اب نہ سوؤ نماز کا وقت نکل جائے گا دوپہر کو سونا۔

چاند اب نیچا ہو گیا تھا۔ سارے آسمان میں صرف صبح کا ستارہ چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا، ہوا میں خوش گوار خنکی تھی اور صبح کی ہلکی ہلکی روشنی دھیرے دھیرے آسمان پر پھیل رہی تھی۔ عذرا اور فرخ سریلی آواز میں کلام پاک کی تلاوت کر رہی تھیں جو اس سہانے وقت میں اور بھی دل کش اور پُر اثر معلوم ہوتی تھی۔

اذان کی آواز سن کر دونوں بہنوں نے قرآن شریف رکھ دیا اور نماز پڑھنے لگیں۔ عذرا ماں کے پاس ہی نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز پڑھ کر بڑی دیر تک کچھ دعائیں مانگتی رہی نسیمہ خاتون کے کان میں اس کے یہ الفاظ پڑے "اللہ میاں میرا روزہ اچھی طرح کٹ جائے۔ مجھے بھوک پیاس نہ لگے اور خیر اگر لگے بھی تو میں اسے چپکے سے سہہ لوں کسی کو خبر نہ ہو ــــ اور یا اللہ آج میرا مزاج ایسا کر دے کہ سب مجھ سے خوش رہیں۔ نہ کسی سے لڑوں نہ کوئی مجھے بُرا کہے۔ اور میری اماں مجھ سے خوش ہو جائیں۔ جب اماں خوش ہوں گی تو اللہ میاں تو بھی ضرور خوش ہو گا۔" نسیمہ خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ

آگئی اور انھوں نے دل ہی دل میں کہا آمین۔

آج عذرا کا پہلا روزہ تھا۔ فرخ نے سات ہی برس کی عمر میں پہلا روزہ رکھا تھا مگر عذرا ساتویں برس بیمار پڑ گئی تھی اور آٹھویں برس نسیمہ نے رکھنے نہیں دیا کہ اگلے برس ہرگز نہیں رکھواؤں گی۔ اس سال نو برس کی عمر میں اس کا پہلا روزہ رکھا یا گیا تھا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے نسیمہ پریشان تھیں کہ کیسے اس سخت گرمی میں بچی پہاڑ سا دن کاٹے گی۔ مگر یہ بھی پسند نہیں کرتی تھیں کہ اس کے نیک کام کے شوق کو روکا جائے۔ رات کو ماں بڑی دیر تک بیٹیوں کو نصیحت کرتی رہی تھیں۔ کچھ ان کا خیال تھا، کچھ پہلا روزہ ہونے کا احساس، نماز کے بعد عذرا نے جلدی سے اُٹھ کر سب کے بستر تہہ کر کے اندر رکھے۔ فرخ کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ اس کا بستر کبھی تہہ نہیں کرتی تھی کہ "میں کیا تمھاری نوکر ہوں ـــــ خود کر لو ـــــ" پھر لالٹین بجھائی، چوکیوں پہ جھاڑو دی اور پلنگ وغیرہ جھاڑ کر اوپر کوٹھے پر جا کر حسب معمول ٹہلنے لگی مگر نسیمہ نے جلدی آواز دے کر بُلا لیا کہ روزے میں زیادہ نہ ٹہلو۔ عذرا نیچے اُتر آئی۔ نصیبن اپنے پلنگ پر بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں اُن کے پاس جا کر بولی "بڑی بی تمھارا بچھونا اور پاندان اندر رکھ دوں"۔ نصیبن نے چٹ چٹ بلائیں لے کر کہا "قربان جاؤں میں خود رکھ لوں گی تم کیوں رکھو"۔ مگر عذرا جلدی سے اُٹھا کر ان کے دالان میں بستر اور پاندان رکھ آئی اور گھر بھر کے لوٹے کٹورے جمع کر کے مانجھنے لگی۔ نسیمہ نے کہا "رہنے دو میں یا فرخ لوٹے مانجھ لیں گے"۔ عذرا نے کہا "آپ دیکھئے گا میں کیسے اچھے صاف کرتی ہوں"۔ سب مانجھ کر فرخ کو پکارا اُس نے آکر دُھلوائے اور پاک کر دیئے۔ اس کے بعد عذرا اندر جا کر کتاب پڑھنے لگی۔ نسیمہ خاتون وظیفے سے فارغ ہو کر اُٹھیں تو سیدہ کو اُٹھا کر اُس کا مُنہ دُھلایا۔ دودھ جلیبیوں کا ناشتہ کرایا اور اندر لے کر آئیں تو عذرا نے کہا:

"اماں میں سیدہ کو نہلا دوں" ماں نے کہا" ہاں شوق سے" سیدہ عذرا سے بہت مانوس تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی مگر عذرا کو بچوں سے اُلجھن ہوتی تھی اور جب وہ اس کا قلم یا کاپی اِدھر اُدھر کرتی تو خوب ڈانٹتی مگر سیدہ کو چھوٹی باجی کے نام کی رَٹ لگی رہتی تھی۔ عذرا نے سیدہ کو نہلایا، دُھلے کپڑے پہنائے۔ سُرمہ لگایا بال ٹھیک کئے اور بنا سجا کر ماں کے پاس لائی۔ فرخ نے مسکرا کر کہا "آج تو سیدہ کے بڑے لاڈ ہو رہے ہیں کیا بات ہے؟"

عذرا۔ کیوں نہ ہوں تم کیوں جلتی ہو۔ پھر دروازے کے پاس جا کر بڑے میاں کو بلایا "تم کل کہہ رہے تھے کہ میرے کُرتے کی مرمّت کر دینا لاؤ میں سی دوں" انھوں نے کھانس کر بہت سی دعائیں دیں اور اپنا ایک پُرانا کُرتہ پاجامہ عذرا کو لا دیا۔ اُس نے اپنے سینے کی تھیلی سے سوئی تاگا نکالا اور سینے بیٹھ گئی۔

ساڑھے آٹھ بجے منشی عنایت اللہ آ گئے۔ باہر کے کمرے میں وہ بیٹھتے تھے اور اس کے دالان والے دروازے میں پردے کے اس طرف فرخ اور عذرا۔ پاس ہی نسیمہ خاتون بیٹھ کر اپنا کام کرتی رہتی تھیں۔ عذرا منشی جی سے پردا نہیں کرتی تھی مگر پڑھتی پردے کے اندر بیٹھ کر تھی۔

منشی جی آ کر بیٹھ گئے۔ فرخ اور عذرا قلم دوات کاپی کتاب سلیٹ وغیرہ لے کر آ بیٹھیں۔ سلام کا جواب دے کر منشی جی نے بزرگانہ لہجے میں کہا "سنا ہے آج ہماری عذرا بیٹی کا روزہ ہے۔ فرخ اپنی اماں کو میری طرف سے مبارکباد تو دو۔ اور ہاں بیٹی عذرا یہ تو بتاؤ آج تم ہمیں کیا کھلاؤ گی۔

عذرا۔ منشی جی آپ مجھے مٹھائی کھلائیے کہ میں نے روزہ رکھا ہے۔ میں کیوں کھلاؤں۔

منشی جی۔ روزہ تم نے رکھا، ثواب تمہیں ملے گا، اللہ میاں تم سے خوش ہوگا۔

عذرا۔ اچھا تو میں آپ کو اپنے حصّے کی افطاری کھلادوں گی۔
منشی جی۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اچھا آج پڑھوگی یا چھٹی مناؤگی۔
عذرا۔ ضرور پڑھوں گی۔ روزے میں تو اور بھی زیادہ کام کرنا چاہیے اور خوب پڑھنا لکھنا چاہیے تاکہ بُری باتوں کی طرف دھیان نہ جائے۔ لڑنے جھگڑنے کا خیال نہ آئے۔
منشی جی۔ اوہو آج تو ہماری عذرا بڑی عقل کی باتیں کر رہی ہے۔ کیا آج فرخ سے بھی لڑائی نہ ہوگی۔
فرخ۔ کسی سے ہو یا نہ ہو مجھ سے تو یہ آج بھی لڑے گی۔
عذرا۔ دیکھئے یہ پھر چھیڑ نکال رہی ہیں۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے لڑتی یہ ہیں نام میرا بد نام ہوتا ہے۔
منشی جی۔ اچھا اب کتابیں نکالو۔
منشی جی نے پہلے فارسی پڑھائی۔ پھر حساب کے سوال کرائے اور اس کے بعد املا لکھوائی۔ منشی جی ایک دن فارسی کا سبق دیتے تھے اور ایک دن انگریزی کا اور حساب و املا روز کراتے تھے۔ منشی جی نے جاتے وقت عذرا کو اپنے پاس بُلایا وہ قرینے سے دوپٹہ اوڑھ کر ان کے پاس گئی۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا خوبصورت بلّور کا قلمدان عذرا کو دیا کہ یہ تمھاری روزہ کشائی ہے۔ عذرا بہت شرمائی مگر جب انھوں نے اِصرار کیا تو جُھک آداب کیا اور ماں کے پاس لے آئی۔ ماں نے کہا منشی جی سے کہو آپ کو یہ تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی آپ کے احسان سے پہلے ہی میں سر نہیں اٹھا سکتی، منشی جی نے کہا:
"احسان کی کون سی بات ہے۔ محسن کی بچیوں کو پڑھانا میرا فرض ہے ــــ محسن مجھے بیٹوں کی طرح عزیز تھے اور ان کی بچیوں کو میں اپنی ہی بچیاں سمجھتا ہوں

منشی جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ایک دو قطرے ان کی لمبی سفید ڈاڑھی پر ٹپک پڑے۔ نسیمہ ان سے زیادہ انکار نہ کر سکیں۔ منشی جی کے جانے کے کچھ دیر بعد ذکیہ اور جمیلہ خاتون آگئیں۔ ذکیہ نے عذرا کو گلے سے لپٹا لیا "آج تو میری بہن روزے سے ہے"۔ جمیلہ خاتون نے بھی خلاف معمول آج بہت محبت سے بھانجی کو گلے سے لگایا اور پانچ روپے دیئے۔ عذرا نے ماں کی طرف دیکھا اور اُن کے آنکھ کے اشارے پر سلام کر کے لے لئے۔

جمیلہ۔ نسّن روزہ کُشائی کے لئے کیا سامان کیا ہے۔

نسیمہ۔ آپا سامان کیا کرنا تھا۔ کچھ افطاری پکوا کر مسجد امام باڑے میں بھیجدونگی وہی یہ بھی کھا لے گی۔

جمیلہ۔ کسی کو بُلایا ہے۔

نسیمہ۔ اس کی ہم جولیوں نجمہ، شمیم اور نعیم صاحب کی لڑکیوں کو بُلایا ہے اس کی چچی اور صغرا تو آئیں گی ہی۔

جمیلہ۔ اور کنبہ والوں میں سے کسی کو نہیں بُلایا۔

نسیمہ۔ مجھے کوئی تقریب تو کرنی تھی نہیں۔ اس کی خوشی کے لئے دو چار بچیوں کو بُلا لیا ہے۔

فرخ، عذرا اور ذکیہ کمرے میں جا کر باتیں کرنے لگیں۔

ذکیہ۔ عذرا آج کیسے کپڑے پہنو گی۔

عذرا۔ وہی پہن لوں گی جو عید پہ بنے تھے۔ نئے کپڑے تو بنے نہیں۔ ابھی تو اماں بیچاری بھائی جان کے کپڑے بنا چکی ہیں۔

فرخ۔ واہ۔ اماں نے تمہارا نیا جوڑا بنایا ہے۔

عذرا۔ (اشتیاق سے) ہائیں سچ؟ کیسا ہے؟

فرخ۔ ابھی کیوں بتاؤں۔ جب پہنوگی دیکھ لینا۔
عذرا۔ میری اچھی باجی بتادو نا۔
فرخ۔ اس وقت باجی کی بڑی خوشامد ہو رہی ہے۔ لڑتے وقت یاد نہیں رہتا۔
ذکیہ۔ بتا بھی دو فرخ۔ آج بھی تم بچاری کو ستا رہی ہو۔ آج تو اس کا روزہ ہے۔
فرخ۔ یہ جو روز مجھے روزے میں ستاتی اور لڑتی رہتی ہے۔
عذرا۔ (منہ بنا کر) جاؤ نہ بتاؤ ہم اماں سے پوچھ لیں گے۔
فرخ۔ اچھا سلام کر جب بتاؤں گی۔
عذرا۔ (ہنس کر) سلام۔ اب تو بتادو۔
فرخ۔ وہ جو ایک مرتبہ گلاب کے پھولوں کی چکن بکنے آئی تھی نا، جسے تم نے بہت پسند کیا تھا اُس کا تو قمیص بنا ہے اور ململ کا دوپٹہ ہے، جس پر لچکا اور بانکڑی ٹانکی ہے۔
عذرا۔ (خوش ہو کر) باجی سچ کہہ رہی ہو؟
فرخ۔ مجھے جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے تم آخر پہنوگی تو دیکھ لینا۔
ذکیہ۔ اور پاجامہ کیسا ہے؟
فرخ۔ یہ نہیں بتاؤں گی۔
عذرا۔ تم اس قدر اتراتی کیوں ہو بتادو نا۔
فرخ۔ اب لڑے گی تو نہیں وعدہ کر۔
عذرا۔ جھوٹا وعدہ کیسے کروں۔ لڑنے کی بات ہوگی تو ضرور لڑوں گی۔
ذکیہ۔ فرخ تم نے تو اشتیاق میں مار ڈالا بتاؤ بھی۔
فرخ۔ (ایک لفظ پر زور دے کر) لٹھے ——— کی ——— شلوار ———
ذکیہ اور عذرا (دونوں اچھل پڑتی ہیں ایک ساتھ چلّا کر) ہیں!! لٹھے کی شلوار؟؟

فرخ۔ ہاں ہاں لٹھے کی شلوار !!
عذرا۔ مگر میں نے ایک دفعہ اماں سے شلوار کے لئے کہا تھا تو انھوں نے ڈانٹ دیا تھا۔ اب کیسے بنا دی۔
فرخ۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر انھوں نے خان بہادر کے ہاں لٹھا بھیجا تھا کہ عذرا کے ناپ کی شلوار کاٹ دیں۔ انھوں نے سی کر اور خوبصورت سی بیل پائنچوں پر لگا کر کل ہی بھیجی ہے۔
ذکیہ۔ اور ممانی اماں تمھیں شلوار پہنے دیکھ کر کیا کہیں گی ؟
فرخ۔ (ہنس کر) خوب اماں اور عذرا کو بُرا بھلا کہیں گی۔
عذرا۔ ارے تم دیکھنا خالہ جان تو غصّے میں ناچنے لگیں گی۔
فرخ۔ اری چُپ۔ چُپ۔ کہیں سُن لیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔
عذرا۔ اُنھ میں اُن سے نہیں ڈرتی۔
ذکیہ۔ (ہنس کر) ممانی اماں بھی کہا کرتی ہیں کہ عذرا بڑی زباں دراز ہے۔ (حسرت سے) مجھے بھی شلوار بڑی اچھی لگتی ہے ۔۔۔ لیکن اگر منہ سے بھی یہ بات نکالوں تو کھا ہی جائیں۔ انھیں جس کسی پر بھی غصّہ آتا ہے سب مجھ پر اُترتا ہے۔
فرخ۔ ہائے بچاری ذکیہ۔
عذرا۔ تم ان سے اتنا ڈرتی کیوں ہو ؟
ذکیہ۔ تم بھی تو اپنی اماں سے ڈرتی ہو۔ وہ بھی تو میری ماں ہی ہیں مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں، اتنا خیال رکھتی ہیں اور بُرا بھی تو میرے بھلے ہی کو کہتی ہیں۔
عذرا۔ اور کچھ مزاج بھی خراب ہے۔

فرخ۔ خدا کے لئے عذرا اپنی اس جیبا کو روک ۔۔۔ دیکھا ۔۔۔ وہ آرہی ہیں
سُن لیا ہوگا تو آج تیری خیر نہیں ۔
جمیلہ خاتون نے آکر کہا کہ ذکیہ اب گھر چل ۔
نسیمہ۔ آج تو اسے یہیں رہنے دو ۔
جمیلہ۔ ابھی جانے دو شام کو کپڑے بدل کر آجائے گی۔ اس کا جی بھی اچھا نہیں۔
رات سر میں درد تھا اور آج پھر روزہ رکھ لیا۔ گھر جا کر ذرا دیر لیٹے گی ۔
ذکیہ۔ ممانی اماں اب تو میرا جی بالکل اچھا ہے ۔
نسیمہ۔ یہاں بھی آرام کر سکتی ہے۔ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔
تم جاؤ یہ نہیں جاتی ۔
جمیلہ۔ نہیں بی اس وقت جانے دو شام کو آجائے گی ۔ اُٹھ ذکن ۔
بچاری ذکیہ دل گرفتہ سی اُٹھی اور اُن کے ساتھ چلی گئی۔ عذرا کو بہت
بُرا لگا۔ مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑائی "بڑی آئیں بچاری"۔
عذرا نے پیچھے سے گلے میں باہیں ڈال دیں "اماں باجی کہتی ہیں
آپ نے میرا نیا جوڑا بنایا ہے"
نسیمہ۔ (پیار کر کے) ہاں بنایا تو ہے ۔
عذرا۔ آپ نے ناحق بنایا پہلے کا رکھا ہوا پہن لیتی ۔
نسیمہ۔ میں کچھ روزہ کشائی تو دیتی نا؟۔۔ اس کی جگہ میں نے کپڑے بنا دیئے۔
عذرا۔ آپ پہلے ہی قرض دار ہو رہی ہیں۔ اور اتنے روپے خرچ ہو گئے ہوں گے۔
نسیمہ۔ چل بڈھوں کی سی باتیں نہ کر۔ تجھے پہننے سے مطلب یا روپے سے ۔
عذرا۔ اماں بھائی جان آج یہاں ہوتے تو کیسا اچھا تھا۔ وہ مجھے بہت
یاد آرہے ہیں۔

عذرا یہ کہہ رہی تھی کہ ڈاکیہ نے آواز دی۔ بڑی بی جا کر خط لے آئیں۔ ایک ریاض کا خط تھا اور ایک "تہذیب نسواں" کا پرچہ۔

ریاض نے لکھا تھا۔

میری پیاری اماں۔ آداب۔ کل آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ خدا کے فضل سے اب آپ کی طبیعت اچھی ہے۔ عذرا نے لکھا ہے کہ آپ برابر روزے رکھ رہی ہیں۔ اگر دو چار چھوڑ دیں تو اچھا ہے کہیں کمزوری نہ بڑھ جائے۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ چودہ رمضان کو عذرا کا پہلا روزہ ہوگا یعنی جس دن یہ خط پہنچے گا۔ میری طرف سے اسے خوب پیار کیجیے گا۔ اس خط کے ساتھ ہی تہذیب نسواں پہنچے گا۔ یہ میں نے روزہ کشائی میں عذرا کے نام جاری کرایا ہے۔

میں روزے برابر رکھ رہا ہوں اور بالکل اچھا ہوں۔ خوب کھاتا ہوں، خوب کھیلتا ہوں اور بہت موٹا ہو گیا ہوں۔ عید کی چھٹیوں میں آؤں گا تو آپ پہچان بھی نہ سکیں گی۔ عذرا اور فرخ کو بہت سی دعائیں اور پیار۔ پرسوں ان کے خط کا جواب دوں گا۔ بڑی بی اور بڑے میاں کو سلام اور سب کو ما وجب۔ عذرا کو دوبارہ روزے کا پیار۔

آپ کا تابع دار بیٹا

ریاض عباس

عذرا اور فرخ نے ماں سے لے کر خط پڑھا اور پھر دونوں تہذیب پڑھنے لگیں۔ آج آسمان پر کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے اور ہوا بالکل بند تھی۔ نسیمہ نے لڑکیوں کو اندر سہ دری میں پنکھے کے نیچے لٹا دیا

کر دو ایک گھنٹے سو جاؤ۔ لڑکیاں اندر جا کر لیٹ گئیں۔ عذرا کے پیٹ میں مروڑیاں سی اُٹھ رہی تھیں، پیاس سے بُرا حال تھا اور ہونٹ بالکل خشک ہو گئے تھے۔ فرخ کو بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف تھی۔ مگر چونکہ دو تین سال سے روزے رکھ رہی تھی اس لئے عادت پڑ گئی تھی۔ عذرا کے لئے یہ پہلا موقع اور سخت امتحان تھا وہ اس کوشش میں تھی کہ میں اس میں پوری اُتروں بغیر ارادی طور پہ بار بار اس کی نظریں کورے گھڑے کی ٹھنڈی سطح پر جا پڑتیں جنھیں وہ گھبرا کر جلدی سے ہٹا لیتی جیسے کوئی چوری کر رہی ہو۔ فرخ اور سیدہ تو تھوڑی سی دیر میں سو گئیں مگر عذرا کو کسی طرح نیند نہ آتی تھی۔ کبھی اٹھتی کبھی بیٹھتی۔ آخر لوٹے سے سر پر خوب پانی ڈالا اور منہ ہاتھ دھویا۔ نسیمہ نے جو باہر بیٹھی شام کے کھانے اور افطار کے انتظام میں مصروف تھیں جھانک کر یہ دیکھا اور اُٹھ کر اندر آئیں۔ عذرا انھیں دیکھ کر جلدی سے لیٹ گئی۔

نسیمہ۔ کیوں بی بی۔ نیند نہیں آتی!

عذرا۔ گرمی بہت ہے۔

نسیمہ۔ بہت پیاس لگ رہی ہے۔

عذرا۔ جی نہیں پیاس تو نہیں گرمی لگ رہی ہے۔

نسیمہ۔ (مُسکرا کر) میری بیٹی بڑی بہادر ہے۔ بس دو تو بج گئے چند گھنٹے اور ہیں انشاء اللہ یہ بھی کٹ جائیں گے۔ تم لیٹو۔ میں بھی تمھارے پاس لیٹتی ہوں پھر نیند آجائے گی۔

نسیمہ عذرا کے پاس لیٹ گئیں۔ پنکھا جھلنے والا لڑکا سو گیا تھا، انھوں نے ڈوری اپنے پاؤں میں لے لی اور ہاتھ سے ہلکے ہلکے عذرا کا سر سہلانے لگیں۔ کچھ تو پسینے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، کچھ ماں کا

قُرب اور اُن کے ہاتھ کا محبت بھرا لمس ـــــ عذرا گرمی اور پیاس سب بھول گئی اُس نے آنکھیں بند کرلیں اور تھوڑی دیر بعد میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ نسیمہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ کچھ دیر بیٹھی رہیں اور پھر آہستہ سے اُٹھ کر باہر آگئیں۔ نفیسن سوگئی تھی اسے اٹھایا۔ کہ نماز پڑھ لو۔ خود نماز پڑھی اور پھر وہ اور نفیسن دونوں افطاری کا سامان تیار کرنے لگیں۔ آٹا تول کر بڑے میاں کو دیا کہ تندور پہ دے آئیں۔ پلاؤ کے چاول چُن کر بھگوئے۔ یہ دونوں کام میں مصروف تھیں کہ فرخ اُٹھ کر آئی اور بولی" اماں دیکھئے تو سارے آسمان پہ بادل چھا رہے ہیں۔ یا اللہ عذرا کے روزے کی برکت سے آج بارش ہو جائے"۔ نسیمہ نے کہا "ہاں بی بی دُعا مانگو، معصوموں کی دُعا میں برکت ہوتی ہے ہم گنہ گار تو دُعا مانگ کر تھک گئے۔ آسمان پہ بادل آتے ہیں اور بارش نہیں ہوتی۔ خدا تمھاری دُعا ہی سُن لے اور ننھے بچوں اور غریب کسانوں پہ رحم کر کے پانی برسا دے"۔ فرخ نے نماز پڑھ کر ماں سے کہا: "اماں مجھے بھی کچھ کام بتائیے" نسیمہ نے کہا "تم روزے میں یہاں آگ کے پاس نہ بیٹھو۔ اندر جا کر دالان سہ دری اور کمرے میں جھاڑو دے کر فرش وغیرہ درست کرلو تھوڑی دیر میں تمھاری سہیلیاں آجائیں گی"۔

فرخ اندر گئی تو دیکھا کہ عذرا پسینے میں شرابور، پیاس سے لب خشک، بے خبر سو رہی ہے۔ اسے بہن پہ بڑا ترس آیا۔ پنکھا لے کر جھلنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا لگنے سے عذرا کی آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ فرخ اسے پنکھا جھل رہی ہے کچھ دیر حیرت سے بہن کو دیکھتی رہی پھر بولی" آج تو باجی کو مجھ پر بڑی محبت آرہی ہے" اور یہ کہہ کر فرخ کے گلے سے لپٹ گئی۔ فرخ نے بھی اسے لپٹا لیا

اور دونوں ہنستی ہوئی باہر آئیں۔ اوپر تلے کی ہونے کی وجہ سے اکثر دونوں میں لڑائی ہوتی تھی مگر محبت بہت تھی۔ ابھی لڑیں ابھی من گئیں۔ فرخ کو اپنی بڑائی کا بہت خیال رہتا۔ ذرا ذراسی بات ناگوار گزرتی۔ جس پہ عذرا کو ڈانٹ پڑتی تھی۔ عذرا کو یہ بُرا لگتا تھا کہ ہر کوئی آپا جی کی طرفداری کرتا ہے اور مجھے ڈانٹتا ہے اسی لئے دونوں میں جھڑپ ہو جاتی تھی۔ مگر روزے کی برکت سے عذرا کا مزاج بھی دھیما ہو رہا تھا اور فرخ کو بھی بہن پہ بہت رحم آرہا تھا۔ اُس نے کہا" دیکھو اللہ میاں کو تم پہ رحم آگیا۔ کیسا اچھا ابر آیا ہے اللہ کرے بارش ہو جائے۔"

عذرا ماں کے پاس باورچی خانے میں گئی اور بولی" میری اماں آپ اس گرمی میں پکا رہی ہیں اچھا مجھے بھی کوئی کام دیجئے میں بھی پکاؤں گی۔"

نسیمہ نے کہا تم یہاں سے جاؤ آگ کے پاس نہ آؤ فرخ کے ساتھ کام کرالو۔

نصیبن۔ اے ہے میں واری جاؤں کیسا میری بچی کا ذرا سا مُنہ نکل آیا۔

عذرا۔ واہ بڑی بی تم یونہی کہا کرتی ہو میرا تو ویسا ہی چوڑا چکلا مُنہ ہے جیسا تھا۔

نصیبن۔ اے بیٹی کیا کہنے ہیں تیرے چوڑے چکلے مُنہ کے۔ ایک تو سدا کی سُوکھی سا کھی روزے نے اور ماڑی کر دیا۔

عذرا۔ تم مجھے دُبلا سُوکھا نہ کہا کرو تم سے تو زیادہ موٹی ہوں۔

نسیمہ۔ (ہنس کر) اچھا اچھا تو ہتھنی ہے۔ مگر یہاں سے جا بہت گرمی ہو رہی ہے۔

عذرا نے جا کر نماز پڑھی اور پھر دونوں بہنیں چیزیں درست کرنے لگیں سب سے پہلے عذرا کی چچی اور صغرا آئیں ان کے پیچھے نائن ایک خوان لئے ہوئے تھی ـــــ چچی نے عذرا کو گلے سے لگایا اور سب سے ملیں خوان پوش

ہٹا ہا گیا تو سینی میں افطاری کی مٹھائی اور ریشمی جوڑے کا کپڑا تھا۔ عذرا اصغرا اور ذکیہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ ماں نے کہا جاؤ نہا کر کپڑے بدل لو۔ شام ہو گئی ہے۔ صغرا نے کہا "دیکھ کہیں پانی نہ پی لینا" عذرا کھسیانی ہو گئی تم پیتی ہو گی روزے میں نہاتے ہوئے پانی ـــــ تبھی کہہ رہی ہو ـــــ" کپڑے لے کر غسل خانے میں گھس گئی اور نہا کر باہر نکلی تو دیکھا کہ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور سب کے چہرے مسرت سے کھلے ہوئے ہیں۔

عذرا کے لمبے قد اور نازک جسم پر شلوار بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ شرماتی ہوئی آکر بہنوں کے بیچ میں بیٹھ گئی۔ صغرا اور ذکیہ نے اس کی شلوار دیکھ کر خوب خوب چھیڑا مگر عذرا ہنستی رہی بُرا نہیں مانا ـــــ شمیم اور نجمہ بھی آگئیں ـــــ محمدی بیگم نے افطاری کے لئے مٹھائی بھیجی تھی، جمیلہ خاتون بھی بہت سی چیزیں اپنے ہاں سے پکا کر لائیں اور یہاں آکر بہن کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ ساڑھے چھ بجے تک کھانا اور افطار کا سب سامان تیار ہو گیا۔ مگر اب تک خان بہادر کی بیوی اور لڑکیاں نہیں آئی تھیں۔

نسیمہ۔ نہ جانے کیا بات ہے حسینہ بہن اور اُن کی لڑکیاں ابھی نہیں آئیں۔

جمیلہ۔ (طنز سے) ابھی اُن کا سنگار ہی ختم نہ ہوا ہو گا آتیں کیسے۔

نسیمہ چُپ ہو گئیں اور جمیلہ نسیمہ کی دیورانی سے نعیم صاحب کی، اُن کی بیوی بیٹیوں کی بُرائی کرنے لگیں کہ یہ ایسے لوگوں سے ملتی ہے۔ ساتھ ہی انھیں اور نسیمہ کو بُرا بھلا کہا کہ لڑکیوں کو غیر مرد سے پڑھواتی ہو۔ وہ بچاری خاموش طبیعت کی آدمی تھیں ہوں ہاں کرتی رہیں۔

موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور مسز نعیم معہ دونوں لڑکیوں کے اندر آئیں۔ غرارے، آدھی آستین کے جمپر پہنے تھیں اور چُنے ہوئے دوپٹے گلے میں پڑے تھے

مسز نعیم نے عذرا کو بلا کر پیار کیا اور کہا "کیوں بیٹی روزہ تو بہت نہیں لگا" مگر عذرا نے آنکھیں نیچی کر کے جواب دیا "جی نہیں مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا" سب ہنسنے لگے اور عذرا شرمندہ ہو گئی۔ مسز نعیم نے کہا "یہ شلوار تمھارے بڑی پیاری لگ رہی ہے تم شلوار ہی پہنا کرو" اب جمیلہ نے دیکھا کہ بھانجی نالائق شلوار پہنے ہے! بہت غصہ آیا مگر غنیمت ہوا کہ مہمانوں کا لحاظ کر کے کچھ کہا نہیں۔ مسز نعیم اپنے ساتھ پھلوں کی ٹوکری لائی تھیں۔ وہ ملازمہ نے نسیمہ کے پاس لا کر رکھ دی۔ مسز نعیم نے پچیس روپے عذرا کو دیئے کہ "لو یہ تمھاری روزہ کشائی ہے" عذرا نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا اور کہا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ میری روزہ کشائی کے لئے آپ پھل تو لے آئی ہیں۔"

مسز نعیم۔ بیٹی بڑے دیتے ہیں بچے لیتے ہیں۔ لے لو خرچ کرنا۔

عذرا۔ خالہ صاحب معاف کیجئے یہ تو میں نہیں لوں گی۔ مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اماں منگا دیتی ہیں میں ان کا کیا کروں گی۔ یہ کہہ کر عذرا وہاں سے کھسک گئی۔ مسز نعیم نے نسیمہ کو روپے دینا چاہے مگر نسیمہ نے شائستگی سے انکار کر دیا۔

لڑکیوں نے بڑا سا دسترخوان بچھا کر اس پر سب قسم کی افطاری چُن دی نسیمہ اور جمیلہ نے پہلے مسجدوں اور امام باڑے میں افطاری بھیجی۔ پچیس غریبوں کے ہاں کھانا بھجوایا۔ سب ملازمہ عورتوں اور نوکروں کے لئے نکال کر پہلے سے رکھ دیا اور دودھ کا شربت بنا کر رکھا۔ کہ جیسے ہی گولا چھوٹے گا برف ڈال دیا جائے گا۔

موسم بہت خوش گوار ہو گیا تھا، روزہ کھلنے میں ابھی دیر تھی سب لڑکیاں ایک طرف بیٹھی آپس میں ہنسی مذاق کر کے روزہ بہلا رہی تھیں۔

ذکیہ۔ عذرا کل بھی روزہ رکھو گی یا آج چپ بول دی۔

عذرا۔ کل تو نہیں پرسوں رکھوں گی۔
صغرا۔ چچی اماں ہرگز بھی نہیں رکھنے دیں گی۔ بس ایک کافی ہے۔
عذرا۔ کیوں آج کچھ میں نے شور غل مچایا جو اماں منع کریں گی۔
شمیم۔ مگر منہ تو دیکھو کیسا ذرا سا نکل آیا ہے۔
عذرا۔ شمیم آپا آپ کا روزہ ہے؟
شمیم۔ ہاں بہن میں تو سب روزے رکھتی ہوں۔
فرخ۔ انجمہ تم بھی سب روزے رکھتی ہو۔
نجمہ۔ بہن میرا جی ہی اچھا نہیں رہتا۔ بڑی مشکل سے رو دھو کر دو تین روزے رکھے۔ باجی اماں مانتی ہی نہیں۔
فرخ۔ میں تو ہر تیسرے دن رکھتی ہوں۔ پہلا روزہ تو بہت لگا پھر تو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ ذکیہ کو خالہ جان بہت منع کرتی رہتی ہیں مگر یہ سارے روزے رکھتی ہیں۔
ذکیہ۔ مجھے روزہ رکھنا بڑا اچھا لگتا ہے۔ کیوں بہن رضیہ آپ نے کتنے روزے رکھے؟
رضیہ۔ ایک بھی نہیں۔
فرخ۔ کیوں کیا کچھ طبیعت خراب رہتی ہے؟
رضیہ۔ نہیں۔ پاپا منع کرتے ہیں کہ اس گرمی میں بچوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔
نجمہ۔ ہاں گرمی بہت ہے اسی لئے تو مجھے باجی اماں نہیں رکھنے دیتیں۔
صغرا۔ رضیہ بہن تمھاری کیا عمر ہے۔
رضیہ۔ دسمبر میں میں تیرہ برس کی ہو جاؤں گی۔
ذکیہ۔ تب تو آپ پر روزے فرض ہیں ضرور رکھنے چاہئیں۔
رضیہ۔ ہمارے پاپا کہتے ہیں کہ اتنی چھوٹی عمر میں روزے رکھنا صحت کے لئے

مضر ہے اور ہرگز اس گرمی میں بچوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔
عذرا۔ آخر سینکڑوں آدمی اسی گرمی میں روزے رکھتے ہیں۔ بچے بھی بڑے بھی۔ کیا وہ آدمی نہیں۔ یا انھیں گرمی نہیں لگتی۔
رضیہ۔ پاپا کہتے ہیں کہ چھوٹی عمر میں بچوں کو روزہ رکھانا جہالت ہے۔
عذرا۔ سبحان اللہ کیا کہنے ہیں آپ کے پاپا کے۔ ان کے سوا ساری دنیا جاہل ہے؟
رضیہ۔ (تنک کر) یہ جہالت نہیں تو کیا ہے کہ خواہ مخواہ بچوں کو بھوکا پیاسا مارا جائے؟
عذرا۔ تمھیں شرم نہیں آتی اپنے سے بڑوں کو جاہل کہتے؟
رضیہ۔ جو جاہل ہوگا اسے کہا ہی جائے گا۔ سچی بات کا کیا بُرا ماننا۔
عذرا۔ ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔ تمھیں میری اماں کو جاہل کہنے کا کوئی حق نہیں وہ تم جیسی ہزاروں کو پڑھا کر رکھ دیں۔ جاہل تو تم خود ہو نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔
فرخ۔ عذرا تمھارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ گھر آئی مہمان سے لڑ رہی ہو۔
عذرا۔ انھوں نے کیسے میری اماں کو جاہل کہا؟
رضیہ۔ (غصّے سے) میں نے کب تمھاری اماں کو جاہل کہا۔ خواہ مخواہ لڑکی مجھ پہ بہتان باندھ رہی ہے۔
عذرا۔ تم نے یہ کہا نہیں کہ جو چھوٹی عمر میں روزہ رکھائیں وہ جاہل ہیں؟
ذکیہ۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ توبہ توبہ، ہمارے رسولؐ جنھوں نے یہ حکم دیا کہ بارہ اور نو سال کی عمر میں روزہ واجب ہو جاتا ہے۔ تمھارے نزدیک توبہ توبہ (گلوں پہ تھپڑ مار کر) نعوذ باللہ جاہل تھے۔
رضیہ۔ (رو کر) تم سب مِل کر مجھ پہ جھوٹے الزام لگا رہی ہو۔ میں نے رسول اللہؐ کی یا فرخ کی اماں کی شان میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

عذرا۔ تو تم کیوں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتیں۔
رضیہ۔ چپ رہو میں تم سے نہیں بول رہی ہوں۔
عذرا کچھ کہنے کو تھی کہ صغرا نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "عذرا کیوں سارے دن کی محنت برباد کر رہی ہو۔ روزے میں لڑنا گناہ ہے" فرخ نے رضیہ کے پاس جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "اچھی بہن معاف کرنا عذرا بچی ہے اور پھر روزے کی وجہ سے اس کا مزاج چڑچڑا ہو رہا ہے اس کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو۔"
عذرا۔ فرخ باجی تم ایسی باتیں کرتی ہو کہ میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے میرا مزاج روزے کی وجہ سے چڑچڑا نہیں ہو رہا۔ انھوں نے بات ایسی کہی ہے جسے تم چاہے سن لو میں نہیں سن سکتی۔
فرخ۔ خبردار جو اب تم بولیں نہیں تو بلاتی ہوں اماں کو۔
رضیہ۔ تم لوگوں نے گھر بلا کر میری بے عزتی کی ہے میں اب کبھی یہاں نہ آؤں گی۔
فرخ۔ (خوشامد سے) تم تو بہن برا مان گئیں ـــ چلو جانے دو ـــ معاف کر دو اماں سنیں گی تو انھیں بہت رنج ہوگا۔
سب نے سمجھانا چاہا مگر دونوں کا منھ پھولا رہا۔ نسیمہ لڑکیوں کو بلانے آئیں تو دیکھا کہ رضیہ کا منھ غصے سے سرخ ہو رہا ہے اور عذرا ایک طرف منھ چھپائے رو رہی ہے۔ سمجھ گئیں کہ دونوں میں پھر لڑائی ہوئی ہے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ سارے دن کی بھوکی پیاسی روزے دار بچی کو مناتی ہیں تو مہمان سہیلی کی بچی کو برا لگے گا اور اگر رضیہ کو مناتی ہیں تو عذرا کو صدمہ ہوگا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہیں اور آخر رضیہ کو منا کر باہر لے گئیں۔ یاسمین نے جا کر اپنی ماں سے سارا قصہ کہا وہ جلدی سے اٹھ کر آئیں اور عذرا کو سمجھا بجھا کر باہر لائیں، وہ کچھ شرمندہ کچھ رنجیدہ کچھ ناراض باہر آئی۔ سب نے وضو کیا

اور جا نمازیں بچھالیں۔ اذان کی آواز سُن کر پہلے نسیمہ خاتون نے افطار کی دُعا پڑھا کر کھجور کے دانے سے عذرا کا روزہ کھلوایا پھر اور سب نے کھولا اور ایک طرف لڑکیوں نے دوسری طرف بیویوں نے نماز ادا کی۔ پھر سب دسترخوان پر آ بیٹھے جس پر انواع واقسام کی افطاری، مٹھائی، پھل وغیرہ چنے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد کھانا ہوا اور عشا کے وقت سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

رات کو عذرا ماں کے پلنگ پر آ کر لیٹ گئی اور چپکے سے کہنے لگی "اماں آپ مجھ سے خفا تو نہیں"۔

نسیمہ۔ (پیار سے) خفا کیوں ہوتی۔ آج تم نے اچھے اچھے کام کئے بڑوں کا کہنا مانا۔ روزے کو بہت اچھی طرح برداشت کیا۔ دوسروں کے کام کئے آج میں تم سے بہت خوش ہوں۔

عذرا۔ (شرمندگی سے) مگر اماں ایک قصور مجھ سے ہو گیا۔

نسیمہ۔ تو اللہ سے توبہ کرو وہ معاف کر دے گا۔

عذرا۔ میں نے تو اماں بہت کوشش کی کہ چُپ رہوں مگر جب وہ آپ کو جاہل اور کیا کیا کہنے لگیں تو مجھ سے نہ رہا گیا۔

نسیمہ۔ یہ کس نے کہا؟

عذرا۔ رضیہ نے۔ کہ بچوں کو روزہ رکھانا جہالت ہے جو اپنے بچوں کو بھوکا پیاسا مارتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ یہ مجھ سے نہ سُنا جا سکا۔ بھلا کون اپنی ماں کے لئے ایسی بات سُن لے گا۔

نسیمہ۔ رضیہ کو کسی نے بتایا نہ ہوگا کہ بڑوں کو ایسی بات نہیں کہتے۔ مگر میری جان وہ تمھاری مہمان تھی۔ تمھیں اس کا دل دکھانا نہیں چاہئیے تھا۔

عذرا۔ اماں یہ تو ٹھیک ہے مگر وہ اس قدر غرور سے بات کرتی ہیں کہ

مجھے ذرا اچھی نہیں لگتیں۔ پھر بھی میں نے ان کی خاطر مدارات کی مگر جب وہ ایسی باتیں کرنے لگیں تو پھر مجھ سے نہ رہا گیا (منھ بنا کر) اور پھر غصّے میں تو یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا کہنا چاہیئے کیا نہیں

نسیمہ۔ بیٹی تمھیں اپنے غصّے کو قابو میں کرنا چاہیئے۔ دنیا میں انسان کو بڑی بڑی باتیں سہنا پڑتی ہیں۔ اگر وہ یونہی ذرا ذرا سی بات پہ آپے سے باہر ہو جایا کرے تو زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے۔ دنیا میں سب سے مل جل کر رہنا اور سب سے محبت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

عذرا۔ ایک تو انھوں نے ایسی باتیں کہیں اور پھر اُلٹا مجھے جھوٹا بنایا اور باجی نے بجائے میری طرف داری کرنے کے مجھے بُرا بھلا کہا اور سب کے سامنے ذلیل کیا۔ اپنی بہن کو بُرا کہنا اور دوسروں کی طرف داری کرنا کوئی اچھی بات ہے ؟

نسیمہ۔ فرخ نے تمھیں اس لئے بُرا کہا کہ مہمان سے لڑنا بہت بُری بات ہے۔

عذرا۔ باجی کو تو ان کی ہر بات اچھی لگتی ہے اور اماں یہ تو مجھے بھی برا لگا کہ وہ ہمارے گھر سے ناراض ہو کر گئیں مگر آخر وہ بھی تو سوچتیں کہ دوسرے کے گھر آکر اُسے بُرا بھلا کہنا کہاں کی شرافت ہے۔

نسیمہ۔ تمھیں خود اپنے مزاج پہ قابو نہیں تو دوسروں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جیسی بدمزاج تم ہو ایسی ہی وہ ہے اور تم نے باوجود میرے ہمیشہ سمجھانے اور بتانے کے ایسی حرکت کی۔ آج تو خیر میں کچھ نہیں کہتی مگر آئندہ ایسا نہ ہو۔ مجھے بڑا رنج ہے کہ تم نے گھر آئی سے لڑائی لڑی۔ ہمارے حضورؐ مہمان کی کتنی عزت کرتے تھے، اس کا کتنا کام اور خاطر داری کرتے تھے؟ تم نے تو یہ سب پڑھا اور سُنا ہے۔ مہمان کی کڑی سے کڑی بات خاموشی سے سہنا چاہیئے ـــــ میری جان مہمان کی دل شکنی بڑا گناہ ہے ـــــ تمھیں

یاد ہوگا میں نے تمھیں سنایا تھا عرب لوگ مہمان نوازی میں کتنے مشہور ہیں اور مہمان کے لئے جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ توبہ توبہ کتنی بُری بات ہے کہ تم نے اپنے مہمان کی ہتک کی۔

عذرا۔ اماں میں نے اُن کی ہتک تو نہیں کی۔

نسیمہ۔ یہ ہتک نہیں تو کیا ہے کہ تم اس سے اپنے گھر میں لڑیں۔ اُسے کتنا صدمہ اور شرمندگی ہوئی ہوگی ــــ میری بیٹی اور ایسی بے حس۔

عذرا شرمندہ ہو کر رونے لگی اور ماں کے سینے پہ سر رکھ کر بولی "اماں میرا قصور معاف کردیجئے"۔ نسیمہ نے پیار کرکے کہا تم نے میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ خدا سے توبہ کرو اور رضیہ سے معافی مانگو۔

عذرا۔ اچھا اماں۔

نسیمہ۔ تم کل ہی ایک پرچہ لکھ کر رضیہ سے معافی مانگ لینا۔ اچھا؟

عذرا۔ (بادلِ ناخواستہ) جی اچھا۔

اس رات دیر تک عذرا اپنے بستر پہ لیٹی چپکے چپکے روتی رہی اور اپنے اللہ میاں سے خدا جانے کیا کیا باتیں کرتی رہی۔

پانچواں باب

فرخ نے کوٹھے پر سے جھک کر پکارا "اے عذرا ــــ اری عذرا ــ سن تو سہی ــــ جلدی سے اوپر آ" عذرا دھوپ میں بیٹھی ایک میز پوش بنا رہی تھی، منہ بنا کر بولی "باجی کیوں چلائے جاتی ہو میں نہیں آتی"۔ فرخ تیزی سے اوپر سے اتری اور عذرا سے بولی "وہ سامنے والا مکان جو ہے نا اس میں لوگ آئے ہیں، بہت سا سامان اتر رہا ہے۔ چل اوپر کھڑکی میں سے دیکھیں ــــ نصیبن نہ دیکھ لیں چپکے سے چل" عذرا نے مڑ کر دیکھا۔ نصیبن بیٹھی جوئیں مار رہی تھیں، برا سا منہ بنا کر سر پھیر لیا اور اٹھ کر بہن کے ساتھ اوپر چلی گئی اور گلی میں جو کھڑکی کھلتی تھی اس میں سے دونوں بہنیں نیچے جھانکنے لگیں، سامنے کے بڑے پھاٹک کے کواڑ کھلے ہوئے تھے اور تین چار نوکر تانگوں میں سے اسباب اتار اتار کر اندر لے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک عمدہ قسم کی سیج گاڑی گلی

کے سرے پر آکر رُکی۔ اس میں سے سب سے پہلے ایک پینسٹھ برس کی عمر کے بزرگ لمبی سفید داڑھی ہاتھ میں چاندی کی مُوٹھ کی لکڑی لئے اُترے جلدی سے ایک نوکر نے بڑھ کر سہارا دیا۔ پھر ایک سولہ سترہ برس کا لڑکا کود کر گاڑی سے باہر آیا اور ہاتھ پکڑ کر ایک لڑکی کو گاڑی سے اُتارا۔ آگے آگے یہ تینوں پیچھے پیچھے نوکر حقہ، خاصدان، بٹوا ڈبیہ لئے ہوئے چلے اور سب پھاٹک کے اندر چلے گئے۔ عذرا نے فرخ کے کہنی ماری" اس لڑکی کو دیکھا کیسی پیاری سی ہے" فرخ چپکے سے بولی" ہاں بڑی بھولی ہے۔ کوئی امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں"

عذرا۔ ان بڑے میاں کو دیکھا کیسی شان سے چل رہے تھے جیسے بڑے لاٹھ صاحب ہوں ــــ توبہ کیسی دھوپ ہے میرا تو سر بھی جل گیا ــــ باجی یہ لوگ کون ہیں ؟

فرخ۔ جن کا گھر ہے وہی ہوں گے ــــ اماں نے ایک دفعہ ان کا نام بتایا تو تھا۔ یاد نہیں کیا تھا۔

عذرا۔ (سوچ کر) کچھ حبیب پر تھا۔ حبیب علی۔ یا حبیب الٰہی۔

فرخ۔ ہاں ہاں حبیب الٰہی حبیب الٰہی۔ نہ جانے ان کے ساتھ یہ بچے کون ہیں۔

عذرا۔ کوئی عورت تو ساتھ ہے نہیں۔ بس ایک بچی اور ایک لڑکا ہے۔

فرخ۔ اب چلو نیچے اماں آگئیں تو خفا ہوں گی۔

عذرا۔ ابھی اماں کہاں آئی ہیں۔ خالہ جان ان کا دماغ چاٹ رہی ہوں گی۔ چلو اس کھڑکی سے جھانکیں جو اس برابر کے گھر کی چھت پر کھلتی ہے۔

فرخ۔ قفل پڑا ہے کیا نظر آئے گا؟

عذرا اور فرخ کھڑکی تک گئیں اور درزوں سے جھانکتی رہیں جب ہوا کھلی ہوئی چھتوں کے کچھ نظر نہ آیا تو نیچے اُتر آئیں۔ نسیمہ آئیں تو عذرا نے کہا

"اماں سامنے والے گھر میں بہت سے آدمی آئے ہیں۔ آپ نے دیکھا؟"

نسیمہ۔ ہاں تانگوں کی آوازیں نے بھی سُنی تھی شاید حبیب نانا آئے ہوں گے۔

فرخ۔ یہ بڑے میاں آپ کے نانا ہیں اماں؟

نسیمہ۔ ہاں یہ میری اماں کے ماموں ہیں۔

عذرا۔ پہلے تو آپ نے کبھی بتایا نہیں تھا۔

نسیمہ۔ ان سے اور ہم لوگوں سے مدت سے میل جول بند تھا اور یہ رہتے بھی حیدرآباد میں تھے اس لئے کبھی ذکر نہیں آیا۔

فرخ۔ ان سے میل جول کیوں نہیں تھا؟

نسیمہ۔ تمھارے بڑے چچا مرحوم اور حبیب نانا کے بیٹے سے کسی بات پر ان بن ہوگئی تھی بہت دن مقدمہ بازیاں ہوئیں اُس وجہ سے ہم لوگوں کا آنا جانا بھی بند ہوگیا تھا۔ اب تو نہ تمھارے تایا رہے نہ ان کے بیٹے دونوں کا انتقال ہوگیا۔

عذرا۔ اماں ہمارے بڑے چچا کے بیٹے کہاں ہیں وہ یہاں کیوں نہیں آتے۔

نسیمہ۔ تمھارے تایا حیدرآباد میں نوکر تھے وہیں ان کا انتقال ہوا۔ اب ان کے بیٹے بیٹیاں بھی وہیں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا یہاں آنے کو جی نہیں چاہتا۔

فرخ۔ ان کے ساتھ بس ایک چھ سات برس کی لڑکی ہے اور ایک لڑکا۔ عورت کوئی بھی نہیں۔ اماں یہ بچے کون ہیں؟

نسیمہ۔ حبیب نانا کے دو بیٹیاں اور ایک لڑکا تھا۔ ایک لڑکی احمدی کا سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا تھا۔ دوسری کی شادی ہوئی لڑکا ہوا اور پھر وہ بچاری بھی چل بسیں ـــ ان کے بیٹے کا بھی چھ سات سال ہوئے انتقال ہوگیا۔ اب سُنا ہے کہ بہو بھی مرگئیں۔ بس ایک پوتی

اور نواسا رہ گئے ہیں۔

عذرا ۔ ہائے ہائے بچاری بچی اس کے نہ ماں نہ باپ ۔ بس ایک دادا ہی ہیں۔

فرخ ۔ اماں یہ تو آپ کے ناناہیں پھر تو ہم ان کے سامنے آئیں گے۔

نسیمہ ۔ ہاں کیوں نہیں ۔ اگر وہ آتے جاتے رہے تو سامنا ہوگا۔

عذرا ۔ اماں ہم ان بچارے بچوں سے ضرور ملیں گے۔ بچارے بے ماں باپ کے ہیں ۔ ان کا دل بڑا دُکھتا ہوگا ؟

نسیمہ ۔ ہاں اگر حبیب نانا نے ملنا جلنا شروع کیا تو ضرور ہم لوگ بھی ملیں گے۔

تین چار دن بعد عذرا اور فرخ اوپر بیٹھی پڑھ رہی تھیں کہ دونوں گھروں کے بیچ کی کھڑکی میں کھڑبڑ ہوئی ۔ انھوں نے دیکھا تو ایک آنکھ چمکتی ہوئی نظر آئی ۔ یہ کھڑکی کے پاس گئیں تو آنکھ غائب ہوگئی ۔ اب انھوں نے جھانکا تو دیکھا کہ وہی لڑکی ریشمی کپڑے پہنے کھڑی ہے اور کھڑکی کی طرف دیکھ رہی ہے ۔ عذرا نے کواڑ کھٹکھٹایا تو وہ کھڑکی کے پاس آئی ۔ تینوں نے ایک دوسری کو جھانک کر دیکھا اور درزوں سے مُنہ لگا لگا کر باتیں ہونے لگیں ۔ اس نے کہا "تم ہمارے ہاں آؤ گی ۔ میرا اکیلے بڑا جی گھبراتا ہے" انھوں نے کہا "تم آؤ گی تو ہم بھی آئیں گے" لڑکی نے کہا "میں دادا ابّا سے پوچھوں گی وہ بہت غصّے والے ہیں مجھے ان سے ڈر لگتا ہے ۔ کیا تمھاری اماں بھی غصّے والی ہیں" عذرا نے کہا "ہماری اماں تو بڑے اچھے مزاج کی ہیں ۔ سب سے محبت کرتی ہیں" وہ بولی "پھر تو میں بھی انھیں دیکھوں گی"

کئی دن تک کھڑکی کی درزوں میں سے ان لوگوں میں باتیں ہوتی رہیں۔

ایک دن ہاجرہ اپنی مُلازمہ کے ساتھ نسیمہ کے ہاں آئی۔ ہاجرہ کی عمر نو دس برس کی تھی مگر ڈیل ڈول چھوٹا تھا اس لئے سات آٹھ برس کی لگتی تھی۔ بھُورے بال گورا رنگ، بادامی آنکھیں اور بہت بھولی بھالی صورت۔ نسیمہ نے پیار کیا۔ فرخ، عذرا نے ہاجرہ کی بہت خاطر تواضع کی۔ اپنی گڑیاں دکھلائیں کتابیں دکھائیں۔ اپنی سلائی، کاڑھے ہوئے رومال، غلاف، میز پوش وغیرہ دکھائے اور ایک ہی دن میں خوب گھُل مل گئیں۔ وہ شام تک رہی۔

اگلے دن پھر آگئی۔ فرخ عذرا سے کہا تم بھی ہمارے ہاں آؤ۔ انھوں نے وعدہ کر لیا مگر کئی دن تک نہ جا سکیں پھر ہاجرہ بھی نہ آئی۔ ہفتے بھر بعد کا ذکر ہے کہ عذرا کو اوپر کی کھڑکی کھٹکھٹانے کی آواز آئی تو وہ بھاگی ہوئی اوپر گئی جھانکا تو دیکھا کہ ہاجرہ رضائی اوڑھے کھڑی ہے۔ اُس نے کہا:

"مجھے کئی دن سے بخار آرہا ہے۔ اس وقت چھپ کر آئی ہوں۔ تم میرے پاس آجاؤ میرا بڑا جی گھبرا رہا ہے۔"

عذرا۔ خدا کے لئے تم ہوا میں نہ کھڑی ہو اندر جا کر لیٹو میں ابھی آئی۔

اس نے ماں سے جا کر اجازت لی اور اپنی خوب صورت سی کپڑے کی بنی ہوئی گڑیا اور ایک بلی کا بچّہ لے کر اور سیدہ اور نصیبن کو ہمراہ لے کر ہاجرہ کے ہاں پہنچی۔

حبیب الٰہی قصبے کے اچھے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا مکان پُرانی وضع کا مگر بہت شاندار بنا ہوا اور قسم قسم کی قدیم طرز کی قیمتی اور خوبصورت اشیاء سے آراستہ تھا۔ عذرا حیرت سے اُن سب چیزوں کو دیکھتی ہوئی ہاجرہ کی ملازمہ کے ساتھ آگے بڑھی۔ دالانوں کمروں وغیرہ میں سے گزرتی ایک چوڑے زینے پر سے ہو کر جس پر اُودی قالین

بچھا ہوا تھا اور پہنچی۔ وہاں ایک طرف برابر برابر تین کمرے اور ان کے آگے ایک لمبا سا سیاہ پتلے پتلے ستونوں کا برآمدہ تھا۔ برآمدے میں گدے دار کرسیاں اور چمکدار میزیں رکھی ہوئی تھیں۔ بیچ کا کمرہ ہاجرہ کا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایرانی قالین کا فرش تھا۔ ایک طرف تین چار کرسیاں اور ایک بڑی سی میز رکھی تھی۔ دوسری طرف ایک خوبصورت مسہری بچھی تھی اس مسہری پر ایک ذراسی جگہ میں ریشمی لحاف اوڑھے ہاجرہ لیٹی تھی۔ عذرا ایک بغل میں بلی کا بچہ دبائے دوسری میں گڑیا چھپائے سیدہ کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوئی۔ ہاجرہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ عذرا کرسی کھسکا کر ہاجرہ کے پاس بیٹھ گئی۔ عذرا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "واہ بہن اتنے دن سے بخار تھا اور تم نے ہم سے کہلوایا بھی نہیں؟" پھر بلی کا بچہ ہاجرہ کو دے کر کہا "خبر نہیں تمھیں بلی کے بچوں کا شوق ہے یا نہیں مجھے تو بڑے پیارے لگتے ہیں میں اپنی بلی کا یہ بچہ تمھارے لئے لائی ہوں" ہاجرہ نے جلدی سے بلی کے بچے کو عذرا کے ہاتھ سے لے کر کلیجے سے لپٹا لیا اور ہنسنے لگی۔ عذرا نے گڑیا نکال کر دی "تمھارے پاس تو قیمتی قیمتی بازاری گڑیاں بہت سی ہوں گی مگر میری اماں اپنے ہاتھ سے بڑی پیاری گڑیاں بناتی ہیں۔ اُن کی بنائی ہوئی ایک گڑیا میں تمھارے لئے لائی ہوں" ہاجرہ خوشی میں اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑے شوق سے گڑیا کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔ اور پھر ایک دم گڑیا کا مُنہ چوم لیا۔ عذرا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اُسے ہنستا دیکھ کر ہاجرہ اور سیدہ بھی ہنسنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ہاجرہ نے نصیبن سے کہا آپا جان سے کہہ دینا کہ ہاجرہ بی کو بخار ہے اس لئے انھوں نے عذرا کو روک لیا ہے شام کو آجائیں گی۔ نصیبن سیدہ کو لے کر چلی گئیں؛

اور یہ دونوں باتیں کرتی رہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کے معصوم قہقہے کمرے میں گونجنے لگتے تھے۔ عذرا نے چاروں طرف دیکھ کر کہا "ہاجرہ تمھارا کمرہ بڑا اچھا ہے اور اس میں سامان بھی بہت خوبصورت ہے مگر سب پر مٹی جمی ہوئی ہے اور جالے لٹک رہے ہیں تم بُرا نہ مانو تو میں اسے صاف کردوں۔"

ہاجرہ۔ (منہ بنا کر) بہن یہ موئے سب نوکر چاکر ایسے ہیں کہ ان سے کچھ بھی کام نہیں ہوتا۔ تمھارا گھر بڑا صاف ستھرا رہتا ہے۔ تمھارے نوکر بہت کام کے اور سلیقے کے ہیں۔

عذرا۔ ہمارے ہاں تو صرف ایک نصیبن اور ایک بڑے میاں ہیں نصیبن کھانا پکاتی ہیں بڑے میاں سودا سلف لاتے ہیں۔ گھر کا اور سب کام تو ہماری اماں خود کرتی ہیں اور ہم سے کراتی ہیں۔ بھلا کہیں نوکر بھی اچھا کام کرسکتے ہیں۔ اچھا دیکھو میں تمھارا کمرہ صاف کئے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر عذرا اٹھی اور ایک جھاڑن لے کر کمرے کی ساری چیزیں صاف کیں مسہری کا بانس نکال کر اس پر میلا کپڑا لپیٹ کر جالے لئے، کھڑکیوں اور دروازوں کے کواڑ جھاڑن سے پونچھے۔ آتش دان کی تصویریں اور دوسری آرائشی چیزیں اچھی طرح صاف کرکے سجائیں۔ ہاجرہ کا بستر قرینے سے بچھایا، میز پوش وغیرہ جھاڑ کر میزوں پر ڈالے۔ گھنٹہ بھر کے اندر کمرہ چمکنے لگا۔ ہاجرہ حیرت سے اس کی پھرتی اور سلیقے کو دیکھ رہی تھی جب عذرا سب کام کر چکی تو ہاجرہ نے اپنی ملازمہ سے پانی صابن اور تولیہ منگایا۔ عذرا نے باہر جا کر منہ ہاتھ دھویا اور پھر آکر ہاجرہ سے باتیں کرنے لگی، اس نے بہت سی کتابیں قصّے کہانیوں کی پڑھی تھیں وہ چھوٹے چھوٹے مزے مزے کے قصّے اور لطیفے ہاجرہ کو سناتی رہی۔

دونوں لڑکیاں کسی لطیفے پر بے تحاشا ہنس رہی تھیں. ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے. آنکھوں میں آنسو آگئے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی: "اوہو آج تو ہاجرہ کا کمرہ زعفران زار بنا ہوا ہے" عذرا اُچھل پڑی اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دروازے میں ایک نوعمر لڑکا کھڑا تھا ـــــ پندرہ سولہ برس کی عمر، کھلتا ہوا رنگ، شربتی آنکھیں، جھکی ہوئی ستواں ناک، گول چہرہ اور بڑا سا اونچا ماتھا جس پہ سیاہ بال خوبصورتی سے برش کر کے اُلٹے ہوئے تھے اوپر کے ہونٹ پر سیاہی کی ایک ہلکی سی تحریر ــــ عذرا ذرا دیر کو بدحواس سی کھڑی رہ گئی۔ پھر گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دروازے میں لڑکا کھڑا تھا کھڑکیاں اونچی تھیں، باہر نکلنے کا راستہ نہیں تھا. وہ وحشی ہرنی کی طرح اِدھر اُدھر بھاگنے کا راستہ ڈھونڈنے لگی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اپنے گھونگھر والے بالوں کو دوپٹے سے چھپاتی جھپاک سے مسہری کے نیچے گھس گئی۔ لڑکا دلچسپی سے عذرا کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ مسہری کے نیچے گھسی تو بے اختیار ہنس پڑا۔ "ہاجرہ تمھاری سہیلی کو بڑی اچھی جگہ پسند آئی"۔ ہاجرہ نے گھوم کر اسے دیکھا" ہیں انصار بھائی؟ تم یہاں کیوں آئے" انصار بے تکلفی سے آکر جس کرسی پہ عذرا بیٹھی تھی اس پر بیٹھ گئے۔ "کیوں کیا تمھارے کمرے میں آنا منع ہے" ہاجرہ نے کہا "مگر یہاں پردا جو تھا تم کہہ کر کیوں نہیں آئے"

انصار (ہنس کر) مجھے کیا علمِ غیب تھا کہ یہاں پردہ ہے میں تو تمھاری طبیعت پوچھنے آیا تھا" پھر جھک کر چپکے سے ہاجرہ سے پوچھا "آخر یہ لڑکی ہے کون" ہاجرہ نے بتایا تو کہا "واہ واہ یہ تو ہماری بھانجی ہوئی پھر ہم سے پردہ کیسا؟ نکالو اپنی سہیلی کو مسہری کے نیچے سے ورنہ پھر میں ......" عذرا یہ سن کر

بہت گھبرائی اور آہستہ سے پائینتی کی طرف سے نکل کر دروازے کی طرف جھپٹی کہ چپکے سے نکل جائے انصار نے دیکھ لیا اور بناوٹی گھبراہٹ سے بولا" ارے ارے ہاجرہ تمھاری سہیلی کچھ چرا کر بھاگی جا رہی ہے پکڑو اُسے" کہاں کا پردہ کیسی شرم، عذرا غصے میں سب کچھ بھول گئی۔ قدم رُک گئے اور پلٹ کر تیز آواز سے بولی "چُپ رہو۔ تمھیں شرم نہیں آتی، کسی پر جھوٹا الزام لگاتے" ہاجرہ نے غصے سے بھائی کی طرف دیکھا۔ "انصار بھائی تمھیں ہو کیا گیا ہے" انصار نے منہ بنا کر جواب دیا "جو لڑکی پلنگ کے نیچے چھپ جائے اور پھر چپکے سے بھاگنا چاہے وہ ضرور چور ہوگی" مارے غصے کے عذرا کا منہ سُرخ ہو گیا "ہاجرہ اپنے بھائی کو چُپ کرو، ورنہ پھر ——————"

ہاجرہ۔ (چلا کر) "انصار بھائی تم پاگل تو نہیں ہو گئے" انصار نے مسکرا کر کہا "یہ لڑکی تو بڑی چالاک ہے" اب تو عذرا کو تاب نہ رہی اپنی نسبت چوری کا الزام اور ایسی بری باتیں بھلا وہ کیسے سن لیتی —— لپک کر دو تین تھپڑ ایک دو مُکے اس نے انصار کی پیٹھ پر رسید کئے "بدتمیز بے ہودہ نامعقول" ہاجرہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر عذرا کو دیکھا۔ انصار کو ایک لمحے کے لئے غصہ آیا مگر پھر چہرے پر دبی مسکراہٹ کھیلنے لگی عذرا نے مارنے کو تو مار دیا مگر فوراً اسے خیال آیا کہ میں نے یہ کیا حرکت کی۔ ابھی غصہ موجود تھا مگر آہستہ آہستہ شرمندگی اس کی جگہ لے رہی تھی وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلی۔ انصار نے لپک کر ہاتھ پکڑ لیا۔ "بھابھی صاحب اب کہاں جاتی ہو۔ اتنا مارنے کے بعد بھی غصہ نہیں اترا؟" عذرا نے گھور کر انصار کو دیکھا۔ "تم نے مجھے چور کیسے کہا؟" انصار مسکرائے

"وہ تو میں نے اس لئے کہا تھا کہ تم جانے سے رُک جاؤ۔۔۔۔اب بتاؤ کہاں گیا وہ پردا اور شرم؟" اب عذرا کو یاد آیا کہ وہ تو اس سے پردہ کرنے کے لئے مسہری کے نیچے چھپی تھی اور اس نے بجائے پردہ کرنے کے اس غیر آدمی کے تھپڑ اور مکّے مارے؟ شرم سے اس کا چہرہ رنگین ہو گیا ماتھے پر پسینہ آ گیا اور سر جھکا کر بولی "ہاجرہ معاف کرنا مجھ سے غصّے میں یہ حرکت ہو گئی" انصار نے کہا "واہ مار کھائیں ہم اور معافی مانگی جائے بی ہاجرہ سے!" ہاجرہ تنک کر بولی "بڑے آئے کہیں سے خواہ مخواہ میری عذرا کو خفا کر دیا۔ جائیے آپ میرے کمرے میں نہ آیا کیجئے۔ نہیں میں دادا ابا سے کہہ دوں گی" انصار نے رونا منہ بنا کر کہا "سبحان اللہ ایک تو مجھے اپنی سہیلی سے پٹوا دیا اور اوپر سے خود مجھ ہی پر ناراض ہو رہی ہو" عذرا نے چپکے سے انصار کی طرف دیکھا۔ اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر رحم آ گیا "ہاجرہ اپنے بھائی سے کہہ دو مجھے بہت شرمندگی ہے" انصار نے اسی لہجے میں جواب دیا "ہاجرہ اپنی سہیلی سے کہہ دو جب تک وہ خود مجھ سے معافی نہیں مانگیں گی میں معاف نہیں کروں گا" عذرا نے دبی نظروں سے انصار کی طرف دیکھ کر کہا "اچھا تو پھر معاف کر دیجئے" انصار نے بڑے ادب سے جواب دیا "جناب محترمہ میں بھی بصد ادب آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے کیوں آپ کی چوری پکڑ لی" انصار کے لہجے اور آنکھوں سے صاف شرارت ٹپک رہی تھی۔ اس طرح منہ بنا کر انوکھی معافی مانگنے پر عذرا اور ہاجرہ دونوں کو ہنسی آ گئی۔ پھر تو دیر تک تینوں ہنستے رہے۔ عذرا نے ہاجرہ سے کہا بھئی اب جانے دو بڑی دیر ہو گئی اماں خفا ہوں گی۔ مگر ہاجرہ اور انصار نے اصرار کر کے روک لیا۔

انصار نے کہا "میں خود تمھاری اماں سے کہہ دوں گا وہ میری بہن لگتی ہیں بالکل خفا نہیں ہوں گی۔ بھلا اتنی سی بھانجی کا بڈھے ماموں سے پردا ہوتا ہے کہیں؟"

عذرا رک گئی اور تینوں باتیں کرنے لگے۔ انصار نے کہا "ہاجرہ تمھارا کمرہ اتنا صاف ستھرا کیسے ہو گیا؟" ہاجرہ بولی "ابھی عذرا نے صاف کیا ہے" انصار مسکرائے "ارے یہ اتنی سی لڑکی اور اتنے بڑے کمرے کی صفائی کر ڈالی۔ اپنا گھر خوب صاف رکھا کریں گی۔ بھئی کسی دن ہمارا کمرہ بھی اسی طرح چمکا دو" عذرا نے مسکرا کر کہا "نہیں بھئی آپ کے کمرے میں کون جائے۔ چوری کا الزام لگا دیں گے" تینوں ہنس پڑے۔ تھوڑی دیر بعد عذرا انصار سے بے تکلف ہو گئی۔ عذرا نے اُسے پڑھنے لکھنے کا سارا حال سُنایا۔ اپنی ماں، چچا، بھائی بہنوں کا ذکر کیا۔ انصار نے اس کا مطالعہ کا شوق دیکھ کر کہا میں تمھیں نانا ابا کی لائبریری سے بہت سی اچھی اچھی کتابیں لا لا کر دیا کروں گا۔ ہاجرہ نے کہا "بھیا خانساماں سے جا کر کہہ دیجیے کہ چائے بنا کر بھیج دیجیے" عذرا نے کہا "نہیں نہیں میں اب جاؤں گی"۔ انصار چلے گئے۔ اتنے میں نصیبن آ گئیں اور عذرا ہاجرہ سے رخصت ہو کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ نیچے صحن میں اسے انصار ملے جو چائے کو کہہ کر واپس آ رہے تھے۔ عذرا کو واپس جاتا دیکھ کر کہا "ارے بھانجی صاحبہ بغیر چائے پیئے......."

عذرا جلدی سے قدم بڑھا کر نصیبن کے ساتھ چل دی اور انصار منہ کھولے اُسے دیکھتے رہ گئے۔

رات کو ڈرتے ڈرتے عذرا نے ماں سے اتنا کہا کہ ہاجرہ کے ہاں میرا سامنا اُن کے بھائی سے ہو گیا۔ نسیمہ سُن کر چُپ ہو گئیں۔

ایک دن ہاجرہ کے ساتھ انصار نسیمہ خاتون کے سلام کو آئے۔ نسیمہ نے دُعا دے کر پاس بٹھا لیا اور دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ انصار نے نہایت

ادب اور تمیز سے ان سے باتیں کیں شوخی شرارت کا پتہ بھی نہ تھا، نیچی نظریں، معقول گفتگو اور شگفتہ چہرہ۔ نسیمہ کو یہ لڑکا بہت پسند آیا۔ جاتے جاتے انصار نے کہا۔ "آپا جان کیا میری بھانجیاں مجھ سے پردہ کریں گی کہیں ماموں بھانجی کا بھی پردہ ہوتا ہے" نسیمہ نے مسکرا کر کہا "نہیں میاں تم سے کیا پردہ ہاں سامنے آتے شرماتی ہیں۔" پھر آواز دے کر عذرا اور فرخ کو بلایا کہ آؤ۔ یہ تمھارے ایک ماموں ملنے آئے ہیں۔ فرخ اور عذرا نیچی نظریں کئے باہر آئیں اور انصار کو سلام کیا۔ انصار نے بہت بزرگانہ لہجے میں جواب دیا "جیتی رہو، عمر دراز" عذرا کو بے اختیار ہنسی آگئی جسے اُس نے ماں کے ڈر سے دبالیا۔

حبیب الٰہی صاحب سے انصار اور ہاجرہ نے نسیمہ خاتون کا ذکر کیا وہ اگرچہ دس بارہ سال سے ان سے نہیں مل سکے تھے مگر آخر نواسی تھی اور بہت چہیتی بھانجی کی بیٹی۔ خون نے جوش مارا اور ایک دن نسیمہ خاتون سے ملنے ان کے گھر آئے۔ نسیمہ بہت ادب سے ان سے ملیں۔ لڑکیوں کو بُلا کر سامنے کیا۔ حبیب الٰہی بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ لڑکیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا ان سے ان کے پڑھنے لکھنے کے متعلق پوچھتے رہے۔ جاتے وقت نسیمہ سے کہا "بیٹی تو مجھے اپنی ماں کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ خدا بخشے وہ بھی کیا نیک لڑکی تھی (بھرائی آواز میں) کیا دُنیا کا انقلاب ہے۔ ہمارے بچے ہمارے سامنے چل بسے اور ہم بیٹھے دیکھتے رہے۔" نسیمہ خاتون کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ حبیب الٰہی صاحب نے کہا "بیٹی انصار اور ہاجرہ بے ماں باپ کے بچے ہیں۔ میرے سوا اُن کا کوئی نہیں۔ ان کے لئے کسی عورت کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے خصوصاً ہاجرہ کے لئے۔ تم ان دونوں کو اپنے بچے ہی سمجھو اور

اجازت دو کہ یہ زیادہ تر تمھارے ہاں رہا کریں تاکہ تم سے اور تمھارے بچّوں سے اچھی عادتیں سیکھیں" نسیمہ نے کہا "نانا ابا آپ کا کہنا سر آنکھوں پر۔ انصار اور ہاجرہ کو میں ریاض اور فرخ سے بڑھ کر سمجھوں گی آخر کوئی غیر تو نہیں میرے اپنے بہن بھائی ہیں" بڑے میاں نے جاتے جاتے کہا "ہاں بیٹی وہ بیچ کی کھڑکی کا قفل میں بھی کھلوائے دیتا ہوں تم بھی ادھر سے کھلوا دینا۔"

اس کے بعد سے ہاجرہ دن بھر نسیمہ کے ہاں رہتی اور فرخ عذرا کے ساتھ پڑھتی لکھتی اور کھیلتی رہتی اکثر انصار بھی آتے رہتے اور بہنوں کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے۔ نسیمہ خاتون نے ان کو ساتھ لکھنے پڑھنے کھیلنے کو دینے کی اجازت دے رکھی تھی۔ صرف اس بات کا خیال رکھتیں کہ بچے ان کی نظروں کے سامنے رہیں جمیلہ خاتون آج کل کسی تقریب کے سلسلے میں اپنی سسرال گئی ہوئی تھیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ لڑکیوں کو انصار کے سامنے آنے پر ہزاروں باتیں نہ سناتیں۔ "ہے ہے غضب خدا کا جوان کنواری لڑکیاں جوان لڑکوں کے سامنے آئیں، نہ بوا میں یہ گوارا نہیں کر سکتی؟" لیکن نسیمہ اس بات میں کوئی برائی نہیں سمجھتی تھیں وہ جانتی تھیں کہ بچّے اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل کر خوش ہوتے ہیں پھر انھیں اپنی تربیت اور اپنی لڑکیوں کی طبیعت پر پورا بھروسہ تھا۔ انصار کو وہ شریف اور سیدھا لڑکا سمجھتی تھیں اس لئے انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ بہن آکر کیا کہیں گی۔ انھیں حبیب الٰہی کی بات کا بہت خیال تھا کہ انھوں نے مجھ سے ان بے ماں باپ کے بچّوں کی ماں بننے کو کہا ہے تو مجھے ان کی ماں ہی بن کر دکھانا چاہیئے انصار اور ہاجرہ بھی چند دن میں ان لوگوں سے اس طرح گھل مل گئے جیسے واقعی حقیقی بہن بھائی ہوں۔ نسیمہ خاتون سے بھی دونوں بے حد محبّت کرتے تھے۔

نسیمہ خاتون اکثر خود بھی بچوں کے ساتھ کھیل میں شریک ہو جاتیں کبھی راتوں کو اُن کو کہانیاں سناتیں کبھی اپنے بچپن کے حالات، اپنی ماں نانی باپ دادا وغیرہ کے حالات سُناتیں اور بیچ بیچ میں موقع محل سے اچھی اچھی نصیحتیں بھی کرتی رہتی تھیں۔

فرخ یوں تو ہاجرہ اور انصار سے بہت محبت کرتی تھی لیکن اُسے ہمیشہ اپنے بڑاپے کا لحاظ رہتا تھا اور اس لئے ذرا لئے دیئے کو الگ تھلگ رہتی اُس کی رضیہ سے زیادہ دوستی تھی اور اکثر ماں سے اجازت لے کر نفیسہ بن کے ساتھ وہاں چلی جاتی تھی مگر عذرا اور ہاجرہ میں بہت دوستی ہو گئی تھی وہ دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتیں۔ عذرا اور انصار بھی گھل مل گئے تھے۔ دونوں کی طبیعت اور مذاق بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتا تھا۔ دونوں میں شوخی، ذہانت اور تیزی تھی اس لئے کبھی کبھار لڑائی بھی ہو جاتی۔ عذرا کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور پڑھنے کے لئے کتابیں ملتی نہیں تھیں۔ کبھی ریاض کوئی کتاب دیتے یا اپنی ماں کی پرانی قسم کی کتابیں بار بار پڑھتی رہتی۔ انصار حبیب الٰہی صاحب کے کتب خانے سے عذرا کے قابل کتابیں تلاش کر کے اسے لا کر پڑھنے کو دیتے جس سے عذرا بے حد خوش ہوتی تھی۔ ایک کتاب ختم ہو جاتی تو فوراً دوسری کا تقاضا شروع کر دیتی۔ فرخ اگر کوئی قصے کی کتاب ہوتی تب تو پڑھ لیتی ورنہ انکار کر دیتی کہ میرا ان میں جی نہیں لگتا۔

ایک دن انصار آئے تو انھوں نے دیکھا کہ عذرا کاپی پر کچھ لکھ رہی ہے اُس نے انصار کو دیکھ کر کاپی گھٹنے کے نیچے چھپالی۔ انصار نے پوچھا کیا لکھا جا رہا ہے۔ عذرا چپ رہی فرخ نے جواب دیا "ہو گا کیا۔ کوئی مضمون وضمون ہو گا۔ آج کل یہی خبط ہے"۔ اب تو انصار کا اشتیاق بڑھا اور اس نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی دکھاؤ مگر عذرا نے نہ مانا۔ انصار نے اس سے کاپی چھین لی اور ہاتھ

اونچا کر کے زور زور سے پڑھنے لگے۔ پہلے تو عذرا نے کاپی چھیننے کی کوشش کی اور جب اس میں کامیاب نہ ہوئی تو روٹھی ہوگئی انصار نے یہ دیکھ کر کاپی اسے واپس دے دی اور منھ چڑھا کر کہا "ایسی تو بڑی مصنف کی دم ہیں کہ اپنی تصانیف کسی کو دکھا ہی نہیں سکتیں" عذرا نے یہ سُن کر کاپی لے کر جھر جھر پھاڑ دی اور خوب انصار سے لڑی اس طرح دونوں میں اکثر لڑائی ہو جاتی مگر پھر سلوک بھی جلدی ہو جاتا تھا مزاج کے دونوں تیز تھے۔ مگر بات ایک کے بھی دل میں نہیں رہتی تھی۔ ابھی لڑے ابھی من گئے۔

انصار کو بچپن سے مضمون نگاری کا شوق تھا۔ اکثر چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور مضمون لکھ کر اپنے استاد سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر اُسے عذرا کے اس شوق سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور اب کے جو دونوں میں صلح ہوئی تو عذرا نے اسے اپنے کئی مضمون دکھائے جس پر انصار نے اسے شورہ دیا کہ تم ضرور مضمون لکھا کرو۔ چند دن بعد عذرا نے ایک چھوٹا سا مضمون برسات پر لکھا انصار نے بڑی شان سے اس پر اصلاح دی اور مربیانہ انداز میں تعریف بھی کی۔ — اور عذرا سچ مچ اسے بہت بڑا مضمون نگار سمجھنے لگی۔ جب کوئی مضمون لکھتی ضرور انصار سے اصلاح لے لیتی۔ ایک دن اس نے انصار کو ایک کہانی لکھ کر دکھائی۔ انصار کو کہانی پسند آئی اور اپنے استاد کو لے جا کر دکھائی۔ انھوں نے اس پر اصلاح دی اور کہا کہ اس لڑکی میں مضمون لکھنے کی خاصی صلاحیت معلوم پڑتی ہے اس سے کہو کہ مشق جاری رکھے اور اصلاح کے لئے مجھے بھیج دیا کرے۔ اگر کوشش کرتی رہی تو کسی دن اچھی لکھنے والی بن جائے گی۔ جب انصار نے یہ باتیں عذرا کو بتائیں تو مارے خوشی کے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اب یہ حالت کہ جب دیکھو بی عذرا بھی کچھ لکھ رہی ہیں۔ آخر نسیمہ خاتون کو تنبیہ کرنی پڑی کہ یہ حماقت ہے کہ دنیا کا سب کاج چھوڑ دیا اور ایک نگوڑا لکھنا رہ گیا

خبردار دن میں گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہ لکھنا ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔

عذرا بیچاری کو ہاں کا حکم تو ماننا ہی پڑا مگر لکھنے کا شوق کم نہیں ہوا اور اُس نے مشق جاری رکھی۔ ساتھ ہی مطالعہ بھی کرتی رہتی تھی حبیب الٰہی صاحب کا کتب خانہ سلامت تھا اور عذرا کو کتابوں کی کمی نہ تھی اس طرح اس کے معلومات اور اُردو کی قابلیت میں معقول اضافہ ہوا۔ "تہذیب" کے مضمون پڑھ پڑھ کر اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی اپنا کوئی مضمون چھپنے کو بھیجے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔ لکھتی اور اپنے صندوقچے میں چھپا چھپا کر رکھتی جاتی۔ جب انصار پوچھتے "کہو بھابی صاحبہ کوئی تازہ تصنیف؟" تو جس مضمون یا کہانی کو وہ سب سے اچھا سمجھتی اسے انصار کو دکھا دیتی۔

عذرا کو سخت انتظار تھا کہ کب بھائی جان علی گڑھ سے آئیں اور کب ان کو اپنے مضمون دکھاؤں۔ اکثر جی چاہتا کہ خط میں رکھ کر بھیج دوں مگر پھر ہچکچاہٹ اور شرم کی وجہ سے نہ بھیج سکتی۔

ایک دن اس نے ایک مضمون لکھا "میری اماں" انصار کو بہت پسند آیا اور جاکر "ہمہ خاتون" کو سُنا دیا۔ وہ سُن کر بہت خوش ہوئیں۔ مگر عذرا کو بڑی شرم آئی اور جاکر کوٹھے پر چھپ گئی اور شام کو جب انصار آئے تو اُس دن پھر دونوں کی خوب لڑائی ہوئی۔

چھٹا باب

دروازے سے آواز آئی "میں آتا ہوں" اور احسان گھبرائے ہوئے داخل ہوئے۔ لڑکیاں کھڑی ہوگئیں۔ اُنھوں نے پوچھا "بھابی کہاں ہیں" نسیمہ آواز سُن کر جلدی سے کوٹھری سے نکل آئیں "ہیں بھائی تم کب آئے خیریت تو ہے؟" احسان نے کہا "آپ کی دیورانی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میرے پاس رات آدمی پہنچا۔ میں ابھی ابھی پہنچا ہوں ان کی حالت خراب دیکھی تو ایک آدمی ڈاکٹر کے پاس بھیج کر آپ کے پاس دوڑا آیا۔ میں ڈولی لینے جاتا ہوں فوراً چلیئے" نسیمہ بہت گھبرائیں جمیلہ خاتون کو بُلا کر کہا "بہو کی طبیعت خراب ہے میں جارہی ہوں۔ خدا جانے کب آنا ہو۔ گھر اور بچیاں تمھارے سپرد ہیں" جمیلہ خاتون بھی گھبرا گئیں بولیں اس وقت تو میں بھی چلتی ہوں شام کو آجاؤں گی

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر گئیں۔ نسیمہ نے نصیبن کو کچھ ہدایتیں دیں، لڑکیوں کو جو بہت پریشان تھیں دلاسا دیا، اور جلدی سے تیار ہو گئیں۔ احسان ڈولی لے آئے اور دونوں بہنیں اُن کے ساتھ چلی گئیں۔

رات گئے جمیلہ خاتون آئیں۔ عذرا اور فرخ بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ ان سے جمیلہ نے اتنا کہا تمہاری چچی کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ نسیمہ ابھی وہیں رہیں گی اور نصیبن سے کہا "مجھے تو آثار اچھے نہیں لگتے۔ دوپہر مرا ہوا ستوانسہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ جب خدا خیر کے ساتھ اچھا کر دے تب بات ہے۔" فرخ عذرا نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

ایک مہینے کے قریب ہو گیا۔ محمد احسان کی بیوی کی طبیعت نہ سنبھلنی تھی نہ سنبھلی۔ بیماری اور کمزوری روز بروز زیادہ بڑھتی گئی۔ احسان نے چھٹی لے لی تھی۔ اُن کا سارا دن اور رات ڈاکٹروں کے پاس دوڑنے، دوائیں لانے اور بیوی کی تیمارداری میں گذرتا تھا۔ دونوں وقت کا کھانا بھی زبردستی نسیمہ کھلاتی تھیں۔ نسیمہ کے ذمہ گھر کا سارا کام مہمانوں کی خاطر تواضع، کھانے پینے کا انتظام، صغرا اور اصغر کی دیکھ بھال بھی تھی اور دیورانی کی تیمارداری بھی کرتی تھیں۔ اُن کے لیئے پرہیزی غذا پکانا، سر گوندھنا، پیشاب پاخانہ کرانا، بستر بدلنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ احسان ڈاکٹروں کے ہاں جاتے وقت روز پندرہ منٹ کو بھتیجیوں کے پاس بھی ہو آتے۔ لیکن اُن کی پریشانی اور افسردگی کو دیکھ کر لڑکیاں اور بھی اُداس ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ لڑکیوں کے اصرار پر

نسیمہ انھیں لے گئیں مگر شام کو واپس بھیج دیا۔

عذرا اور فرخ اوّل تو چچی کی بیماری سے بہت پریشان تھیں کیونکہ چچی انھیں بہت چاہتی تھیں اور ان کو بھی چچی سے بہت محبت تھی۔ دوسرے پہلی مرتبہ ماں سے الگ ہوئی تھیں اس پر طرہ خالہ کی دیکھ بھال اور نگرانی اور ہر وقت کی نصیحت فضیحت۔ دونوں کا ناک میں دم تھا۔ ذرا دیر بیٹھ کر گڑیوں سے جی بہلاتیں تو فوراً اعتراض ہوتا کہ اتنی بڑی بڑی لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں۔ اس عمر میں تو پہلے لڑکیوں کا بیاہ ہو جاتا تھا۔ بال بچے والی ہو جاتی تھیں۔ کتاب پڑھتیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا، کہ یہ قصّہ کہانی کی فضول کتابیں پڑھتی ہو؟ ۔ قرآن حدیث کیوں نہیں پڑھتیں مجھے ان کتابوں سے نفرت ہے اپنی امّاں کے سامنے پڑھنا عنایت اللہ صاحب پڑھانے آتے تو ان کے جانے کے بعد روز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لڑکیوں کو لکچر سُننا پڑتا۔ اکثر خود منشی جی سے اُلجھ جاتیں کہ آپ عربی اور مسلے مسائل کی جگہ یہ فضول حساب اور انگریزی کیوں پڑھاتے ہیں۔ کھانا اپنی مرضی کا پکواتیں اور جتنی چیزیں ان لوگوں کو ناپسند تھیں وہ ان کے خیال میں مُفید تھیں لہٰذا زبردستی کھلائی جاتی تھیں۔ جہاں لڑکیاں نظر سے اوجھل ہوئیں اور اُن پر ڈانٹ پڑی کہ آخر میرے پاس آکر کیوں نہیں بیٹھا جاتا۔ میں نصیحت جو کرتی ہوں ـــــ نہ جانے آج کل کی لڑکیوں کو نصیحت سے کیا بیر ہے۔ ایک ہم تھے کہ سارے دن بزرگوں کی نصیحت سُنتے اور پلّے میں باندھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کے بچپن کے اور اپنی تعریفوں کے لامتناہی قصّے شروع ہو جاتے۔ کبھی نماز میں ذرا دیر ہو جاتی یا تلاوتِ قرآن ناغہ ہو جاتی، کسی وقت کوٹھے پہ چلی جاتیں یا نصیبن سے باتیں کرنے

لگتیں غرض ہر بات پر روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ ہوتی تھی۔ عذرا اور فرخ اس کی عادی نہیں تھیں۔ ہاں کبھی کبھار ٹوک یا ڈانٹ دیتی تھیں ورنہ بات کو نرمی سے سمجھا دیا کرتی تھیں۔ لیکن اِن کا اصول یہ تھا کہ لڑکی پر ہر وقت سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنی اور گھور میں رکھنا چاہیئے فرخ خاموشی سے اور عذرا ناگواری سے یہ سب سہہ رہی تھی۔ عذرا نے ماں سے کہا بھی کہ ہم سے آپ کے بغیر نہیں رہا جاتا ہمیں بھی وہیں بُلا لیجئے مگر نسیمہ نے اُسے سمجھایا کہ بیٹی بیماری کے گھر میں جتنے زیادہ آدمی ہوں گے اتنی ہی مشکل ہو گی۔ پہلے ہی بہت سے لوگ بھرے ہیں۔ بچاری دل پر جبر کر کے چُپ ہو رہی۔

ایک دن عذرا بیٹھی اپنی کاپی پر کچھ لکھ رہی تھی۔ خالہ جو آئیں تو جلدی سے کاپی کو چھپا لیا۔ انھیں نہ جانے کیا بدگمانی ہوئی بھانجی سے کہا "مجھے دکھا کیا لکھ رہی ہے" عذرا نے کہا "منشی جی کا بتایا ہوا کام کر رہی ہوں"۔ جمیلہ نے شک کے لہجے میں کہا "اچھا مجھے دکھا کیا ہے" عذرا "آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں" اس پر جمیلہ خاتون کا غصّہ اور اِصرار بڑھا۔ اُدھر عذرا کو ضد ہو گئی کہ کاپی خالہ کو نہیں دکھاؤں گی۔ جمیلہ خاتون کی بدگمانی اور بڑھی اور انھوں نے عذرا کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ فرخ کو بُرا لگا مگر ضبط کر کے بولی "خالہ جان آپ ناحق ناراض ہو رہی ہیں اُسے مضمون لکھنے کا شوق ہے وہی لکھ رہی ہے ـــــ" جمیلہ خاتون غصّے سے سُرخ ہو رہی تھیں "پھر مجھے دکھاتی کیوں نہیں۔ خدا جانے کیا لکھا جا رہا ہے اور کسے لکھا جا رہا ہے جو مجھ سے چھپاتی ہے۔ جب تک تمھاری ماں آئیں ذمّہ داری مجھ پر ہے اور میرے سامنے یہ حرکتیں نہیں ہو سکتیں۔ کھود کر گاڑ دوں گی"۔

عذرا کا مارے غصے کے بُرا حال تھا اُدھر خالہ کا ادب ماں کا ڈر، اُدھر اُن کی ایسی نازیبا باتیں آخر نہ ضبط ہو سکا تڑق کر بولی "ذرا سوچ کر بات کیا کیجئے۔ میں ایسی بُری بُری باتیں نہیں سنوں گی"۔ اب تو جمیلہ خاتون آئیں تو جامیں کہا "لو ذرا سی فتنی ہم سے زبان چلاتی ہے — زبان کھینچ ڈالوں گی، تو نے سمجھا کیا ہے۔ یہ نسیمہ نہ شد کہ چُپ ہو رہیں" اُدھر فرخ ادھر ذکیہ بچاری پریشان کہ کیا کریں۔ فرخ نے بہن کو ڈانٹا "عذرا کاپی دکھا کیوں نہیں دیتی۔ جب تک نہیں دکھائے گی وہ کیا مانیں گی"۔ عذرا نے جل کر کاپی خالہ کے سامنے پھینک دی اور خود سہ دری میں گھس کر رونے لگی — جمیلہ نے کاپی اٹھا کر دیکھی۔ اوپر مضمون کا عنوان لکھا تھا "اماں کے بغیر" اور نیچے چند سطریں — خلاف توقع یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئیں تو اور نہ یادہ جھنجھلائیں اور کئی دن بھانجیوں سے ناراض رہیں۔

ہاجرہ کچھ دن سے اپنی ایک رشتے کی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی اور انصار امتحان کی تیاری میں مصروف تھے اس لئے بہت دن سے یہ دونوں نہیں آئے تھے۔ ایک دن جب منشی جی پڑھا رہے تھے تو ہاجرہ اوپر سے آئی اور جمیلہ کو سلام کر کے عذرا اور فرخ کے پاس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد باہر سے انصار نے آواز دی "نصیبن میں آجاؤں" نصیبن نے بلا تکلف کہا "آجاؤ بیٹا"۔ اسے دیکھ کر ذکیہ تو اندر بھاگ گئی اور جمیلہ نے دوپٹے کی آڑ کر کے کہا "اوئی یہ کون مردوا گھسا آتا ہے" نصیبن بولی "بیوی توبہ کرو مردوا کون حبیب میاں کا نواسہ ہے — اے بچہ ہے تمہارا" جمیلہ نے آڑ سے دیکھا کہ واقعی پندرہ سولہ برس کا لڑکا ہے۔ پلو ہٹا کر اس کا سلام لیا اور باتیں کرنے لگیں۔ فرخ کسی کام سے باہر آئی تو انصار کو بیٹھا دیکھ کر ہاتھ سے سلام کیا اور

کلام کرکے اندر چلی گئی ــــ جمیلہ نے غصّے اور تعجّب کی نظروں سے بھانجی کی طرف دیکھا۔ اتنے میں عذرا باہر آئی "انصار ماموں آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ آداب عرض ہے۔ کہیئے امتحان کی خوب تیاری ہو رہی ہے"

انصار۔ (مسکرا کر) "کہو بھانجی صاحبہ کیا حال چال ہیں۔ آپا کب آئیں گی؟ ممانی کیسی ہیں؟"

عذرا۔ معلوم نہیں اماں کب آئیں گی چچی اماں کی طبیعت برابر خراب ہے اللہ انھیں اچھا کردے۔

انصار۔ میں وہاں جاؤں تو کوئی کچھ کہے گا تو نہیں؟

عذرا۔ مجھے کیا خبر۔ مگر کسی کا جی پوچھنا کوئی بُری بات ہے جو کوئی کچھ کہے گا۔

اب عذرا کی نظر خالہ پر پڑی جو قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے یہ کہہ کر کہ آپ جائیں تو اماں سے ہمارا آداب اور خیریت کہہ دیجئیے گا، اندر چلی گئی۔

انصار نے جمیلہ کے تیور دیکھے تو سمجھ گیا کہ یہ نسیمہ کی سی طبیعت کی نہیں سلام کرکے چلا گیا۔ جمیلہ خاتون نے فرخ کو بُلا کر کہا "تم اس لڑکے کے سامنے کیوں آئیں" فرخ نے سادگی سے جواب دیا "اماں نے سامنے کردیا تھا کہ یہ تمھارے ماموں ہیں" جمیلہ نے بہن کو خوب بُرا بھلا کہا کہ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ جوان لڑکے لڑکیوں کو ایک دوسرے کے سامنے کرتی ہے۔ فرخ سے کہا اب یہ لڑکا آئے تو خبردار جو تم لوگ سامنے آئیں۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔

جمیلہ خاتون کا لڑکا جمیل، ریاض کا ہم عمر تھا لیکن بدشوق ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں پھسڈّی تھا۔ دو سال سے برابر نویں جماعت میں فیل ہو رہا تھا۔

لااُبالی طبیعت پائی تھی۔ ماں کے پاس آیا تو یہیں کا ہو رہا۔ باپ کے پاس گیا تو ماں کی پروا نہ رہی۔ کھیل تماشوں کا شوقین۔ اچھی شکل، ورزشی جسم، ٹینس کرکٹ کا بہترین کھلاڑی، خوش مزاج، باتونی اور خوش پوش۔ باپ پر ظاہر کرتا کہ مجھے ماں سے کوئی تعلق نہیں تمھیں سے محبت ہے۔ ماں سے ایسی باتیں بناتا کہ وہ سمجھتیں کہ بیٹا مجھے حد سے زیادہ چاہتا ہے اور باپ کی پروا نہیں کرتا۔ اُن کے سامنے اپنی نیک مزاجی اور مذہب پرستی کا ایسا ڈھونگ رچاتا کہ وہ اُسے دُنیا کا سب سے زیادہ نیک اور شریف لڑکا سمجھتی تھیں۔ اس نے ماں کو یقین دلا رکھا تھا کہ مجھ سے زیادہ ذہین اور شوقین لڑکا اسکول بھر میں نہیں مگر چونکہ ماسٹر میری ذہانت سے جلتے ہیں اس لئے مجھے فیل کر دیتے ہیں۔ اُسے ماں سے لگاؤ تھا مگر جمیلہ خاتون کی نکتہ چیں طبیعت اور جھکّی مزاج سے گھبراتا تھا، اس لئے گھر میں بہت کم رہتا۔

فرخ اور عذرا جمیل کے سامنے آتی تھیں مگر بے تکلف نہیں تھیں۔ بات یہ تھی کہ نسیمہ خاتون کو اس کی چلبلی طبیعت اور پھکڑپن کی عادت پسند نہیں تھی۔ اس سے تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں اپنی لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا کہ اس سے الگ رہا کرو۔

نسیمہ کے پیچھے دو چار مرتبہ جمیل آیا تو فرخ عذرا اِدھر اُدھر ہو گئیں انصار کے آنے کے تیسرے دن پھر جمیل آیا لڑکیاں صحن میں بیٹھی تھیں یہ بھی وہیں بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ فرخ سے وہ بہت خصوصیت برتتا تھا۔ فرخ اور عذرا کچھ دیر بیٹھی رہیں پھر کھسک گئیں۔ جمیل نے ماں سے شکایت کی "یہ فرخ اور عذرا مجھ سے اس قدر کتراتی کیوں ہیں کیا میں ہَوّا ہوں۔ آخر ان کا بھائی نہیں ہوں۔ اگر خالہ جان مجھے بُرا سمجھتی ہیں

تو میں اُن کے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔"

جمیلہ خاتون کو بھی بُرا لگا اور عندرا اور فرخ سے کہا "وہ بھائی آئے تو اُس سے بیٹھ کر ڈھنگ سے بات نہیں کرتیں اور اس غیر مردوئے سے خوب چٹاخ پٹاخ باتیں بنائیں ـــــ مجھے یہ رنگ ڈھنگ پسند نہیں۔"

یہ بات ان دونوں بہنوں کو بہت ہی ناگوار گزری۔ فرخ نے چپکے سے بڑے میاں کے ہاتھ ماں کے نام پرچہ بھیجا "اماں اب ہم سے خالہ جان کی باتیں نہیں سہی جاتیں۔ خدا کے لئے ہمیں اپنے پاس بُلا لیجئے۔"

نسیمہ بڑی پریشان ہوئیں۔ سوچ بچار کے بعد انھوں نے بھی مناسب سمجھا کہ لڑکیوں کو اپنے پاس بُلا لیں۔

شام کو انھوں نے محمد احسان کو بھیجا وہ جا کر دونوں بھتیجیوں کو لے آئے۔

عندرا اور فرخ کے یہاں آنے کے چوتھے دن محمد احسان کی بیوی بھرپور جوانی میں بھرا پُرا گھر، معصوم بچے، غم زدہ شوہر اور سوگوار عزیزوں کو بے قرار چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوئیں۔

ساتواں باب

چالیسویں کے بعد محمد احسان نوکری پر چلے گئے اور صغرا اور اصغر کو نسیمہ خاتون اپنے ساتھ لے آئیں۔ اصغر تو جلدی بہل گیا مگر صغرا کے دل پر ماں کی موت کا غم گہرا تھا جس کے مُندمل ہونے کے لئے وقت کے مرہم کی ضرورت تھی۔ نسیمہ نے بہت کوشش کی کہ صغرا بہل جائے۔ عذرا اور فرخ ہر وقت اس کی خوشی کا خیال رکھتیں مگر وہ سارے دن گُم سُم بیٹھی یا مُنہ لپیٹے پڑی رہتی تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح اس کا دل بہلائے۔

ریاض ایف، اے کا امتحان دے کر گھر آئے تو دیکھا کہ گھر پر اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ لڑکیاں بوڑھی عورتوں کی طرح خاموش اور رنجیدہ رہتی ہیں عذرا تک اپنی شوخی شرارت بھول گئی ہے۔ صغرا کی اُداسی اور صدمہ کا اثر

ان دونوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ تینوں کی صحت خراب ہوتی جاتی ہے جب دیکھو کوئی نہ کوئی لڑکی مُنھ لپیٹے پڑی ہے۔ کبھی دردِ سر، کبھی اختلاج کبھی نزلہ اور کبھی حرارت۔ منشی جی کہیں باہر گئے ہوئے ہیں اور تعلیم کا سلسلہ بھی بند ہے گھر بھر میں اگر زندگی کے آثار اور چہل پہل نظر آتی ہے تو صرف اصغر اور سیّدہ کے دَم سے۔ جو سارے دن اکٹھے کھیلتے کودتے ہنستے بولتے رہتے ہیں انھیں کی باتوں پر کبھی کبھار صغرا بھی مُسکرا پڑتی ہے۔

ریاض کے آنے سے گھر میں جان سی پڑ گئی کچھ تو ان کی طبیعت ہی ہنسوڑ اور پُر مذاق تھی۔ کچھ خاص طور پر بہنوں کے خیال سے ہنسی دل لگی کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے ماں کے مشورے سے تینوں لڑکیوں کے سپرد ایک ایک ذمہ داری کا کام کر دیا۔ صغرا کے ذمہ اصغر کی دیکھ بھال کی تاکہ وہ بھائی کے کام میں ماں کا صدمہ کم محسوس کرے۔ عذرا کو سیّدہ کا اتالیق بنایا کہ اس کا سارا کام اور پڑھانا لکھانا تمھارے سپرد ہے۔ اور فرخ سے کہا کہ اب تم بڑی ہو گئیں گھر کا انتظام اور کام اپنے ذمہ لو۔ اماں صرف دیکھ بھال کریں گی۔ اس طرح کام میں لگ کر لڑکیوں کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑا اور مزاج پر بھی۔ وہ سارے دن اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتیں اور شام کو بھائی سے پڑھتیں۔

ایک دن ڈرتے، شرماتے جھجکتے ہوئے عذرا نے چپکے سے ریاض کو اپنے چند مضمون اور کہانیاں دکھائیں وہ بہت خوش ہوئے عذرا کو شاباشی دی اور مضمون میں اصلاح دینے کا وعدہ کیا جس سے اس کی ہمت بڑھ گئی۔

انصار امتحان دے کر آئے تو بہت جلد ان میں اور ریاض میں دوستی ہو گئی۔ اب ان دونوں نے مل کر نئے نئے کھیل اور دل چسپی کی باتیں سوچیں۔

کبھی سب مل کر رات کو آنکھ مچولی کھیلتے کبھی جھولا ڈال کر پکوان تلا جاتا۔ کبھی نسیمہ خاتون کو راضی کر کے چاندنی رات میں حبیب الٰہی کی بند گاڑی میں بیٹھ کر ندی کے کنارے سیر کو جاتے۔ کبھی سب کو بٹھا کر ریاض یا انصار کسی انگریزی کی کسی اچھی کہانی کا ترجمہ سناتے۔ ہاجرہ ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رہتی لیکن ذکیہ کو جمیلہ خاتون نے بہن کے ہاں جانے کی ممانعت کر دی تھی کیونکہ وہ نسیمہ کی "آزاد خیالی" سے بہت ناراض تھیں۔ ذکیہ کا دل ان کھیلوں میں شرکت کے لئے تڑپتا مگر جی مسوس کر رہ جاتی۔ نسیمہ خاتون کے بہت سمجھانے بجھانے پر اتنا ہوا کہ جب انصار اور ریاض باہر ہوتے تو کبھی کبھی ذکیہ کو جمیلہ خاتون بھیج دیتیں۔ یا یہ تینوں اکثر اس کے پاس چلی جاتیں اور اس کی محبت میں جمیلہ خاتون کی باتیں خاموشی سے سن لیا کرتیں۔

ایک دن صغرا اور فرخ ہنستی ہوئی ریاض کے پاس آئیں "بھائی جان پرسوں آپ کی دعوت ہے"

ریاض۔ دعوت؟ کس کے ہاں۔

فرخ۔ صغرا کے ہاں۔ ان کی گڑیا کی شادی ہاجرہ کے گڈے سے ہو رہی ہے۔

ریاض۔ اوہو بھانجی کا بیاہ ہے۔ بھئی ہمیں تو خبر بھی نہ تھی۔ ہم نے کوئی تحفہ وغیرہ بھی نہیں منگایا۔ شادی میں کیسے شریک ہوں گے۔

صغرا۔ (شرما کر) بھائی جان آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ دیکھیے پرسوں کہیں چلے نہ جائیے گا۔ ضرور آئیے گا۔

ریاض۔ ہاں ہاں ضرور بھلا یہ بھولنے کی بات ہے۔

تیسرے دن صغرا اور ہاجرہ کے گڈے گڑیا کی دھوم سے شادی رچی تمام رسم رسوم ادا کئے گئے۔ ہاجرہ کے ہاں سے بھاری بری آئی، صغرا نے

گڑیا کو بہت سلیقے کا جہیز دیا۔ نجمہ، شمیم، رضیہ، یاسمین ذکیہ سب بُلائی گئیں۔ اور دو دن خوب چہل پہل رہی۔ اس شادی کے دوران ہی میں چپکے سے فرخ کی گڑیا کی نسبت رضیہ کے گڈے سے ہو گئی اور پندرہ دن بعد نکاح ہونا طے پایا فرخ نے جہیز کی تیاری شروع کی بمقررہ تاریخ پہ رضیہ کے ہاں سے بارات آئی دولہا اور سمدھنیں موٹر میں آئیں۔ دولہا سُوٹ میں ملبوس تھا دلھن کے لئے ریشمی ساڑیاں اور اصلی سونے کے زیور کے سٹ آئے۔ فرخ گڑیا کی قسمت پہ نازاں تھی اور خوشی سے پھُولی نہ سماتی تھی۔ غرض رضیہ شاندار اور فیشن ایبل طریقے سے بیاہ کر بہو کو لے گئیں۔ اگلے دن رضیہ کی طرف سے ایٹ ہوم تھا۔ پارٹی میں دولہا دلھن آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے دُولہا فاختئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور دُلھن کارچوبی گلابی ساڑی پہنے تھی۔ فرخ کو بیٹی کی یہ دیدہ دلیری اور بے شرمی ناگوار تو گذری مگر کچھ بولی نہیں۔ جانتی تھی بیاہی بیٹی پڑوسن برابر اب اُسے کچھ کہنے کا حق ہی کیا رہا۔ جیسے سُسرال والے رکھیں گے رہنا پڑے گا۔ مگر عذرا کو بہت بُرا لگا اور گھر آ کر خوب دونوں بہنوں میں نوک جھونک ہوتی رہی۔

ان سب کو بیاہ رچاتے دیکھ کر ذکیہ کو بھی شوق ہوا۔ جمیلہ خاتون کو کسی نہ کسی طرح جمیل نے راضی کر لیا اور کچھ دن بعد ذکیہ کی گڑیا فرخ کے گڈے سے بیاہ گئی۔ شادی میں جمیل نے بڑا حصّہ لیا۔ دولہا اصغر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور دلھن کو فرخ اپنے ساتھ اصلی ڈولی میں رخصت کرا کر لے گئی۔ یہ سارے گڈے گڑیاں نسیمہ خاتون کے بنائے ہوئے تھے۔ وہ کپڑے کی بڑی خوبصورت گڑیاں بناتی تھیں۔ سوا رضیہ کے گڈے کے (جو سلولائڈ کا تھا) سب ان ہی نے بنائی تھیں۔ مگر نسیمہ کو گڑیوں کے

کھیل سے دلچسپی نہ تھی۔ انھیں بُرا لگتا تھا کہ یہ لڑکیاں اتنی بڑی بڑی ہوکر گڑیاں کھیلتی اور اُن کے بیاہ کرتی ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ اس بہانے لڑکیوں کا جی بہل رہا ہے وہ خاموش رہیں۔

سب کے گڈے گڑیوں کی شادی ہو گئی یہاں تک کہ صغرا اور سیدہ نے بھی اپنے گڈے گڑیا کی شادی رچائی۔ شمیم اور نجمہ نے بھی آپس میں بیاہ کیا مگر عذرا نے گڑیا کی شادی نہیں کی۔ ہاجرہ نے بہت کہا کہ بہن میری گڑیا بچاری کنواری بیٹھی ہے تم اسے بیاہ لے جاؤ مگر عذرا رضامند نہیں ہوئی۔ سب لڑکیاں شادی اور اس کے بعد چوتھی چالوں میں مصروف تھیں مگر عذرا خاموش سی نظر آتی تھی۔ انصار نے عذرا کی اُداسی کو بھانپا اور ایک دن جب وہ روٹھی ہوئی سی بیٹھی تھی کہا:۔

انصار۔ عذرا کیا بات ہے کیا تم مجھ سے کچھ خفا ہو؟

عذرا۔ (خدا جانے کس سے لڑی بیٹھی ہے) میں کیوں ہوتی خفا ـــ تم خواہ مخواہ مجھے نہ چھیڑا کرو۔

انصار۔ واہ ری لڑکی۔ خواہ مخواہ لڑتی ہے۔ میں نے چھیڑا کب ہے بات پوچھی ہے۔ کس سے لڑی بیٹھی ہو؟

عذرا۔ اچھا تم جاؤ میرے پیچھے نہ پڑو۔ میں نہیں بولتی۔

انصار۔ تم سچ مچ لڑنے پر تلی بیٹھی ہو اور میں آج قسم کھا کر آیا ہوں کہ ہرگز نہیں لڑوں گا۔ اب دیکھیں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔

عذرا۔ تم سب مل کر میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو۔ ابھی ہاجرہ دماغ کھا کر گئی ہے۔ خواہ مخواہ اُلجھ پڑی کہ تم مجھ سے ناراض ہو اب یہ آئے الٹی سلٹی باتیں بنانے۔

انصار۔ تو یوں کہو! خفا ہیں غیر سے غصہ ہے مجھ پر۔ کوئی پوچھے کہ میں نے کیا خطا کی!
عذرا۔ (ہنس پڑی) اسی پہ تو بڑے غصہ آتا ہے۔ سب پوچھتے ہیں کہ تم کس سے خفا ہو۔ حالانکہ میں کسی سے بھی خفا نہیں۔
انصار۔ ہاں تم صرف اپنی گڑیا کی قسمت کو رو رہی ہو جسے بر نہیں جڑتا غضب خدا کا سارے کنبے کی گڑیاں بیاہ گئیں اور بچاری عذرا کی گڑیا کنواری بیٹھی ہے اُسے کوئی نہیں پوچھتا۔ خفا ہونے کی بات ہی ہے۔
عذرا۔ (بگڑ کر) واہ وا۔ بالکل غلط۔ میری گڑیا کے تو پچاسوں پیام آئے۔ میں اس کا بیاہ کرنا ہی نہیں چاہتی۔
انصار۔ ہاں ہاں تمھیں دوسروں کے سامنے یہی کہنا چاہیئے۔ ورنہ بڑی سُبکی ہو گی۔
عذرا۔ تو کیا میں جھوٹ کہتی ہوں۔
انصار۔ خیر خیر تم رنج نہ کرو میں کچھ انتظام کردوں گا۔
عذرا۔ رہنے دو اپنا انتظام مجھے بیاہ سے نفرت ہے میں نہیں کروں گی بیاہ۔
انصار۔ تو میں تمھارے بیاہ کو کب کہہ رہا ہوں۔ خواہ مخواہ اپنے اوپر لے گئیں۔
عذرا۔ (جھڑک کر) شرم نہیں آتی — میں تو اپنی گڑیا کو کہہ رہی ہوں۔
انصار۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔ خیر اگر اور کوئی نہیں جڑتا تو تم مجھ سے اپنی گڑیا کی شادی کردو۔
عذرا۔ (بے اختیار ہنس کر) تم گڑیا سے بیاہ کرو گے! ہماری ممانی گڑیا ہو گی بھئی واہ وا۔
انصار۔ سُبحان اللہ میں نے ضرور کی تمھاری گڑیا سے شادی مُنہ دھو رکھو۔
عذرا۔ تم نے ابھی تو کہا تھا۔

انصار۔ میں تو اپنے گڈے کو کہہ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا دانت مجھی پر ہے۔

عذرا۔ مرد ہو کر گڑیاں کھیلو گے۔

انصار۔ پھر کیا کروں تمہاری لڑکی کو کوئی پوچھتا نہیں۔ تم اس صدمہ میں گھلی جاتی ہو۔ میں نے کہا چلو میں ہی کر لوں۔ سچ بتاؤ بیاہ کیوں نہیں رچاتیں۔ لاؤں گڈا خرید کر۔

عذرا۔ انصار ماموں مجھے یہ گڈے گڑیا کی شادیاں کرنا اور وقت ضائع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بھلا کوئی بات بھی؟ میرا تو ان ہی شادیوں سے ناک میں دم آگیا۔

انصار۔ تم ہی دنیا سے نرالی ہو۔ سب لڑکیاں کرتی ہیں۔

عذرا۔ سچی بات یہ ہے کہ اماں کو بھی گڑیاں کھیلنا پسند نہیں ہیں۔ اس لئے میں اور بھی نہیں کرتی۔

انصار۔ آخر فرخ نے تو دو بیاہ کئے۔

عذرا۔ انھیں شوق ہے۔ میں جب مجھے خود بھی شوق نہیں، ایسی بات کیوں کروں جو اماں کو ناپسند ہے۔

انصار۔ ارے بھٹی میں ڈالو ان گڑیوں وڑیوں کو۔ یہ بتاؤ کوئی تازہ افسانہ مضمون، ناول؟

عذرا۔ جی بڑا افسانہ مضمون ناول؟ سارے دن تو ہا ہو ہو مچی رہتی ہے کبھی کتاب لے کر بھی بیٹھ جاتی ہوں تو سب کی سب آکر سر پر سوار ہو جاتی ہیں اور مذاق اڑاتی ہیں۔ ان پر تو بیاہوں کا بھوت سوار ہے۔ نہ لکھنا نہ پڑھنا۔ میں اگر اس سے اکتا کر یہاں آکر چپ چاپ بیٹھ جاؤں تو

تم چین نہیں لینے دیتے آ کر جان کھاتے ہو کر کس سے خفا ہو۔

انصار۔ تو اب پتہ چلا۔ تم اس لئے ناراض ہو۔ چلو خیر یہ قصہ اب ختم ہوا اب تم اپنا پڑھنا لکھنا شروع کردو۔ آج میں نے نانا ابا کے کتب خانے سے تمھارے لئے ایک بڑی اچھی کتاب تلاش کی ہے شام کو لاکر دوں گا۔ پڑھ کر اس پر بحث کریں گے۔

عذرا کتاب کا نام سن کر خوش ہو گئی۔

رات کے وقت سب کھانے دانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ ریاض آ کر تخت پر بیٹھ گئے اور آواز لگائی" لڑکیو چلو —— ایک نئی بات" سب اپنے پلنگوں سے کود کود کر اٹھ آئے اور فرخ صغرا، عذرا، سیدہ اصغر سب ریاض کے گرد آ کر بیٹھ گئے اور اصرار شروع ہوا ہاں بھائی جان بتائیے کیا نئی بات ہے۔ ریاض نے کہا ذرا ٹھیرو انصار اور ہاجرہ بھی آجائیں۔ ذرا دیر میں وہ دونوں بھی آ گئے۔

انصار۔ (مسکرا کر) ادھو یہاں تو پارلیمنٹ کے سب ممبر موجود ہیں۔

ریاض۔ ہاں بس صدر کی کمی تھی وہ تمھارے آنے سے پوری ہو گئی۔

ریاض نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر فرخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:۔

"دیکھو بھئی اب شادیاں تو بہت ہولیں اور عذرا کے سوا سب کے لڑکے لڑکیاں بیاہ گئیں۔ رہی عذرا تو اسے شادی کرنا پسند نہیں وہ اپنی گڑیا تک کو بیاہنا نہیں چاہتی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اب تم لوگ بھی اس قصے کو ختم کردو۔ سب شادی شدہ

جوڑے اپنے اپنے گھر خوش و آباد ہیں اب تمھیں بھی اس فرض کی ادائیگی کے بعد دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ ٹھیک ہے نا؟"

سب لڑکیوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے بس اب تو بیاہوں سے جی بھر گیا۔"

عذرا۔ شکر ہے کہ تم لوگوں کا بھی جی بھرا میں تو سمجھتی تھی اب عمر بھر یہی ہوگا،

ریاض۔ اچھا تو مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ گڑیوں کا کھیل ختم اور کوئی دوسرا کام شروع کیا جائے۔ اب تم سب سوچ کر اپنی اپنی پسند کا کوئی نیا کام بتاؤ۔ جو سب کو پسند آئے گا وہ شروع کیا جائے گا۔

کچھ دیر سب سوچتے رہے۔ فرخ نے سب سے پہلے زبان کھولی "بھائی جان اگر ہفتے میں ایک ایک دن باری باری سے سب گھر کا کام کیا کریں تو بڑا مزا آئے۔ بشرطیکہ آپ اور انصار ماموں بھی شریک ہوں اس سے سب کو گھر کے کاموں سے واقفیت بھی ہو جائے گی اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ کون سب سے بہتر کام کرتا ہے۔

ریاض۔ اچھا ایک تجویز تو یہ ہوئی۔ اب تم بتاؤ صغرا؟

صغرا حسب عادت شرما کر سکڑ گئی سب نے بہت اصرار کیا تو کہا میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا جو سب کریں گے وہی میں کرلوں گی۔

انصار۔ لیجئے یہ تو نکل گئیں۔ اب تم بولو عذرا؟

عذرا۔ پہلے ہاجرہ بتائیں پھر میں اپنی تجویز بتاؤں گی۔

ہاجرہ۔ (مدبرانہ انداز میں) دل چسپ اور مزے کے کام ہونے کو بہت سے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے بعض ہم کرتے بھی رہتے ہیں۔ جیسے

گھر کا کام۔ یا گڑیوں کا بیاہ۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم باغبانی شروع کر دیں تو وہ بہت دل چسپ اور نئی چیز ہو گی۔ عمدہ ترکاریاں، خوبصورت پھول، مزے دار پھل سب باغبانی سے مل سکتے ہیں اور ورزش اور تفریح مفت میں ہوتی رہے گی۔

عذرا۔ اور اتنی زمین کہاں سے آئے گی۔

ہاجرہ۔ ہم کوئی پورا کھیت یا باغ نہیں بو رہے۔ اپنے اپنے گھروں کے صحن میں کیاریاں بنالیں گے۔ پھول اور پودے گملوں میں لگ جائینگے خود ہمارے ہی صحن میں کتنی زمین بے کار پڑی ہے وہیں سب مل کر باغبانی کر سکتے ہیں۔

ریاض۔ (مسکرا کر) بھئی ہاجرہ بہت اچھی تجویز سوچی۔ اب ذرا دوسروں کی بھی تجویزیں سن لیں۔

ریاض کا جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ میاں اصغر نے آکر اُن کے گلے میں باہیں ڈال دیں "بھائی جان ہم سب ڈرائنگ سیکھیں۔ آپا ہاجرہ کے پھل پھول پتوں درختوں سب کی تصویریں بنائیں، اور ان میں رنگ بھریں۔ بڑا مزا رہے گا۔

بات یہ تھی کہ اصغر آج کل ڈرائنگ سیکھ رہے تھے اور دن رات بہنوں کی کتابوں کاپیوں اور دیواروں پر مشق کرتے رہتے تھے۔ صغرا نے ہنس کر کہا "ہاں تو اکیلا ستانے کو کم ہے کہ اور سب بھی تیرے ساتھ مل کر گھر بھر کی چیزوں کا ناس کیا کریں"۔ سب ہنسنے لگے۔ بی سیدہ نے بڑے زور سے تالی بجائی اور چلا اٹھیں "بھائی جان گیند بلا۔ گیند بلا" ا... نے ہنس کر کہا "بہت اچھا آپ کو گیند بلا ہی لے دیا جائے گا۔

اب بولو عذرا تم "
عذرا۔ پہلے آپ اور بھائی جان بتائیں پھر میں بتاؤں گی۔
فرخ۔ یہ کیا نخرے ہیں کہ پہلے وہ پھر میں۔ تمھاری کون سی دُنیا سے نرالی تجویز ہے جو بتاتی ہی نہیں ہو۔ عذرا نے چمک کر جواب دیا "تمھیں کیا جاؤ نہیں بتاتے "
ریاض۔ (پیار سے) دیکھو عذرا پھر تم نے لڑنا شروع کر دیا۔ لو اب بتاؤ بھی کیا سوچا ہے۔
عذرا بھائی کو چاہتی بھی بہت تھی اور تھوڑا سا ڈرتی بھی تھی۔ مجبور ہوکر بولی "بھائی جان یہ سب مل کر میرا مذاق اُڑائیں گے "
انصار۔ وعدہ کرتے ہیں کہ مذاق نہ اُڑائیں گے۔ تم کچھ کہو تو سہی۔
عذرا۔ ہم سب مل کر مضمون اور قصّے لکھا کریں۔ آپ اور انصار ماموں بھی اس میں شریک ہوں۔ نانا ابّا کو جج بنا دیں اور ان کی رائے میں جس نے سب سے اچھا لکھا ہو اُسے انعام دیا جائے۔
فرخ۔ (چپکے سے) بھائی جان اور انصار ماموں کے مقابلے میں تو تمھیں انعام ملنے سے رہا۔
عذرا۔ دیکھ لیجئے بھائی جان۔
ریاض۔ دیکھو فرخ یہ بُری بات ہے۔ ہاں صدر صاحب اب آپ فرمائیں۔
انصار۔ صدر تو خیر جناب ہیں ۔ مگر اب میں اپنی تجویز عرض کرتا ہوں یہ کہہ کر بڑی سنجیدگی سے انصار کھڑے ہو گئے "لیڈیز اینڈ جنٹلمین، تجویزیں تو ایک سے ایک اچھی ہوئیں۔ لیکن ایک چیز ہے جس کی طرف معزز حاضرین کا خیال نہیں گیا۔ جو کام میں تجویز کرنے والا ہوں اس میں ہمیں

محترمہ آپا جان اور دوسری معزز خواتین کی مدد درکار ہوگی اور تھوڑا بہت روپیہ بھی چاہیئے گا۔ اس کام میں مشکلیں بھی ہوں گی اور محنت بھی کرنی پڑے گی مگر وہ سب سے زیادہ مفید دلچسپ اور ضروری کام ہے جس کو جلدی سے جلدی انجام دینا چاہیئے" سب لڑکیاں، نسیمہ اور خود ریاض بڑے شوق سے انصار کی باتیں سُن رہے تھے اور تجویز سُننے کو بے چین تھے۔ انصار مقرروں کے انداز میں کھانسے، سب کے مشتاق چہروں کو دیکھ کر مُسکرائے۔

ریاض۔ کہہ بھی ڈالو۔ کہاں تک اشتیاق دلاؤ گے۔

عذرا۔ اُنہ کوئی معمولی سی بات ہوگی جسے اتنا ایچ پیچ سے بیان کر رہے ہیں۔

ہاجرہ۔ یہ تو ان کی عادت ہی ہے۔

انصار۔ (گھور کر) جی اور کیا؟ سب سے پہلے تم ہی دونوں نہ پھڑک اٹھو تو سہی۔

ریاض۔ یار کہہ بھی ڈال۔

انصار نے آواز کو رُعب دار بنا کر کہنا شروع کیا:۔حاضرین ہمارے شہر میں ایک ایسے ادارے کی کمی ہے جس کے بغیر ہماری لڑکیوں کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں —— آپ لوگ میرا مطلب سمجھے —— لڑکیوں کے اسکول کی —— میری تجویز یہ ہے کہ جلد سے جلد ایک چھوٹا سا مُسلمان لڑکیوں کا مدرسہ کھول دیا جائے جس میں دو ایک بڑھے اُستاد پڑھائیں۔ دو چار شہر کی معزز خواتین خانہ داری، دست کاری اور کھانا پکانا سکھائیں۔ ایک آدھ اُستانی حساب اور انگریزی کے لئے رکھ لی جائے شہر بھر کے شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس میں پڑھیں۔ روپیہ شہر کے

رئیسوں سے وصول کیا جائے، آخر وہ ہے کس لیئے؟

لڑکیاں پھڑک اُٹھیں اور آپس میں اس کے متعلق زور شور سے باتیں کرنے لگیں کہ ساری مجلس درہم برہم ہوگئی۔ ریاض نے اُٹھ کر مقرر یا محرک کو گلے سے لگالیا۔ اور میاں انصار ایک ہیرو کی سی شان سے مجمع کے بیچ میں آ کر بیٹھ گئے اور نیاز مندی کی ادا سے سب کی تعریفوں کے جواب میں مُسکرانے لگے جب ذرا ہڑبونگ کم ہوئی تو ریاض نے ماں سے کہا "اماں انصار نے جو بات کہی اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

نسیمہ۔ میاں تم سب بچے ہو اور ہر کام کو بچّوں کا کھیل سمجھتے ہو۔ بھلا یہ تو سوچو کہ اسکول وہ بھی لڑکیوں کا اسکول، قائم کرنا بھی ہنسی کھیل یا گڑیوں کا بیاہ ہے جو یوں بچے آپس میں تجویزیں کر کے قائم کرلیں۔ انصار میاں جوانی کے جوش میں ہر کام کو سہل سمجھتے ہیں۔

ریاض۔ اماں یہ کام مشکل ہے ناممکن تو نہیں۔

نسیمہ۔ خیر ناممکن تو دنیا میں کچھ بھی نہیں۔ مگر ایسا مشکل کام یوں نہیں ہوسکتا جیسے تم کہہ رہے ہو۔ جب تمھارے آبا نے لڑکوں کا اسکول قائم کرنا چاہا تھا تو برسوں انھیں خدا جانے کتنی کوشش اور محنت کرنی پڑی تھی اور ہزاروں آدمیوں کی مخالفتیں سہیں۔ تب کہیں جا کر یہ اسکول قائم ہوا تھا۔ اگر واقعی تم لوگ یہ چاہتے ہو تو اس کی طرف پہلے شہر کے معزز، معمّر اور پیسے والے لوگوں کو متوجہ کرو اور کوشش کرو کہ ان میں اس کام سے دلچسپی پیدا ہو اور وہ اس کی ضرورت کو سمجھیں تب شاید اسکول کھل سکے یوں باتیں بنانے سے نہیں کھل سکتا۔

انصار بچارے کا سارا جوش اور ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ دل گرفتہ ہو کر

بولے "آپا جان آپ کے خیال میں، میں ایسا بے وقوف ہوں کہ یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی بغیر کسی مدد یا مشورے کے اسکول قائم کرلوں گا۔ میں نے ایک تجویز پیش کی ہے تاکہ سب کی توجہ اس طرف ہوسکے اور وہ غور کریں۔"

نسیمہ۔ میاں میں تمھیں بے وقوف نہیں کہتی بلکہ میں تو تمھاری ہمت کی تعریف کرتی ہوں کہ جس بات کی طرف بڑے بڑے لوگوں کو توجہ نہیں ہوئی اس کا تم نے خیال کیا۔ لیکن یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ اسے بچّوں کا کھیل نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ اگرچہ یہ میں جانتی ہوں کہ تم لوگوں نے دل میں ٹھان لی تو ضرور کوشش کروگے اور انشاءاللہ اسکول کھلوا کر دم لوگے۔

نسیمہ کی باتیں سُن کر سنّاٹا چھا گیا۔ لڑکیوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب ریاض کھڑے ہوئے۔ "اس وقت میرے بھائیوں اور بہنوں نے جو مزے دار دل چسپ اور مفید تجویزیں بتائیں انھیں سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور یہ اندازہ بھی ہوا کہ ہماری لڑکیوں میں کام کرنے کا کس قدر حوصلہ، امنگ شوق اور صلاحیت ہے۔ اور اگر پورا موقع ملے تو یہ کیا کچھ کرسکتی ہیں۔ مسٹر انصار کی تجویز بہت اہم اور نہایت ضروری ہے۔ اماں کی رائے صحیح ہے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں لیکن انشاءاللہ ہم دونوں اور ہماری اماں اس کے لئے جان توڑ کوشش کریں گے اور خدا نے چاہا تو تم لوگوں کے واسطے اسکول قائم کراکے دم لیں گے لیکن فی الحال اس کو ملتوی کرکے باقی تجویزوں پر غور کرتے ہیں۔ فرخ کی رائے ہے کہ باری باری سے سب گھر کا کام کریں۔ بھئی فرخ تم خفا نہ ہونا، میں تو اس میں شرکت نہیں کرسکتا کیونکہ بہت پھوہڑ آدمی ہوں اچھا بھلا کام بگاڑ کر رکھ دوں گا۔ انصار چاہیں تو اس میں شریک ہوسکتے ہیں۔ ہاں ایک ترمیم پیش کرتا ہوں۔ بجائے روز کے ہفتے میں

ایک دن بجائے فرخ کے کوئی اور گھر کا کام کیا کرے۔ کیوں منظور؟"

"جی ہاں منظور"

"ہاجرہ کی باغبانی والی تجویز خوب ہے۔ تم سب اپنی اپنی ایک ایک کیاری بناؤ اور پھولوں کے گملے رکھو اور ایک کاپی بناؤ جس میں پھولوں اور ترکاریوں کے بونے کا زمانہ کیفیت نتیجہ وغیرہ صفائی اور خوش خطی سے لکھا جاتا رہے اور اگلی مرتبہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے" ہاجرہ بہت خوش ہوئی "بھائی جان بہت ٹھیک بات ہے"

"اب اصغر اور سیّدہ کی تجویز کو لیجئے۔ اصغر تو ڈرائنگ سیکھ ہی رہے ہیں اور جو چاہے ان کے ساتھ یا خود ان سے اس فن کو حاصل کرے۔ سیّدہ کو گیند بلّا منگا دوں گا۔ اور سیّدہ جس کو جی چاہے گا اپنے ساتھ کھلائے گی.........

اب رہی ہماری عذرا خاتون کی تجویز۔ اس سے میں بہت خوش ہوا۔ اُسے صرف پڑھنے کا ہی نہیں لکھنے کا بھی شوق ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میری دوسری بہنوں کو بھی پڑھنے لکھنے کا اتنا ہی شوق ہو جائے۔ بھئی عذرا تمھاری تجویز میں ایک اور بات بڑھا دی جائے تو کیسا ہے؟ یعنی ہر مہینے تم لوگ ایک جلسہ کرو جس میں اماں، نانا ابّا یا کسی اور بزرگ خاندان کو صدر بناؤ۔ جلسے میں سب اپنی اپنی پسند اور سمجھ کے مطابق مضمون یا قصّہ لکھ کر پڑھیں یا زبانی تقریر کریں۔ اپنی کہی ہوئی یا اپنی پسند کی نظم سنائیں۔ اس سے لکھنے کی بھی مشق ہو گی اور بولنے کا سلیقہ بھی آئے گا۔ جھجک بھی دور ہو جائے گی اور چہل پہل دل چسپی تو ہو گی ہی۔ تم لوگ اپنی سہیلیوں اور بہنوں کو بھی جلسے میں شرکت کی اور نظم اور مضمون پڑھنے کی دعوت دے سکتی ہو"

انصار نے زور سے تالی بجائی — "تھری چیرز فور ریاض بھائی جان"

لڑکیاں اس بیہودہ حرکت پر ہنس پڑیں۔ ریاض نے مسکرا کر کہا "حضرت یہ اسکول کا کمرہ نہیں پرانی قسم کی خواتین کا مجمع ہے" انصار ہنسنے لگے۔ عذرا نے بھائی کے پاس جا کر محبت سے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر کہا "میرے بھائی جان کتنے اچھے ہیں کیسی اچھی اچھی باتیں سوچتے ہیں" ریاض نے پیار سے اس کا سر سہلایا "واہ اچھی اچھی باتیں تو تم سب نے سوچیں یا انصار نے میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

ہاجرہ ۔ اب اسکول کسی طرح کھلوائیے۔

عذرا ۔ ہاں اب تو اس کے خیال میں رات کی نیند بھی اڑ جائے گی۔

فرخ ۔ خدا کرے جلدی سے اسکول قائم ہو جائے۔

سیّدہ ۔ ہم بھی اسکول میں پڑھیں گے۔

نسیمہ ۔ معلوم ہے اب کیا وقت ہے؟ ایک بج چکا ہے۔ اب تم سب فوراً لیٹ جاؤ اور صبح کو جس نے نماز نہ پڑھی اس کا ناشتہ بند۔

اب بھلا کس کی مجال تھی کہ ان کے حکم سے سرتابی کرتا۔ ہاجرہ اور انصار اپنے گھر گئے اور یہ سب اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹ کر خیالی پلاؤ پکانے لگے۔

آٹھواں باب

برسات کا زمانہ ہے آسمان پر ابر چھایا ہوا ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ حبیب الٰہی صاحب کے مکان کے بڑے کمرے میں دری چاندنی کا فرش بچھا ہوا ہے۔ وسط میں مخملی قالین اور گاؤ تکیئے رکھے ہیں جس سے ٹیک لگائے حبیب الٰہی صاحب سفید سن کی سی لمبی ڈاڑھی، بڑی بڑی تیز آنکھیں، سفید انگرکھا اور سفید عمامہ باندھے بیٹھے ہیں داہنی طرف چاندی کی موٹھ کی لکڑی اور چاندی کا خاصدان اور دوسری طرف بھرت کا چمکدار اگالدان رکھا ہے ان کے قریب ہی نسیمہ خاتون سفید کپڑے پہنے بیٹھی ہیں۔ عذرا، فرخ، صغرا، ماجدہ، سیدہ، رضیہ، یاسمین، مسز نعیم، ریاض، انصار، جمیل، فرحت وغیرہ ادھر اُدھر قرینے سے بیٹھے ہیں۔ ایک لڑکا فرشی پنکھا جھل رہا ہے اور ایک ماما پان اور پھل پیش کر رہی ہے۔ برابر کے کمرے کے دروازے پر پردہ پڑا ہے اور پردے کے اُدھر محمدی بیگم، ذکیہ، شمیم، نجمہ وغیرہ بیٹھی ہیں۔

یہ سب تیاریاں جلسے کی ہیں۔ اس سے پہلے دو چھوٹے جلسے یہ لوگ کر چکے ہیں۔ یہ تیسرا جلسہ زیادہ تیاری کے بعد اہتمام سے کیا جا رہا ہے اور اس کی صدارت کے لئے بڑی خوشامد سے ڈانٹ ڈپٹ سُننے کے بعد انصار نے حبیب الٰہی صاحب کو رضامند کیا ہے۔

لیجئے جلسہ شروع ہو گیا۔

صغرا شرمائی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھی اور حبیب الٰہی کے داہنی طرف کھڑے ہو کر نہایت خوش الحانی سے سورۂ رحمٰن کے ایک رکوع کی تلاوت کی حبیب الٰہی صاحب نے کھنکار کر جزاک اللہ کہا۔

لو وہ اب اصغر کھڑا ہوا اس نے اقبال کی "بچے کی دعا" اپنی پیاری سی آواز میں گا کر پڑھی۔

اصغر کے بیٹھتے ہی سیدہ آنکھیں جھکائے آ کر کھڑی ہو گئی اور چھوٹی سی آواز میں شرما کر مناجاتِ بیوہ میں سے چند شعر پڑھے۔ سب نے شاباشی دی۔

لیجئے وہ انصار اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور بڑے جوش و خروش سے لڑکیوں کی تعلیم پر تقریر شروع کی۔ انگریزی تعلیم پہ خاص طور پہ زور دیا۔ وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ جمیل نے صدر سے اجازت طلب کی اور تفصیل سے تعلیم، خصوصاً انگریزی تعلیم کی برائیوں پر روشنی ڈالی، آزادی کی خرابیوں کو گنایا اور کہا عورت کا فرض گھر کا کام بچوں کی پرورش اور مرد کی خدمت کرنا ہے اُسے پڑھا لکھا کر آزادی دینا اور گھر کی زندگی کو ختم کر دینا نہ صرف غلط بلکہ نہایت خطرناک ہے۔ بس قرآن حدیث کی معمولی تعلیم اور تھوڑا بہت اُردو پڑھنا لکھنا آ جائے تو اس کے لئے نہایت کافی ہے۔ جمیل کیا بول رہا تھا معلوم ہوتا تھا جمیلہ خاتون کی زبان اس کے منھ میں رکھ دی گئی ہے۔ پرانے زمانے کی بعض عورتیں اس کی تقریر سے خوش ہو رہی تھیں لیکن ساری لڑکیاں اور لڑکے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جمیل پسینہ پونچھتے ہوئے جا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور رضیہ لچکتی ہوئی صدر کے

داہنی طرف جاکر کھڑی ہوئی اور جمیل کی مخالفت میں تقریر شروع کی. اس نے تعلیم کی حمایت کے ساتھ یہ بھی کہا یہ مردوں کی انتہائی خود غرضی ہے کہ وہ چاہتے ہیں عورتیں پڑھیں لکھیں نہیں بلکہ گھر کے کام کاج میں جُتی رہیں. وہ ان کی لونڈیاں نہیں برابر کی شریک ہیں. اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ مردوں کی ناانصافیوں کو عورتیں خوشی سے سہہ لیتی تھیں. اب تو وہ ان کے برابر بلکہ ان سے بڑھ کر رہیں گی۔ وہ کیوں گھر کا کام اور بچوں کی پرورش کریں. وہ تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے زندگی کے ہر شعبے میں حصّہ لیں گی مردوں کا جی چاہے یہ کام خود کریں یا کسی اور سے کرائیں. مرد کو کس نے یہ حق دیا کہ وہ عورت کو لونڈی سمجھے اگر وہ عورت کو لونڈی سمجھے گا تو عورت بھی اُسے غلام سے بدتر جانے گی۔" کئی منٹ تک رضیہ بے تکان بولتی چلی گئی خیالات میں تسلسل نہیں تھا لیکن غصّہ اور جوش کی وجہ سے روانی آگئی تھی۔

اتنے رضیہ بولتی رہی ریاض نے چپکے سے جلدی جلدی عذرا کو کچھ باتیں بتائیں جن کو اس نے ایک پرچے پر نوٹ کر لیا۔ رضیہ کے بیٹھنے کے بعد عذرا سر جھکائے ہوئے بڑھی چند لمحے تک خاموش کھڑی رہی. اس کے ہاتھ اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور جب بولی تو آواز میں کپکپاہٹ تھی لیکن ذرا دیر میں یہ کیفیت دور ہوگئی. عذرا نے پہلے جمیل اور رضیہ کی تقریر کا مقابلہ کیا. کہا ایک سرے پر جمیل بھائی ہیں دوسرے سرے پر رضیہ بہن۔ صحیح راستہ ان دونوں کے بیچ کا ہے. عورتوں کو نہ جاہل رہنا چاہیئے نہ اپنی ذمہ داری کے کاموں سے گھبرانا اور انھیں چھوڑنا چاہیئے وہ گھرداری بھی سیکھیں اور تعلیم بھی حاصل کریں۔ نہ میم بن جائیں نہ جانور رہیں۔ آخر میں اس نے جوش بھری آواز میں کہا. جو مرد عورتوں کو جانور سمجھتے اور انھیں ذلیل بے جان اور بے حس خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی کر رہے ہیں. اب عورتیں بھی غفلت کی نیند سے ہوشیار ہو رہی ہیں اور وہ ان کی باتوں میں نہیں آئیں گی یاد رکھیئے اگر آپ نے عورتوں کو علم جیسی بے بہا دولت سے محروم رکھا تو دنیا میں بھی اور خدا کے ہاں بھی اس کا جواب دینا پڑے گا۔ پھر چیپ کی داد کے آخر کے دو تین بند

پڑھ کر وہ ریاض کے پیچھے جا بیٹھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے اور چہرا سُرخ ہو رہا تھا سب لڑکے لڑکیاں حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔ عذرا اپنی ہم جولیوں میں سب سے چھوٹی تھی لیکن اس کا مطالعہ وسیع تھا دوسرے اس میں نڈر پن اور جوش تھا جس کی وجہ سے وہ بات کہنے میں جھجکتی نہیں تھی۔ اسی لئے وہ اتنا اچھا بول سکی ۔ عذرا کے جواب میں جمیل نے پھر کچھ کہنا چاہا مگر صدر صاحب نے روک دیا کہ باقی کارروائی کا وقت نہیں رہے گا۔

ہاجرہ اُٹھیں اور باغبانی اور اس کے فوائد پر اپنا مضمون سنایا اس کے بعد فرخ نے ہچکچا ہچکچا کر گھرداری کے عنوان سے چھوٹا سا مضمون پڑھا آخر میں فرخ صغرا اور ہاجرہ نے مل کر ترنم سے حالی کی دعا "اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے" پڑھی۔ اس کے بعد ریاض نے کھڑے ہو کر بتایا کہ ان جلسوں کی ابتدا کس طرح ہوئی اور ان کا کیا مقصد ہے۔ پہلے جو دو جلسے ہوئے تھے ان کا ذکر کیا۔ لڑکیوں کے شوق محنت اور اُمنگ کو سراہا اور بزرگوں سے درخواست کی کہ آپ سب لوگ اس میں دل چسپی لے کر ان کی ہمّت افزائی کریں اور جلسوں کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

لیجئے جلسہ ختم ہوا۔ مگر ابھی نہیں۔ وہ حبیب الٰہی صاحب اپنی لکڑی کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر کھانستے رہے پھر بھاری آواز میں کہا " میں بڈھا آدمی ہوں۔ میرے زمانے میں لڑکے لڑکیاں کیا بڈھی بڈھی عورتیں اپنے باپ دادا کے سامنے بولتی ڈرتی تھیں میرے لئے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لڑکیاں اور لڑکے جلسے کریں اور اس میں تقریریں کریں مضمون پڑھیں اور مل مل کر گائیں۔ مگر میں ان باتوں کو نیا سمجھتا ہوں بُرا نہیں۔ زمانہ بدل گیا۔ زمانہ کی روش بدل گئی معاشرت بدل گئی اور تہذیب بھی بدلتی جا رہی ہے اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ اب پرانی باتیں بجنسہٖ نہیں رہ سکتیں ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ کون سی

باتیں مفید اور اچھی ہیں جنھیں اختیار کرلیں اور کون سی نقصان دہ اور ناکارہ ہیں جنھیں چھوڑ دیں۔ اگر یہ نہ کیا تو اندھی تقلید یا قدامت پرستی ہمیں برباد کردے گی۔ مجھے سب بچّوں کے مضمون اور نظمیں پسند آئیں خصوصاً انصار جمیل رضیہ اور عذرا کی تقریریں میں نے بہت دلچسپی سے سُنیں۔ انصار مغربی تعلیم کا دلدادہ اور اس کا اندھا مقلّد ہے۔ اچھے بُرے سے مطلب نہیں لڑکیاں انگریزی پڑھ گئیں تو بس مقصد حاصل ہو گیا۔ رہے جمیل، وہ بیسویں نہیں اُنیسویں صدی کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ مگر صرف عورتوں کے لئے۔ رضیہ کی تقریر اچھی تھی مگر وہ ذرا ضرورت سے زیادہ آزادی چاہتی ہیں جس کو کم سے کم مجھ جیسے بڈھے پسند نہیں کریں گے۔ ہاں عذرا کی باتیں مجھ جیسے پُرانے زمانے کے آدمی کو بھی دل لگتی معلوم ہوئیں۔ وہ بچّی ہے اپنے خیالات پوری وضاحت سے ظاہر نہیں کرسکی مگر اس نے سیدھے سادے الفاظ میں جو باتیں کہی ہیں وہ بڑے پتہ کی ہیں۔ واقعی لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کے وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہئیے کہ ان کو علم کی روشنی سے منور کریں اور خدمت ایثار، بچّوں کی پرورش اور گھرداری کا شوق بھی دلائیں جو ان کی پرانی اور قابل قدر صفتیں ہیں مجھے ان بچّوں کا شوق دیکھ کر بہت مسرّت ہوئی۔ خدا انھیں اور زیادہ ہمّت اور عمل کی لگن دے۔ آمین۔"

شام کو ریاض اور انصار نے مسز نعیم اور نسیمہ سے اسکول کا ذکر چھیڑا۔

مسز نعیم۔ بیٹا میں تو جب سے آئی ہوں اسی فکر میں ہوں کہ لڑکیوں کا ایک اسکول کھل جائے۔ پر کیا کروں میں تو سارے شہر میں بدنام ہوں کہ آزاد ہے بے پردہ ہے جیسی خود ہے ویسی ہماری لڑکیوں کو بنادے گی۔ ان باتوں سے دل برداشتہ ہو کر کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر نسیمہ کا ہاتھ اس کام میں ہوگا تو شاید کامیابی ہو جائے۔ ان کا اثر نہ صرف کنبے برادری کی بلکہ سارے شہر کی عورتوں پر ہے۔

ریاض۔ خالہ صاحبہ اگر کام کرنا ہے تو ہمت کرنی پڑے گی۔ لوگ تو بُرا کہا ہی کرتے ہیں اور اب بھی ضرور کہیں گے اگر آپ جیسی تعلیم یافتہ اور روشن خیال خواتین بھی لوگوں کے کہنے سننے کی پروا کریں گی اور ان بے زبان لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کریں گی تو پھر کون ان کا حامی ہوگا۔ اللہ کا نام لے کر اسکول کی ابتدا کر ڈالئے۔ آگے خدا مالک ہے۔

نسیمہ۔ دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے اور لڑکیوں کو تو دُھن لگی ہے مگر آخر جگہ کا سوال ہے، پڑھانے والیوں کی ضرورت ہے اور سب سے بڑا سوال روپے کا ہے؟ لڑکیاں بھی کافی ہونی چاہئیں۔

الضیا ر۔ ابھی دس پندرہ لڑکیاں کافی ہیں پھر ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی اور لوگ بھیجنے لگیں گے۔ رہا روپیہ وہ تو چندہ کرنے سے ملے گا یوں تو کوئی دینے سے رہا۔

ریاض۔ میں نے نانا ابا سے کہا تھا۔ وہ اپنا چھوٹا مکان اسکول کے لئے دینے پر تیار ہیں۔ اُستانی کا سوال آپ حل کیجئے کہ کہاں سے ملے گی۔

مسز نعیم۔ (کچھ دیر سوچ کر) لاہور میں ایک بوڑھی استانی میری جاننے والی ہیں۔ دہلی کے کسی شریف خاندان کی ہیں مصیبت پڑی تو پڑھنے کی سوجھی۔ اس عمر میں تیاری کرکے آٹھویں کا امتحان اور جے۔ اے۔ وی کا امتحان پاس کیا ہے اور اب وہاں کسی اسکول میں ملازم ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم انھیں یہاں بلائیں گے تو ضرور آجائیں گی۔

ریاض اور الضیا ر۔ (خوش ہوکر) آپ آج ہی انھیں خط لکھ دیجئے۔ ہمارے علی گڑھ جانے میں دو مہینے باقی ہیں ہمارے سامنے اسکول کھل جاتا تو بہت اچھا تھا۔

نسیمہ۔ دو گھنٹے تو میں مسئلے مسائل سکھانے اور قرآن و اُردو پڑھانے کو تیار ہوں۔

مسز نعیم۔ فارسی اور لکھنا میں سکھا دیا کروں گی۔

ریاض۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ اماں اور خالہ روز وہاں جاتی رہیں گی تو کسی کو اعتراض نہ رہے گا۔ میں منشی جی سے کہوں گا انگریزی وہ پڑھا دیا کریں گے۔

نسیمہ۔ نہیں میاں ایسی بات نہ کرو کہ ابھی سے لوگ بھڑک جائیں اگر تم کسی مرد کو مقرر کروگے، خواہ وہ کتنا ہی بوڑھا ہو، تو لوگ ضرور مخالفت کریں گے

ریاض۔ اچھا تو خیر فی الحال اُردو، فارسی، حساب تاریخ وغیرہ کی تعلیم تو شروع ہو۔ انگریزی کے لئے پھر سوچ کر انتظام کریں گے۔

مسز نعیم۔ اور روپیہ؟

ریاض۔ اول تو لڑکیوں کی فیس ہوگی۔ فی الحال صاحب حیثیت لڑکیوں سے زیادہ اور غریب لڑکیوں سے کم فیس لی جائے۔ اس کے علاوہ چندے سے کچھ ملے گا۔ ڈپٹی صاحب، چچا جان، چچا احسن، نانا ابا وغیرہ سے چندہ وصول کیا جائے گا۔ ان کے علاوہ شہر کے اور صاحبِ ثروت لوگوں کے پاس بھی جائیں گے۔ اگر سال دو سال کامیابی سے اسکول چل گیا تو گورنمنٹ سے بھی "ایڈ" مل جائے گی۔ کچھ لڑکیوں سے دستکاری وغیرہ کرا کے فروخت کرادیا کیجئے گا۔

نسیمہ۔ احسان سے ذکر کیا تھا۔

انصار۔ جی ہاں ہم نے ان سے کہا۔ انھوں نے بہت پسند کیا اور ہر مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہاں ریاض بھائی کورس کہاں کا رکھیں گے۔ میرے نزدیک علی گڑھ کے گرلز اسکول کا ٹھیک رہے گا۔

مسز نعیم۔ پنجاب کا آٹھواں تک کا کورس اچھا ہے۔ ایک تو انگریزی لازمی نہیں، دوسرے دستکاری کھانا پکانا دھلائی تیمارداری وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔

ریاض۔ انصار بھئی تم سب جگہ کے سلیبس منگالو۔ جو بہتر ہوگا وہی رکھا جائے گا۔ خالہ آپ ڈپٹی صاحب سے ذکر کیجئے گا۔ ان سے ہمیں بہت زیادہ مدد کی امید ہے۔

انصار۔ ڈپٹی صاحب بڑے آدمی ہیں، حکام رس ہیں بہت سے کاموں میں چندہ دیتے ہیں مگر جب ہمارے اسکول کو قائم کرادیں تب بات ہے۔

مسز نعیم۔ ایک دن تم دونوں خود آکر ان سے بات کرو نا۔ میں ان کی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتی ہاں میں خود جو کچھ کر سکتی ہوں اس کے لئے حاضر ہوں۔

دو ہفتے بعد استانی آگئیں۔ نسیمہ، محمد احسان اور حبیب الٰہی صاحب نے اسکول کے لئے دو تین دریاں، دو ایک میزیں، دو چار کرسیاں اور چھوٹا موٹا متفرق سامان اپنے پاس سے دیا۔ دس روپے مہینہ احسان نے، پچیس روپے حبیب الٰہی نے، پانچ احسن علی نے دینے کا وعدہ کیا۔ مسز نعیم اور نسیمہ تمام کنبے اور برادری اور جاننے والی عورتوں کے ہاں گھر گھر خود گئیں انھیں اسکول کی ضرورت سمجھائی اور بتایا کہ اس میں کیا کیا پڑھایا اور سکھایا جائے گا۔ پردے کا پورا انتظام ہوگا۔ بعض نے فوراً وعدہ کرلیا کہ تم پر ہمیں اپنے سے زیادہ اعتماد ہے۔ بعض نے کہا ہاں بھیج دیں گے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکیاں انگریزی پڑھنے لگیں۔ لیکن اکثر نے کہا بُوا ہم کیا جانیں مردوں کو اختیار ہے۔ اور یہ تقریباً سب نے کہا کہ ڈولی کا انتظام کرو، فیس ویس دیں گے نہیں۔ لڑکوں ہی کو پڑھانا مصیبت ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے لئے کہاں سے لائیں۔ مسز نعیم تو بہت مایوس واپس آئیں مگر نسیمہ کو آس بندھی ہوئی تھی کہ نئی بات ہے ابھی سب بھڑکتے ہیں، رفتہ رفتہ سب بھیجیں گے۔

ریاض اور انصار بھی شہر کے معزز لوگوں سے جا جا کر ملے، اور کئی حضرات نے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ خود انصار، ریاض، فرحت، نسیم وغیرہ نے دو دو چار چار روپے کا چندہ لکھایا۔ مگر خان بہادر صاحب نے

ٹال دیا۔" میں دیکھوں گا اگر یہ اسکول کچھ مفید کام کر سکا تو میں بھی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ میری اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں جنھیں پورا کرنا ضروری ہے۔"

یکم اگست ۱۹۱۹ء کی مبارک تاریخ کو لڑکیوں کے اسکول کا افتتاح حبیب الٰہی صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ہو گیا۔ اُستانی اشرف النساء سب کو پسند آئیں۔ پہلے دن اسکول میں صغرا، فرخ، عذرا، یاسمین، شمیم رضیہ اور رشیدہ داخل ہوئیں۔ دو چار دن بعد رو دھو کر ذکیہ بھی آ ہی گئیں۔ رضیہ پہلے تو اپنی قابلیت کے زعم میں رہیں مگر آخر ماں کے سمجھانے، ہمجولیوں خصوصاً فرخ کے اصرار اور نئے اسکول کے شوق میں پندرھویں دن وہ بھی داخل ہو گئیں۔ رضیہ اور عذرا چھٹی جماعت میں، فرخ، ہاجرہ اور صغرا پانچویں میں، یاسمین، شمیم، ذکیہ اور نجمہ چوتھی میں داخل ہوئیں۔ تیسری میں صرف ایک پڑوسی ہندو لڑکی تھی۔ دوسری میں میاں اصغر اور پڑوس کی دو بچیاں اور پہلی میں بی بی رشیدہ۔

پہلے مہینے کی فیس اور داخلے کی آمدنی سے کچھ کپڑا ریشم وغیرہ، کچھ نقشے بلیک بورڈ رجسٹر دوات قلم غرض سب ضرورت کی چیزیں منگائی گئیں۔ مسز نعیم اور نسیمہ باقاعدہ دو تین گھنٹے اسکول میں پڑھانے آتیں۔ کبھی جمیلہ خاتون (جو پہلے تو بہت خفا تھیں مگر قرآن شریف ترجمہ اور مذہبی تعلیم کا نام سُن کر دھیمی پڑ گئی تھیں) اور محمدی بیگم بھی آ جاتیں۔ اشرف النساء بڑی اچھی دست کار تھیں انھوں نے لڑکیوں سے دست کاری کی بہت سی چیزیں بنوائیں۔ مہینے کے آخر تک بیس بائیس لڑکیاں ہو گئیں۔ انصار اور ریاض پھولے نہ سماتے تھے۔ شام کو گھنٹوں بہنوں سے اسکول کی باتیں پوچھا کرتے۔ بس نہیں تھا کہ خود جا کر پڑھانا

شروع کر دیں۔ رضیہ اور عذرا ایک ایک گھنٹے پہلی دوسری جماعت کو پڑھانے پر مقرر ہوئیں۔ فرخ صغرا وغیرہ کھانا پکانا اور دست کاری سکھانے میں مدد دیتیں اس طرح استانی کا ہاتھ بھی بٹتا تھا اور لڑکیوں کو بھی اسکول سے زیادہ لگاؤ پیدا ہوتا تھا۔ غرض اسکول کا کام زور شور سے شروع ہو گیا۔

ستمبر کے آخر میں اسکول میں ایک بڑا جلسہ کیا گیا جس میں اسکول کی سب لڑکیوں نے حصّہ لیا۔ جلسہ میں سو ڈیڑھ سو سے زائد عورتیں جمع ہو گئیں۔ نئی چیز تھی اس لئے سب کو دیکھنے کا شوق تھا۔ کچھ تجسّس اور اعتراض کی غرض سے بھی آئیں۔ لڑکیوں نے بہت محنت سے تیاری کی تھی۔ جلسے میں نظمیں، مضمون قصے وغیرہ سبھی تو پڑھے گئے۔ رضیہ اور عذرا نے تعلیم نسواں پر تقریریں کیں۔ آخر میں مسز نعیم نے سب عورتوں کا شکریہ ادا کیا اور اسکول کی حمایت میں پُرجوش تقریر کی اور سب سے آخر میں نسیمہ، مسز نعیم اور محمدی بیگم نے اپنی اپنی گود پھیلا دی کہ دیکھیں آپ میں سے کون اپنی لڑکیوں کی بہبود کی خاطر چندہ دیتی ہیں۔ عورتیں مسز نعیم اور محمدی بیگم کی امارت اور نسیمہ کی شرافت اور خودداری سے خوب واقف تھیں انھوں نے جب ان کو ہاتھ پھیلاتے دیکھا تو بڑی شرم آئی اور پہلے ہی جلسے میں ستر روپے آٹھ آنے تین پیسے چندہ ہوا۔ کچھ نے وعدے کئے چندہ دینے میں کم حیثیت عورتیں پیش پیش تھیں اور صاحب ثروت مُنھ چھپا رہی تھیں۔ جلسے کے بعد ایک کمرے میں سب عورتوں کو لایا گیا جس میں اسکول کی بنی ہوئی دست کاری کی چیزیں، پکائے ہوئے کھانے مٹھائیاں وغیرہ چُنی ہوئی تھیں اور کئی لڑکیاں فروخت کرنے پر مقرر تھیں۔ ساری چیزیں ہاتھوں ہاتھ بِک گئیں اور تیس پینتیس روپے کی بکری ہوئی اور عورتیں ہنسی خوشی اور اسکول کے متعلق اچھی رائے لے کر رخصت ہوئیں۔

سب لڑکے اور محمد احسان اور حبیب الٰہی تک جلسے کا حال سننے کے منتظر تھے۔ جلسے کی شاندار کامیابی کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے۔ ریاض سنجیدہ آدمی تھے مگر انصار کی تو یہ حالت تھی کہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا وہ اپنی تجویز کو یوں پھولتا پھلتا دیکھ کر جتنا بھی خوش ہوتا کم تھا۔ وہ خود بھی دن رات محنت کرتا اور دوسروں سے بھی کس کر کام لیتا اور ہاجرہ و عذرا کو تو ذرا دیر کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ ہاجرہ بعض وقت اُلجھ پڑتی کہ "توبہ ہے کیا میں بیل ہوں کہ ہر وقت ہل میں جُتی رہوں" مگر عذرا پر تو خود ہی اسکول کی دُھن ایسی سوار تھی کہ اس کے سوا سب کچھ بھول گئی تھی۔ نسیمہ کہتیں "اجی کبھی تو آرام بھی کر لیا کر رات کو بارہ بجے سوتی ہے صبح پانچ بجے سے اُٹھ جاتی ہے کوئی وقت تو ذرا سا فرصت کا بھی ہونا چاہیئے" وہ کہتی "اماں انصار ماموں اور بھائی جان چلے جائیں گے۔ پھر مشکل ہو جائے گی۔"

فرخ۔ تم ہی اسکول کی بڑی منتظمہ ہو۔ آخر ایسا بھی کیا کہ کھانا پینا تک آدمی بھول جائے۔

عذرا۔ تم میری ہر بات میں کیوں دخل دیتی ہو۔ خود تو کچھ کرتیں نہیں دوسرا کرے تو اُسے بھی منع کرتی ہیں۔

فرخ۔ میں تمھاری طرح خبطی نہیں کہ جس بات کی دُھن لگ گئی اس کے سوا سب کچھ چھوڑ دوں۔ بھائی جان نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ اسی لئے جو چاہتی ہے کرتی ہے۔

عذرا۔ تم چلو۔

فرخ۔ اب دیکھئے اماں یہ بدتمیزی کر رہی ہے آپ بھی منع نہیں کرتیں۔

نسیمہ۔ ماشاء اللہ اتنی بڑی بڑی لڑکیاں لڑتی ہوئی کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہیں۔

زبانی لڑانے سے کیا ہوگا ایک ایک جوتا ہاتھ میں لے لو۔ تاکہ محلے پڑوس والے تماشہ دیکھنے آئیں۔

فرخ اور عذرا شرمندہ اور کھسیانی ہوکر چُپ ہوگئیں۔ مگر اسی طرح اسکول کے کاموں میں اکثر دونوں بہنوں میں جھگڑا ہوا کرتا تھا۔

ریاض اور انصار کی روانگی کا زمانہ قریب آگیا۔ ریاض بی۔ اے میں اور انصار ایف۔ اے میں داخلہ لینے جارہے تھے۔ نسیمہ حسب معمول خاموشی سے بیٹے کے جانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ حبیب الٰہی صاحب پر نواسے کی جُدائی کا خیال بہت شاق تھا۔ لیکن بھاری بھرکم آدمی تھے کسی پر دل کی حالت ظاہر نہ کرتے ہاں اس کے ساتھ جانے کے لئے دنیا بھر کا قیمتی اور اعلےٰ درجہ کا سامان مہیا کردیا تھا۔ انصار کے منع کرنے پر اُسے ڈانٹ دیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی شان اور حیثیت کے مطابق انصار وہاں رہے۔ مگر انصار سادہ مزاج اور نفس کش طبیعت کا لڑکا تھا اسے نمود و نمائش کی ذراسی بھی پرواہ نہیں تھی۔ دوپہر بھر حبیب الٰہی نواسے کو نصیحتیں کرتے اور رات کو نسیمہ کے ہاں مجلس جمتی۔ انصار کے جانے کے خیال سے ہاجرہ بہت رنجیدہ تھی اور انصار کو بھی اُس کی تنہائی کا فکر تھا اور سب لڑکیاں بھی ان دونوں کے جانے سے پریشان تھیں۔ خصوصاً عذرا تو بہت ہی رنجیدہ تھی۔ ہر وقت اس فکر میں رہتی کہ بھائی جان اور انصار ماموں چلے گئے تو اسکول کے بارے میں کون صلاح مشورے دے گا پھر گھر کیسا سُونا سُونا ہو جائے گا، جی کس قدر گھبرائے گا۔ ریاض کہتے تم گھبراؤ نہیں جو بات پوچھنی ہو خط لکھ کر پوچھ لینا۔ پھر نانا ابا تمھارے پاس ہیں۔ اماں ہیں خالہ حسینہ ہیں۔ سب کام ٹھیک ہوتا رہے گا۔

روانگی کے دن صبح کو عذرا دو ریشمی دھجیوں میں امام ضامن سی رہی تھی کہ انصار اُس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

انصار۔ عذرا اب تم نے یہ نئی عادت اختیار کی ہے؟

عذرا۔ کیا بات ہے کیسی عادت؟

انصار۔ پہلے کسی بات پر ناراض ہو جاتی تھیں تو لڑ لیتی تھیں پتہ چل جاتا تھا۔ اب مُنہ پھلا لیتی ہو مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کس بات پر ناراضگی ہے۔

عذرا۔ (تعجب سے) تم ہمیشہ ہی ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو۔ بھلا آج تو سدھار رہے ہو ناراضگی کا کونسا موقع ہے میں تو بالکل ناراض نہیں۔

انصار۔ جھُوٹ۔

عذرا۔ مجھے جھُوٹا نہ کہا کرو۔ جھُوٹ کے لفظ سے میرے تن بدن میں آگ جاتی ہے اور اگر میں خفا ہوتی تو چھپاتی کیوں۔ کیا میں ڈرتی ہوں؟

انصار۔ (مُسکرا کر) اچھا تم مجھ سے ڈرتی نہیں؟ یعنی بڈھے ماموں کا نہ ڈر نہ ادب؟

عذرا۔ (ہنس کر) توبہ توبہ بھُول گئی۔ بہت ڈرتی ہوں۔ اصل میں بھائی جان کے جانے کے خیال سے میرا جی بڑا پریشان ہے اور اب میں ایسی بدمزاج تو نہیں رہی کہ بے بات خفا ہو جاؤں۔

انصار۔ خیر یہ تو تمھاری کسرِ نفسی ہے ورنہ تمھارا مزاج ماشاءاللہ اب بھی کسی سے کم نہیں۔

عذرا۔ میں اب تمھارے ان فقروں سے بُرا نہیں مانتی۔

انصار۔ اچھا مجھے یاد بھی کرو گی یا یہ سوچ کر خوش ہو گی کہ لڑتا رہتا تھا۔ اچھا ہوا چلا گیا۔

عذرا۔ سب سے بڑی وجہ تو یاد کرنے کی یہی ہو گی۔ تمھارے جانے کے بعد

سوا باجی کے کون ایسا ہوگا جس سے لڑوں اور پھر باجی سے لڑائی میں مزا نہیں۔ ذرا سی بات دل میں رکھ کر اُسے دنوں گھونٹتی ہیں۔ تمھارے جانے سے تو میں جیسے اکیلی سی رہ جاؤں گی۔ اب کون میرے مضمونوں کا مذاق اُڑائے گا کون اصلاح دے گا۔ کون ہر بات پر نکتہ چینی کرے گا۔ اور کون سارے دن اسکول کا کام لیتا رہے گا۔

انصار۔ تو مطلب یہ کہ میں تمھیں یاد آؤں گا؟

عذرا۔ ضرور آؤ گے۔ تم تو وہاں نئے نئے دوستوں اور دل چسپیوں میں مجھے بھول جاؤ گے مگر مجھے تو تمھارا اسکول بھی تمھاری یاد دہی دلائے گا۔

انصار۔ (متاثر ہوکر) واہ میں بھلا تمھیں بھول سکتا ہوں۔ میری اتنی اچھی سی بھانجی — چھوٹی سی اور سب سے پہلی دوست اور عزیز بہن۔ میں تو تمھیں ہاجرہ سے بھی زیادہ یاد کروں گا۔ اچھا عذرا خط لکھو گی نا؟

عذرا۔ (بھرائی آواز سے) اماں سے اجازت لے دو۔ پھر ضرور لکھوں گی۔

انصار۔ اماں کچھ نہیں کہیں گی۔ میں پوچھ بھی لوں گا۔

شام کو ریاض اور انصار علی گڑھ روانہ ہوگئے۔ لڑکیاں کئی دن اُداس رہیں۔ نسیمہ خاتون پھر افسردہ رہنے لگیں۔ مگر لڑکیاں کچھ دن بعد اسکول کے کام میں بہل گئیں۔ ریاض اور انصار خطوں میں برابر اسکول کا حال دریافت کرتے اور مفید مشورے دیتے تھے۔ عید کی چھٹی پر ریاض تو نہیں آسکے مگر انصار چار دن کے لئے آئے اور بڑی چھٹیوں میں آنے کی امید بندھا کر سدھار گئے۔

نواں باب

سنہ ۱۹۲۰ء کا سال تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس زمانے میں سارے ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک ہل چل مچی ہوئی تھی اور ہندو مُسلمان باہمی تفرقے بھُول کر ایک جان دو قالب بن کر سیاسی بیداری اور اپنے ملک کی آزادی کی دل و جان سے کوشش اور اس کے لئے قربانیاں کر رہے تھے۔ ایک طرف کانگرس کا زور تھا دوسری طرف خلافت کی تحریک اپنے معراج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ محمد علی، شوکت علی کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا۔ ہر گلی کوچے سے

"بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو"

کی آواز آتی تھی۔ مُسلمان جو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد غیر ملکی حکومت سے بہت متاثر ہو چکے تھے اور غیر ارادی طور پر ان میں غلامی کی ذہنیت

پیدا ہو گئی تھی، اب اس خواب گراں سے ہوشیار ہو رہے تھے۔ غلامی کی زنجیریں اب انھیں ناگوار اور گراں گذرنے لگی تھیں۔ حکومت پوری سختی سے کانگرس اور خلافت کی تحریک کو کچلنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ رجعت پسند حضرات اس کے آلۂ کار تھے لیکن آزادی و خلافت کا زور روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے آزادی اور خلافت کا نام کبھی نہیں سنا تھا، وہ اب کھدر کے کپڑوں میں گاندھی ٹوپی یا چاند تارے کا نشان لگائے پھرتے تھے۔ جو پہلے پولیس کے معمولی سپاہی کو دیکھ کر لرز جاتے تھے وہ اب شان خود داری کے ساتھ اکڑتے پھرتے اور علی الاعلان گاندھی اور محمد علی کی جے کے نعرے لگاتے اور آزادی کا راگ الاپتے تھے۔ عورتیں جو سالہا سال سے چرخے کا نام بھی بھول گئی تھیں اور بدیشی کپڑے کی چمک دمک اور سستے پن پر فریفتہ تھیں اب نئے سرے سے چرخے کی دلدادہ ہو گئی تھیں۔ بڑھیاں پرانے پرانے کبھی کبھی کے پڑے ہوئے چرخے نکال کر انھیں تیل دے صاف ستھرا کر کاتنے بیٹھ گئیں۔ نوجوان اور شوقین عورتوں نے نئے اور رنگین چرخے منگائے اور اسی شوق سے سوت کاتنا شروع کر دیا جس شوق سے پہلے بدیسی قسم کی دست کاری میں مشغول رہتی تھیں۔ غرض اندر اور باہر زندگی، امنگ اور خود اعتمادی کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔

محمد احسان قوم کے سچے خیر خواہ، آزادی کے قدردان اور نہایت مخلص لوگوں میں تھے۔ خلافت کی تحریک سے انھیں خاص دلچسپی تھی مگر چونکہ نمود و نمائش سے ہمیشہ گھبراتے تھے اس لئے جو کچھ کرتے

خاموشی سے کرتے۔ اس تحریک نے ان میں عمل کی لگن کو اور تازہ کر دیا اپنے قصبے والوں میں سب سے پہلے انھوں نے اس تحریک پر لبیک کہا۔ کھدر کا استعمال بھی انھیں نے شروع کیا اور خاموشی سے کام کرتے رہے۔ نسیمہ نے بھی اپنا پرانا چرخہ نکالا اور تھوڑی سی مشق سے بھولا ہوا ہنر تازہ ہو گیا۔ بھلا لڑکیاں کیوں پیچھے رہتیں۔ ان کا تو شوق کا زمانہ تھا۔ ہر نئی چیز پسند آتی اور ہر نئی بات کا خیر مقدم کرتیں۔ چنانچہ ان کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے خوبصورت چرخے خریدے گئے اور اسکول سے جو وقت بچتا وہ چرخہ کاتنے میں صرف کیا جاتا۔ سوت کے جو دام ملتے وہ اسکول کے کام آتے۔ اب اسکول میں ایک اور استانی انگریزی اور حساب پڑھانے کے لئے رکھ لی گئی تھی۔ استانی اشرف النساء چھوٹی جماعتوں کو پڑھاتی تھیں۔ عذرا اور رضیہ آٹھویں میں چڑھ گئی تھیں اور پرائیویٹ طور پر پنجاب سے امتحان دینے کے لئے تیاری کر رہی تھیں۔

اسی زمانے میں ایک مرتبہ "بی اماں" دورہ کرتی ہوئی اکبرپور آئیں۔ وہاں کے باشندوں نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اور ایک بڑا جلسہ کیا گیا جس میں انھوں نے تقریر کی۔ جلسے میں عورتوں کے لئے بھی انتظام تھا۔ نسیمہ خاتون اشرف النساء کے ساتھ ان کی تقریر سننے گئی تھیں اور وہاں "بی اماں" سے ان کی ملاقات بھی ہوئی۔ اگلے دن بلا اطلاع "بی اماں" لڑکیوں کے اسکول پہنچ گئیں اور وہاں ایک چھوٹی سی تقریر کی۔ ان کی باتوں کا اثر اشرف النساء اور لڑکیوں پر بہت ہوا۔ لیکن انگریزی کی عیسائی استانی اور مسز نعیم کو بہت

ناگوار گزرا اور باوجود لڑکیوں کے انتہائی اصرار کے اسکول میں چرخا نہیں آنے دیا۔ لیکن دل اور خیالات پر تو ماں باپ یا اُستاد کا زور نہیں چل سکتا؟ دو چار لڑکیوں کے سوا باقی سب نے اپنے اپنے گھروں پر چرخا کاتنا شروع کیا اور کھدر بھی پہننے لگیں۔ ہاں مسز نعیم اور محمدی بیگم کے گھر اس فضا سے پاک تھے۔ حبیب الٰہی بھی ہاجرہ کو اس کی اجازت نہ دیتے مگر اس نے چپکے سے کھدّر کے کپڑے بنائے اور اسکول جاتے ہوئے پہن جاتی۔ محمد احسان کو لڑکیوں کے اس شوق سے بہت خوشی ہوئی۔ سیّدہ بچی تھی، صغرا جو دوسروں کو کرتے دیکھتی خود بھی کرنے لگتی لیکن عذرا اور ہاجرہ اگرچہ پوری طرح خلافت اور آزادی کے معنیٰ نہیں سمجھتی تھیں مگر ان کو اس سے دلچسپی بہت ہو گئی تھی کھدّر کے کپڑے سب سے زیادہ شوق سے انھیں نے بنائے اور مدّت تک پہنتی رہیں۔

فرخ کو کھدّر پسند نہ تھا، موٹا موٹا بدوضع کپڑا جو اچھی بھلی شکل کو خراب کر دیتا ہے کیوں خواہ مخواہ پہنا جائے؟ وہ بچپن سے بہت شوقین طبیعت کی تھی (اور جس حد تک ماں کی اجازت تھی) سنگھار بناؤ کرتی رہتی۔ کپڑے ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کاڑھ بنا کر پہنتی دوپٹے رنگے ٹکے ہوئے ہوتے، اُسے رضیہ کے نئے نئے فیشن بہت پسند تھے۔ اس کی پوری تقلید تو ماں خالہ کے ڈر سے کہاں کر سکتی تھی مگر پھر بھی بہت کچھ اثر قبول کر لیا تھا۔ بہنوں کی دیکھا دیکھی کھدّر کا جوڑا اس نے بھی بنوایا مگر ایک دو مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔

عذرا کی طبیعت بہن سے مختلف تھی۔ یوں میلی کچیلی تو نہیں رہتی

تھی اور کپڑے ہمیشہ صاف پہنتی مگر اس کے علاوہ کوئی خاص سنگھار یا آرائش کا شوق نہیں تھا، بہت سادہ اور الھڑ طبیعت تھی۔ ماں بہن دونوں اس کے لاابالی پن سے کڑھتیں اور اس کو ٹوکتی رہتیں۔ ماں کہتی "عذرا ہر وقت اسکول کے کام کی دُھن سوار رہتی ہے کچھ اور بھی سیکھے گی کہ نہیں؟"

فرخ کہتی "اماں ذرا دیکھو تو ہر وقت بال بکھرے رہتے ہیں، نہ جانے منہ بھی دھوتی ہے یا نہیں ــــ سفید دوپٹہ ــــ ہاتھ کان ننگے ــــ جیسے لڑکا ہو؟" نسیمہ کہتیں "بلا سے اچھی تو لڑکا ہو جاتی ناحق لڑکی ہوئی۔ اس کا گزارہ کیسے ہوگا؟"

عذرا کی طبیعت واقعی عام لڑکیوں سے مختلف تھی۔ عورتوں کی باتوں، غیبت اور عیب جوئی، لڑائیوں جھگڑوں سے اس کا دم الجھتا تھا، سینے پرونے سے جی گھبراتا (اگرچہ ماں کی مجبوری سے سیکھا تھا) ہاں صفائی کا بہت شوق تھا، خود بھی صاف رہتی اور اپنی چیزوں اور اپنے کمرے کو بھی صاف رکھتی۔ بہنوں میں اکثر جھڑپ ہوتی رہتی تھی۔ فرخ اپنے کو بڑا سمجھ کر رعب رکھنا چاہتی مگر عذرا بھلا اپنے کو کسی سے کم سمجھتی تھی؟ وہ سنجیدگی کو ملحوظ رکھتی یہ بھڑک جاتی۔ اس لئے قصور نہ ہونے پر بھی ڈانٹ عام طور پر عذرا ہی پر پڑتی تھی۔

خیر تو عذرا اور ہاجرہ کے اثر سے اور بھی کئی لڑکیوں نے کھدر پہننا شروع کر دیا۔ مسز نعیم کو اسکول کی یہ فضا سخت ناپسند تھی۔ بارہا نسیمہ نے ان سے بحث ہوئی۔ لیکن مسز نعیم قائل ہونے والی انسان نہ تھیں۔

وہ دل میں اور ہی منصوبے باندھ رہی تھیں۔

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ ریاض اور انصار علی گڑھ تھے۔ انصار "سیکنڈ ایر" میں اور ریاض "فورتھ ایر" میں پڑھ رہے تھے۔ ایک دن حبیب الٰہی کے پاس اکبر پور، اور محمد احسان کے پاس سہارن پور، علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کا تار پہنچا حالت نازک ہے فوراً آؤ۔ حبیب الٰہی بچارے بڈھے آدمی۔ بیٹے بیٹیاں گنوا کر اب بڑھاپے کا سہارا یہ نواسا اور ایک پوتی ہی تو تھی، تار پا کر سخت بدحواس اور پریشان ہوئے اور اسی وقت علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو سب سے پہلے ناخدایانِ کالج سے ملے۔ صورتِ حالات سے آگاہی ہوئی کہ مولانا محمد علی مولانا ابوالکلام اور دوسرے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں جو لڑکوں کو، "ورغلا" رہے ہیں کہ کالج چھوڑ دو اور "بغاوت" پر آمادہ کر رہے ہیں۔ سارے کالج میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ لڑکے جوش میں بھرے ہوئے نت نئے منصوبے سوچتے بناتے اور بگاڑ دیتے "بھانت بھانت" کے "والدین" جمع تھے جو لڑکوں کو سمجھا کر، دھمکا کر، زبردستی کر کے ساتھ لے جاتے تھے۔ حبیب الٰہی نے انصار اور ریاض دونوں کو بلا کر بہت سمجھایا لیکن انھوں نے دیکھا کہ دونوں لڑکے "باغی" ہو گئے ہیں۔ انصار تو جوش میں بپھرا ہوا ہے۔ لیکن ریاض سنجیدگی سے غور و فکر کر رہے ہیں۔ حبیب الٰہی نے دیکھا کہ سمجھانا بجھانا بے کار ہے۔ لڑکوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ ان کی سب دلیلوں کو چند لفظوں میں رد کر دیتے ہیں تو غصے سے بدحواس ہو گئے۔ ریاض پر تو کوئی بس نہیں تھا

لیکن وہ یہ کیسے گوارا کر لیتے کہ انصار، ان کا نواسا، جس پہ اُن کی آئندہ نسل کا انحصار ہے، جو ان کا نام چلانے والا ہے، وہ یوں دین دُنیا سے جاتا رہے!! اور پھر ان کا حکم (وہ حکم جسے آج تک کسی نے نہیں ٹالا) نہ مانے!!! سخت ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کان پکڑ رات کی گاڑی سے انصار کو لے کر روانہ ہو گئے۔

وہ اُدھر روانہ ہوئے اس طرف محمد احسان پہنچ گئے۔ وہ خود خلافت کے حامی اور آزاد خیال آدمی تھے۔ چچا بھتیجے میں گھنٹوں بحث ہوئی۔ دونوں دوسرے کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کوشش کرتے رہے وہ کہتے یہ ہماری مادر کالج ہے۔ ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے اسی سے علم کی دولت پائی۔ یہ مسلمانوں کی واحد درس گاہ ہے۔ اسے چھوڑ دینا اسے نقصان پہنچانا ہے۔ ریاض کہتے جب مسلمانوں کا کالج مسلمانوں کی روایات کو برقرار نہ رکھے، وہ غلامی کی تعلیم دے اور غلام پیدا کرے جہاں خیال اور ضمیر تک کو آزادی نہ حاصل ہو جو دوسروں کی خوشامد اور چاپلوسی میں ملتِ اسلامی کو نقصان پہنچائے، اسے محض مسلمانوں کی واحد درس گاہ سمجھ کر اس کا احترام کرنا اور اس میں پڑھنا غلط ہے بے کار ہے۔ جب اصولی بحث میں محمد احسان نہ جیت سکے تو خاندان کی حالت اور ریاض کی ذمّہ داریوں کو یاد دلایا کہ یہاں سے چلے گئے تو پھر کیا کرو گے۔ کوئی اور یونیورسٹی تمھیں نہیں لے گی اور تمھاری اعلیٰ تعلیم کا منصوبہ دل کا دل ہی میں رہ جائے گا ــ غرض بہت دیر تک ان کو سمجھایا۔ اس پہ ریاض چُپ ہوئے کیونکہ انھیں اپنی مالی حالت اور اپنی ذمّہ داریوں کا پورا احساس تھا۔

رات کو اولڈ بوائز لاج میں پھر جلسہ ہوا۔ جلسے میں ریاض چچا کو بھی لے گئے۔ مولانا محمد علی کی تقریر نہایت پُر جوش اور پُر اثر تھی۔ ان کے بعد لڑکوں نے بولنا شروع کیا۔ ایک لڑکے نے تجویز پیش کی، کہ اگر بزرگانِ قوم ہمیں اس ادارے سے الگ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری تعلیم کا کوئی دوسرا بہتر انتظام کریں تبھی ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اس پر پہلے بہت شور و غل مچا۔ کئی لڑکوں نے اس کی مخالفت کی اور بُرا بھلا کہا۔ لیکن بعض سمجھ دار اور دور اندیش لوگوں نے اس کی تائید کی کہ بات ٹھیک ہے۔ ذاکر حسین صاحب نے بھی اس کی حمایت میں تقریر کی۔ قصہ مختصر تجویز منظور ہوئی کہ قوم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمان لڑکیوں کے لئے بہتر تعلیم کا انتظام کرے تاکہ وہ موجودہ درس گاہ کو چھوڑ کر وہاں تعلیم پا سکیں۔

اگلے دن ریاض کی درخواست پر مولانا محمد علی نے محمد احسان کو بلا کر سمجھایا وہ مولانا کے معتقد اور دوست تھے مگر اس امر پر ان سے متفق نہ ہو سکے ان کی دلی آرزو تھی کہ ریاض اعلےٰ تعلیم پائے، بڑا عہدہ ملے، اور خاندان کی حالت سنوارے۔ لیکن اب وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ لڑکا مستقل مزاج ہے ایک بات ٹھان چکا ہے اور اس وقت ساری قوم اس کی طرف دار ہے اور چچا کا انتہائی لحاظ کرنے کے باوجود ان کی عدول حکمی کرنے پر تیار ہے تو وہ مجبور ہو گئے۔ انھوں نے بھاوج کو مفصّل خط لکھا اور خود سہارن پور چلے گئے۔

ہمیں تفصیلات سے بحث کرنا نہیں مختصر یہ کہ ۲۹ر اکتوبر کو قوم کے مدبر اور اکابر لیڈروں کے ہاتھوں جن میں مولانا محمود الحسن، حکیم اجمل خاں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، عبدالمجید خواجہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

نئی قومی درس گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد پڑ گئی۔ اس پر ان جانبازوں کو اپنی ہی مادر کالج سے، اپنی ہی بنوائی عمارتوں سے پولیس کے ہاتھوں نکالا گیا۔ پھونس کے بنگلوں اور خیموں میں نئے کالج کی ابتدا ہوئی بہت سے اولوالعزم، لائق اور ذہین طالب علم اور اُستاد پُرانا کالج چھوڑ کر اس بے سرو سامان درس گاہ میں آکر شامل ہوگئے اور انتہائی جوش وخروش پاکیزہ خیالات اور نیک ارادوں کے ساتھ اس کالج کا کام شروع ہوا ان مجاہدوں میں ریاض بھی تھے۔

نسیمہ کو ریاض اور احسان کے خطوں سے حالات معلوم کرکے بہت صدمہ ہوا۔ کچھ ریاض کے مستقبل سے مایوسی اور کچھ اس کا قلق کہ چچا بھتیجے سے ناراض ہوگئے۔ انھوں نے بیٹے کو ناراضگی کا خط لکھا۔ ریاض چھٹی لے کر اکبرپور آئے اور جس حد تک وہ سمجھ سکتی تھیں ماں کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کوشش کی اور اُن کو تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں آئندہ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔ چچا کی ناراضگی کا خود ریاض کو بہت رنج تھا ماں بیٹے دونوں نے انھیں خط لکھے۔ بیٹے نے معافی کا ماں نے سفارش کا۔ جواب سے ریاض کو اطمینان ہوگیا لیکن نسیمہ کو نہیں ہوا کیونکہ وہ دیور کی طبیعت سے زیادہ اچھی طرح واقف تھیں لیکن یہ جانتی تھیں کہ ان کی ناراضگی ضد کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ سچے دل سے بھتیجے کی بہبود اور فلاح کے خیال سے منع کرتے تھے لیکن حبیب الٰہی کی طرح جوان لڑکوں پر سختی کرنا روا نہیں سمجھتے۔

ہفتے بھر ہی میں ریاض کے خیالات کا اثر عذرا پر بہت ہوا۔ وہ اپنے بھائی کو دُنیا کا سب سے زیادہ عقلمند آدمی سمجھتی اور اس کی رائے کو بالکل

صحیح رائے مانتی تھی۔ بھائی کی وجہ سے اُسے بھی آزادی، خلافت، جامعہ، قوم، کھدر، چرخہ، مولانا محمد علی اور گاندھی جی وغیرہ سے کچھ واقفیت اور ہمدردی پیدا ہو گئی اور ان کی محبّت کا بیج اس کے دل میں بو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ابھی ان چیزوں کا مفہوم بہت کم سمجھتی تھی اور اس کے لئے یہ سب الفاظ تقریباً بے معنیٰ تھے۔ ہاجرہ تو گویا اس کی تابع مہمل تھی اور جو عذرا کے خیالات اور رائے ہوتی وہی اس کی ہوتی تھی۔

حبیب الٰہی زبردستی انصار کو پکڑ تو لائے تھے مگر اب اس کی ناراضگی اور دنیا سے بیزاری سے بہت پریشان تھے۔ وہ نہ کسی سے ملتا جلتا نہ ہنستا بولتا تھا سارے دن اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ اس کا دل اس وقت ساری دنیا سے باغی ہو رہا تھا، خصوصاً ریاض کا اپنی رائے اور ارادے کی مضبوطی کی وجہ سے کامیاب ہونا اور خود اُس کا نانا کی سختی سے مغلوب ہو جانا بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ عذرا اور ہاجرہ نے اپنی سمجھ کے موافق اس کی دلدہی کی کوشش کی مگر سب بےکار گئی۔

حبیب الٰہی نے نسیمہ اور احسان سے مشورہ کیا اور انصار کو چند مہینے کے لئے اس کی پھوپی کے پاس حیدر آباد بھیج دیا اور لکھ دیا کہ سختی سے نگرانی کی جائے۔

لڑکیوں کا اسکول ابھی تک محکمۂ تعلیم سے منظور نہیں ہوا تھا۔ محمد احسان، ریاض اور انصار کے مشورے سے کورس بنتا تھا۔ صرف ساتویں آٹھویں کا کورس پنجاب کا رکھا گیا تھا۔ اس سال عذرا، رضیہ، شانتی اور اندرا مڈل کی تیاری میں مصروف تھیں۔ فروری ۱۹۲۱ء میں پہلی سنٹر سے انھوں نے

امتحان دیا۔نسیمہ، مسز نعیم اور ایک اُستانی اُن کے ساتھ گئیں۔نسیمہ پر خرچ کا خاصا بار پڑا۔ ایک طرف ریاض کی فکر تھی۔ وظیفہ بند ہوگیا، فیس کی معافی ختم ہوئی۔اب وہ ٹیوشن سے کام چلا رہے تھے۔نسیمہ کو ہر وقت فکر رہتی کہ ریاض خرچ کی دقّت اُٹھا رہا ہوگا۔ عذرا امتحان دے کر واپس آئی تو ریاض کے بھیجے ہوئے پچاس روپے اور خط ملا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ ایک مضمون پر مجھے یہ انعام ملا ہے جسے میں عذرا کے امتحان کے خرچ اور آئندہ کے کورس کے لئے بھیج رہا ہوں۔نسیمہ اور عذرا کو بہت خوشی ہوئی۔لیکن فرخ کو بہت ناگوار گزرا۔

مسز نعیم جب سے اسکول میں کھدّرا اور چرخے کا زور ہوا تھا اسکول کے مستقبل سے مایوس ہوگئی تھیں۔ اسکول پر نسیمہ اور عذرا کا بہت اثر تھا ماں سرپرست تھیں اور بیٹی اسکول کی سب سے بڑی جماعت کی طالب علم اور لڑکیوں و اُستانیوں کی محبوب اور پھر تمام کام انتظام میں اُستانیوں کی مددگار۔ مسز نعیم نسیمہ سے بہنوں جیسی محبّت کرتی تھیں مگر رشک اور خود نمائی کے شوق سے، جو انسانی فطرت کی کمزوریوں میں سے ہے، وہ بھی مُبرّا نہ تھیں۔ اسکول پر وہ اپنا اثر بڑھانا چاہتی تھیں، اُدھر رضیہ اور عذرا میں بات بات پر مقابلہ ہوتا اور اکثر جیت عذرا کی رہتی۔ غرض مسز نعیم اور رضیہ نے خان بہادر کو اپنا ہم خیال بنایا۔ وہ شروع میں اس اسکول کے کچھ حامی نہ تھے۔ کسی ایسے کام میں روپیہ لگانا جس میں کامیابی اور شہرت کی اُمید کم ہو اُن کے اصول کے خلاف تھا۔ لیکن اب اسکول اپنی ابتدائی مشکلات جھیل چکا تھا اور ڈھائی سال سے کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ پچاس کے قریب لڑکیاں، چار اُستانیاں، چندوں اور فیسوں سے سو روپیہ ماہوار

سے زیادہ آمدنی ـــــ تھوڑی سی کوشش سے اسکول محکمۂ تعلیم سے منظور ہوکر ہائی اسکول بن سکتا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ اور ناموری اور شہرت مُفت میں۔ اور بیوی بیٹی کی خواہش کے مطابق اسکول پر قبضہ بھی۔ انھوں نے منظور کرلیا کہ آٹھویں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا تو وہ اسکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔

مسز نعیم نے خوش اسلوبی سے اسکول کی عمارت کا چھوٹا ہونا، اور بعض دیگر مشکلات نسیمہ کو بتائیں اور کہا کہ اگر اسکول میرے مکان کے نزدیک آجائے تو میں زیادہ وقت نگرانی میں صرف کرسکوں گی۔ نسیمہ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ محمد احسان اور حبیب الٰہی سے ذکر آیا، تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ اگر آپ اور ڈپٹی صاحب اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اس سے بہتر کیا ہے۔ ہم اُس وقت بھی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں گے۔

مسز نعیم نے اپنی کوٹھی کے قریب ایک ہندو وکیل کی چھوٹی سی کوٹھی جس کا بڑا سا احاطہ تھا اسکول کے لئے کرایہ پر لے لی اور معاملہ طے ہوگیا کہ چھٹیوں کے بعد اسکول وہاں اُٹھ جائے گا۔ عذرا اور ہاجرہ کو قدرتی طور پر اپنے گھر سے دوسری جگہ اسکول چلے جانے کا بہت افسوس ہوا۔ ساتھ ہی چھُپا ہوا یہ خیال بھی دل میں موجود تھا کہ وہاں رضیہ کی زیر حکومت رہنا پڑے گا۔ ہاجرہ تو نام تک کٹانے پر آمادہ تھی مگر عذرا نے باوجود تیز مزاج ہونے کے سمجھ سے کام لیا وہ سچے دل سے علم کی شائق تھی اس لئے اس نے ہاجرہ کو بھی سمجھایا اور خود بھی طے کیا کہ اس معاملے میں نہ ایک لفظ منھ سے نکالیں گے نہ کسی پر یہ ظاہر ہونے دیں گے کہ ہمیں یہ بات بُری لگی ہے۔

نتیجہ نکلا عذرا اور شانتی فرسٹ ڈویژن میں اور رضیہ اور راندرا سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوئیں۔ رضیہ کی کامیابی کی خوشی میں پارٹی دی گئی۔ باپ بھائی اور بعض دوسرے عزیزوں نے تحائف بھی دیئے۔

عذرا کی کامیابی کی بھی گھر بھر کو بہت خوشی ہوئی۔ محمد احسان اور ریاض خاص طور پر بہت خوش تھے۔ محمد احسان نے عذرا سے پوچھا "کیا انعام لوگی" وہ تو جیسے سوچے ہی بیٹھی تھی پٹاخ سے بول پڑی "میٹرک کا کورس" ریاض نے کئی خوبصورت کاپیاں قلم اور پنسلیں لاکر دیں۔ حبیب نانا نے چاندی کی دوات انعام میں دی اور ہاجرہ نے ایک خوبصورت جیومیٹری بکس منگا کر تحفۃً دیا۔

پندرہ دن بعد ایک پارسل عذرا کے نام آیا کھولا گیا تو دیکھا کہ الفصار نے "پریم پچیسی" اور "پریم بتیسی" منشی پریم چند کی دو تازہ تصانیف "اپنی ہمنی سی بھانجی کی شاندار کامیابی کی خوشی میں" بھیجی تھیں۔

اس مرتبہ اسکول مسز نعیم کے پاس اور ان کے انتظام میں کھلا جان بہادر کی کوشش سے آٹھویں تک کا اسکول منظور ہوگیا اور "ایڈ" ملنے لگی۔ نویں جماعت کھولنے کا بھی انتظام کیا گیا اور ایک استانی پرائیویٹ طور پر اس کے لئے رکھی گئی۔ نویں کی فیس کم سے کم آٹھ روپے مقرر ہوئی تاکہ اس طرح استانی کی تنخواہ نکل آئے۔ اسکول دور جانے کی وجہ سے تانگے کا خرچ بڑھ گیا اور فرخ وسیدہ کی فیس بھی بڑھ گئی۔ نسیمہ کے لئے مزید آٹھ دس روپے کا خرچ برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ انھوں نے نرمی سے بیٹی کو سمجھا دیا۔ عذرا مان تو گئی مگر اسے بہت قلق ہوا۔ سب لڑکیاں اسکول چلی جاتیں اور وہ اکیلی چپ چاپ پڑھتی رہتی۔ مگر کوئی مدد دینے والا نہیں تھا اس لئے فکرمند تھی کہ کیسے تیاری کروں گی۔ آخر محمد احسان

کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھاوج سے کہا کہ عذرا کو اسکول بھیجنا شروع کرو اس کی فیس میں دوں گا۔ مہینے بھر بعد عذرا بھی نویں میں داخل ہوگئی۔ رضیہ کو بڑی خوشی تھی کہ عذرا کا کانٹا نکل گیا۔ وہ دوبارہ آئی تو اسے بہت ناگوار گزرا۔ اس دفعہ عذرا اسکول آئی تو سب باتوں سے الگ تھلگ رہتی بس چُپ چاپ پڑھا اور گھر کی راہ لی۔ رضیہ ہر جگہ پیش پیش تھی اور موقع بے موقع اشارے کنائے سے یہ جتا دیتی کہ اب اسکول پر ہمارا قبضہ ہے۔ عذرا چپ رہتی مگر ہاجرہ جس میں اب بہت تیزی اور طراری آگئی تھی رضیہ کا توڑ تھی۔ وہ ہر معاملے میں اس سے دو بدو جواب سوال کرتی۔ ایک دن عذرا "بلاوی" کو کسی کام کے لئے بھیج رہی تھی رضیہ بیچ میں کود پڑی اور اسے منع کر دیا کہ پہلے یہ نہیں فلاں کام کرے۔ بات میں بات نکلنے لگی اور دونوں میں خاصی جھڑپ ہوگئی۔ عذرا نے کہا "میں تم سے تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی تم آخر بیچ میں کیوں بول پڑیں"۔ رضیہ نے چمک کر جواب دیا "جی اب اسکول پر آپ کا سکہ نہیں چل سکتا۔ وہ دن لد گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔ اب اسکول پر ہمارا راج ہے"۔ عذرا کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئی صرف اتنا کہا "ہاں ہاں میں پہلے ہی سے جانتی ہوں کہ تمھارا راج ہے اسی لئے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتی"۔ مگر ہاجرہ اندرا اور یاسمین تینوں رضیہ کے پیچھے پڑ گئیں کہ تم نے یہ بہت نازیبا بات کہی۔ اور اسے قائل کر کے چھوڑا۔

عذرا اس واقعہ کے بعد سے اور بھی الگ تھلگ رہنے لگی۔ اس سال فرخ، ہاجرہ اور یاسمین نے دہلی جا کر آٹھویں کا امتحان دیا۔ عذرا اور ہاجرہ کی ملازمہ ساتھ گئی تھیں۔

دسواں باب

ریاض بی۔ اے کا امتحان دے کر واپس آئے تو بہت افسردہ اور پریشان رہتے، نہ پہلی سی بذلہ سنجی نہ ظرافت نہ خوش طبعی۔ اُن کا مسکراتا ہوا شگفتہ چہرا مُرجھا سا گیا تھا۔ نسیمہ ان کی حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتیں بیٹھے سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس عرصے میں محمد احسان آئے تو انھوں نے دیور کو ریاض کی حالت بتائی کہ کس قدر اُداس اور خاموش رہتا ہے۔

احسان۔ مجھے تو یہ سب پہلے ہی نظر آرہا تھا۔ لاکھ سمجھایا ہر قسم کے نشیب و فراز دکھائے مگر انھیں تو قوم کی خدمت، ملک کی بہبودی اور آزادی کی دُھن سوار تھی۔ وہ شخص کیا ملک اور قوم کی خدمت کرے گا جو اپنے خاندان کی خدمت بھی نہ کر سکے، جسے اپنے حالات کا احساس نہ ہو۔

اب پچھتا رہے ہیں۔

نسیمہ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) تم سچ کہتے ہو مگر بھائی اسے طبیعت کی یہ اُفتاد باپ سے ورثے میں ملی ہے۔ مجھ سے تو اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ دشمنوں کی صحت پر بُرا اثر پڑا تو میں کس کی ماں کو ماں کہوں گی؟ بتاؤ کیا کروں۔

احسان۔ میں کیا بتاؤں مجھے تو اس نے مشورہ دینے کے حق سے بھی محروم کردیا۔ ایک مرتبہ وہ میری بات ٹھکرا چکا اب کس مُنہ سے اُسے کوئی صلاح دوں۔

نسیمہ۔ احسان میرے بھائی خدا کے لئے تم ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ تم اس کا بُرا بھلا نہ بتاؤ گے تو پھر اور کون بیٹھا ہے اس کا؟ اپنے بچوں سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ بزرگ معاف کر دیتے ہیں۔

احسان۔ بھابی میری ناراضگی اس پر نہیں کہ اس نے میرا کہنا کیوں نہیں مانا مجھے تو افسوس اس کا ہے کہ اس نے اپنے خاندان کے مستقبل کا خیال نہ کیا۔ اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر کیا مجھے صدمہ نہیں ہوتا؟ اس کا ایسا اچھا دماغ اور ذہن ہے کہ وہ بہت آسانی سے سول سروس میں آجاتا۔ یورپ جانے کے لئے وظیفہ مل جاتا۔ تعلیمی ترقی کا موقع بھی ملتا اور یہ مصیبت کے دن بھی کٹ جاتے۔ مگر اب تو خود اُس نے سب دروازے اپنے لئے بند کر دیئے میرے پاس اگر روپیہ ہوتا تو کچھ بھی بات نہ تھی میں اسے یورپ بھیج دیتا اور وہ وہاں سے کوئی اچھی ڈگری لے آتا۔ اب تو یہ نظر آرہا ہے کہ وہ جھینک کر کہیں چالیس پچاس کی نوکری مل جائے تو مل جائے اسے یہ خیال بھی نہ ہوا کہ میری تین بہنیں ہیں جن کی تعلیم بیاہ شادی سب مجھے کرنی ہے ـــــ افسوس اس کی عقل پر۔

نسیمہ خاتون کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ احسان متفکر کچھ دیر اور بیٹھے رہے پھر اُٹھ کر چلے گئے۔

انصار کو حبیب الٰہی نے عثمانیہ یونی ورسٹی میں جو ۱۹۲۰ء ہی میں قائم ہوئی تھی داخل کرادیا تھا۔ وہ ایف۔ اے کا امتحان دے کر ابھی واپس آئے تھے۔ شام کو ریاض اور انصار ٹہل کر واپس آئے کچھ دیر باتیں کرتے رہے انصار کے جانے کے بعد نسیمہ نے موقع دیکھ کر بیٹے سے کہا "میاں اب کیا ارادہ ہے؟"

ریاض "اماں میں اس سوچ میں ہوں کہ کیا کام شروع کروں میں اپنے کئے پر پچھتاتا نہیں۔ اچھے کام کے بعد انسان کو ہرگز پشیمانی نہیں ہوتی مگر مجھے اس کا رنج ہے کہ میں آپ کے اور بہنوں کے آرام کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ گھر کی مالی حالت دیکھ کر فکر میں گھلا جاتا ہوں۔ میں خود تو کم سے کم خرچ میں گذارہ کرسکتا ہوں مگر آپ لوگوں کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی"۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ریاض کرتے رہے۔ ماں نے تسلی دی کہ "تم ہماری فکر نہ کرو جیسے سات آٹھ سال سے گزر ہو رہی ہے اب بھی ہو گی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر احسان ہے کہ اس نے ہزاروں سے بہتر حالت میں رکھا ہے کسی کے محتاج نہیں۔ عزت آبرو کے ساتھ گزارہ ہو رہا ہے۔ یہ بتاؤ اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے اور پڑھو گے یا نوکری کروگے"۔

ریاض۔ اماں آرزو تو یہ تھی کہ یورپ جاؤں مگر بغیر پیسے کے یہ کیسے ممکن ہے!

نسیمہ۔ تم کہو تو جائداد میں سے دو چار ہزار کی کوئی چیز فروخت کردی جائے۔

ریاض۔ نہیں اماں ایک تو پہلے ہی آمدنی کم ہے دوسرے تین چار سال کے لئے کم سے کم بارہ پندرہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ اتنے میں کیا کام چلے گا!

نسیمہ۔ (متفکر ہو کر) اتنی رقم تو ناممکن ہے۔

ریاض۔ اگر کہیں سے قرض مل سکتا تو کتنا اچھا تھا۔ پھر میں انشاءاللہ قسط وار ادا

کر دیتا۔ مگر کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو بغیر سُود کے قرض دے دے ۔۔۔ اماں آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے کئی جگہ نوکری کے لئے درخواست دی ہے کہیں نہ کہیں پچاس ساٹھ کی جگہ مل ہی جائے گی، کچھ تو آپ کی فکروں میں کمی ہو گی۔ نسیمہ بڑی رات گئے تک بیٹے سے باتیں کرتیں اور اُسے تسلی دیتی رہیں۔

عذرا جب سے بھائی آئے تھے اُن کی افسردگی کو محسوس کر رہی تھی مگر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتی تھی کہ وجہ کیا ہے۔ اتفاق سے اُس نے ماں اور چچا کی گفتگو سُنی اور پھر رات کو جب نسیمہ اور ریاض میں باتیں ہوئیں اس وقت بھی وہ جاگ رہی تھی۔ اب اسے پتہ چلا کہ کیوں اماں، بھائی جان اور چچا جان آج کل اس قدر پریشان ہیں۔ وہ رات بھر جاگتی اور دُعائیں مانگتی رہی کہ یا اللہ کوئی ایسی تدبیر نکل آئے کہ بھائی جان کے ولایت جانے کا انتظام ہو جائے اور وہ وہاں سے بہت "بڑے آدمی" بن کر واپس آئیں۔ کبھی سوچتی کیا اچھا ہو کہ صبح کو غسل خانے میں مُنہ دھوتے ہوئے کوئی سُوراخ نظر آئے اور جب اُسے کھودا جائے تو بہت سی اشرفیاں یا پندرہ ہزار روپیہ دیگ میں بھرا ہوا مل جائے (بچاری نے ایک قصہ سُنا تھا کہ شہر میں کسی کو اس طرح خزانہ مل گیا) یا علاءالدین کا چراغ مل جائے تو کیسا ہو۔۔۔ شاید ہمارے اباّ نے کبھی کسی بنک میں روپیہ جمع کیا ہو۔۔۔ کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔۔۔ اب پتہ چلے کہ پندرہ بیس ہزار روپیہ بنک میں جمع ہے۔۔۔ کیسا اچھا ہو۔ رات بھر یہ چھوٹی سی لڑکی تخیل کی وادیوں میں بھٹکتی اور خیالی پُلاؤ پکاتی رہی۔

ایک منٹ کو نیند نہیں آئی۔ صبح کی اذان کی آواز سُن کر اُٹھی وضو کر کے نماز پڑھی اور بڑی دیر تک دُعائیں مانگتی رہی۔ ریاض اور نسیمہ بھی اُٹھ گئے۔ ریاض نے پوچھا "کیا بات ہے عذرا آج بڑی جلدی اُٹھ گئیں"۔ عذرا نے بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "کچھ نہیں بھائی جان۔ رات نیند ہی نہیں آئی"۔ ریاض نے دیکھا کہ عذرا کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے ہیں مگر اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں؟

دوپہر کو ہاجرہ آئی تو عذرا کو کسی سوچ میں غرق اور فکرمند پایا۔

ہاجرہ۔ کس فکر میں بیٹھی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم فلسفی نہ ہو جاؤ۔

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاجرہ نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی ہیں۔ ہاجرہ پریشان ہو گئی "کیا ہوا اصغر اسے لڑائی ہو گئی؟ فرخ باجی نے کچھ کہا ہو گا؟ اماں نے ڈانٹا؟ بھائی جان تو کچھ کہتے نہیں ہیں میں سمجھ گئی ضرور انصار بھائی سے لڑائی ہوئی ہے۔ پہلے ہی سے کیا کم بدمزاج تھے اب تو حیدر آباد جا کر اور بھی اکھڑ اور چڑچڑے ہو گئے ہیں۔ ٹھیر تو جاؤ آج کیسی ان کی خبر لیتی ہوں"۔ عذرا کو ہنسی آگئی۔

عذرا۔ انصار ماموں بچارے سے تو، جب سے وہ آئے ہیں بات بھی بہت کم ہوئی ہے لڑائی کا بھلا کیا ذکر ـــــ اور تمھارے باقی تمام قیاسات بھی غلط ہیں۔ نہ میں کسی سے لڑی نہ کسی نے مجھے کچھ کہا۔

ہاجرہ کے اصرار پر عذرا نے سب باتیں اسے بتائیں وہ غور سے سُنتی اور ماتھے پر بل ڈال کر کچھ سوچتی رہی۔ اس نے عذرا کو تسلی دی کہ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ضرور کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے گا۔ ریاض بھائی نے بڑا اچھا کام کیا ہے اس کا اجر انھیں ضرور ملے گا۔ یہاں سے جا کر پہلے تو ہاجرہ اپنے کمرے میں بیٹھی بڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی آخر انصار کو اپنے کمرے میں بلایا اور عذرا کی گفتگو اسے سُنائی۔ کچھ دیر تک دونوں صلاح مشورہ کرتے رہے۔

شام کو انصار نسیمہ کے ہاں آئے۔ ریاض باہر تھے اور فرخ اور نسیمہ جمیلہ خاتون کے ہاں گئی ہوئی تھیں صرف عذرا اور رشیدہ گھر پر تھیں۔ انصار نے پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر ریاض کا ذکر چھیڑا اور آخر عذرا سے سب کچھ کہلوا لیا۔

عذرا۔ انصار ماموں کوئی ایسی انجمن نہیں جہاں سے غریب لڑکوں کو تعلیم کے لئے روپیہ مل جایا کرے اور جب وہ نوکر ہو جائیں تو اُن سے وصول کر لیا جائے۔

انصار۔ عذرا ہمارے اس عجیب و غریب ملک کی ریت ہی نرالی ہے یہاں پیسے والے لوگ دنیا بھر کی فضولیات، لہو و لعب، عیش و عشرت میں روپیہ برباد کریں۔ نام و نمود کی خاطر پیٹ بھروں کو کھلائیں۔ سرکار کی خوشامد اور خطابوں کی آرزو میں لاکھوں روپیہ لٹائیں۔ جنگ میں انسانی خون کی ہولی کھیلنے کے لئے ہزاروں روپیہ چندہ دیں، رسم و رسوم شادی بیاہ میں اتنا خرچ کر دیں کہ دیوالیہ ہو جائیں مگر خدا نہ کرے جو ذہین اور شوقین لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی انتظام کریں یا کسی اچھے اور مُفید کام میں روپیہ صرف کریں۔

عذرا۔ (اُداس ہو کر) نہ جانے ان امیروں کے دل کیسے ہوتے ہیں۔ میرے پاس روپیہ ہوتا تو سب کا سب شوقین لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیتی۔

انصار۔ (مُسکرا کر) جب ہو گا تو اپنے اس نیک ارادے کو بھول نہ جانا۔

عذرا۔ (مُنہ بنا کر) میرے پاس کبھی روپیہ نہیں ہو گا۔ مجھے روپیہ جمع کرنے کا شوق نہیں۔ ہاں کبھی کبھی کسی غریب کو دینے یا اسکول کے لئے یا تعلیم پانے کے لئے جی چاہتا ہے کہ بہت سا روپیہ ہو۔

انصار۔ میرے والد مرحوم کا دس بارہ ہزار روپیہ میرے نام حیدرآباد بنک میں جمع ہے۔ ریاض بھائی وہ لے کر یورپ چلے جائیں۔ میں ابھی قانونی طور پر بالغ نہیں لیکن نانا ابّا چاہیں تو روپیہ نکلوا سکتے ہیں۔

عذرا نے محبت اور عقیدت کی نظروں سے انصار کو دیکھا۔ "انصار ماموں تم کتنے اچھے ہو ــــــ مگر اماں اور بھائی جان اس پر تیار نہ ہوں گے۔"

انصار۔ کیوں نہ ہوں گے۔ اس میں عیب کیا ہے۔

عذرا۔ (کچھ دیر سوچ کر) تم امیر آدمی ہو اس لئے غریبوں کے دل کا حال نہیں جان سکتے۔ تم سمجھتے ہو کہ جس کے پاس پیسہ نہ ہو اس میں غیرت اور خودداری بھی نہیں ہوتی ــــــ نہیں اس میں امیروں سے زیادہ احساسِ خودداری ہوتا ہے۔ اماں ہرگز کسی کا احسان لینا گوارا نہ کریں گی۔

انصار۔ (آزردہ ہوکر) میں تو آپا جان کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں ہاں وہ مجھے غیر سمجھیں تو اور بات ہے ــــــ اور عذرا یہ تم نے مجھے امیر کیوں کہا ــــــ نانا ابّا کے پاس روپیہ جائداد ہوگی، تو اس سے میرا کیا تعلق۔ خرچ کی طرف سے بے فکر سہی مگر وہ روپیہ میرا تو نہیں ــــــ میں تو خود ایک لاوارث لڑکا ہوں ــ وہ جو دس بارہ ہزار روپیہ ہے اس کی آمدنی ہی کتنی، میں تو تم سب سے زیادہ غریب اور بے کس ہوں۔

عذرا۔ (انصار کی دلدہی کرتی ہوئی) میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ تم خواہ مخواہ خفا ہوگئے ہیں نے تو ایک عام بات کہی تھی۔ اچھا اب معاف کردو۔

انصار۔ ایک شرط پر۔ آئندہ مجھے امیر نہ کہنا۔

عذرا۔ (مسکراکر) اچھا اب نہ کہوں گی۔

انصار نے پھر ذکر چھیڑا۔ ریاض بھائی کو اس میں تامل کیا ہوگا۔

ہیں کوئی ان کو روپیہ دے تھوڑا ہی رہا ہوں۔ بنک میں بے کار پڑا ہے اُن کے کام آجائے گا اور جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں ریاض بھائی سے لے لوں گا۔ عذرا لاجواب ہو کر چپ ہوگئی۔ انصار گھر گئے تو ہاجرہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں حبیب الٰہی صاحب کے پاس چلے گئے اور بڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔

تین چار دن بعد کا ذکر ہے نسیمہ، ریاض اور عذرا گھر پر تھے باقی سب لڑکیاں اسکول گئی ہوئی تھیں۔ باہر سے کسی کے لکڑی کھٹکھٹانے کی آواز آئی ــــ نسیمہ نے کہا ریاض میاں دیکھنا شاید نانا ابا ہیں۔ ریاض لپک کر باہر گئے اور حبیب الٰہی کے ساتھ اندر واپس آئے نسیمہ نے سلام کیا انھوں نے دُعا دے کر سر پہ ہاتھ پھیرا اور گاؤ تکیئے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

حبیب الٰہی۔ ریاض بھئی سُنا ہے تم ولایت جا رہے ہو؟

دونوں ماں بیٹے نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور چُپ ہو رہے۔

حبیب الٰہی۔ ارے میاں بولتے کیوں نہیں اس میں شرم کی کیا بات ہے۔

نسیمہ۔ نانا ابا آپ سے کسی نے یوں ہی کہہ دیا ہوگا۔ ولایت جانے کا تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔

حبیب الٰہی۔ (کھنکھار کر) پھر کیا ارادہ ہے۔ خدا جانے آج کل کے لڑکوں کو بے کاری سے کیا اُلفت ہے۔

ریاض۔ (ندامت سے) کئی جگہ نوکری کی درخواست دی ہے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔

حبیب الٰہی۔ کیسی سرکاری نوکری؟
ریاض۔ جی نہیں سرکاری نوکری تو اب مل ہی نہیں سکتی
حبیب الٰہی۔ ہوں ـــ یہ پہلے نہ سوچا ـــ ایسی ویسی نوکری کس کام کی۔
کتنی تنخواہ کی نوکری ملنے کی اُمید ہے؟
ریاض۔ (ڈرتے ڈرتے) یہی کوئی چالیس پچاس کی۔
حبیب الٰہی۔ چالیس پچاس کی! تمھیں شرم نہیں آئے گی ایسی ذلیل نوکری کرتے؟ بزرگوں کا نام ڈبوؤ گے؟
ریاض۔ اس میں شرم کی یا نام ڈبونے کی کیا بات ہے۔ محنت کرکے کھانا ذلت نہیں۔ مُفت کی روٹیاں توڑنا شرم کی بات ہے۔
حبیب الٰہی۔ (ڈانٹ کر) کیا بکواس کرتے ہو۔ یہ سب بے ہمتی کی باتیں ہیں جانتے ہو باپ کا نام کتنا بڑا تھا؟ اُن کا بیٹا چالیس پچاس کی نوکری کرتا پھرے گا؟

ریاض کا چہرہ شرم اور غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ لیکن بزرگوں کا ادب کرتے تھے اس لئے بڑی کوشش سے ضبط کیا اور خاموش رہے۔
تھوڑی دیر بعد حبیب الٰہی پھر بولے "تم ولایت جاکر کوئی ڈگری کیوں نہیں لاتے؟" ریاض اب بھی چُپ رہے۔ نسیمہ نے کہا "ولایت جانا تو وہ خود چاہتا ہے مگر کیسے جائے؟"
حبیب الٰہی۔ کیوں کیا پاؤں میں مہندی لگی ہے یا ماں سے الگ نہیں ہو سکتے؟
نسیمہ۔ (آہستہ سے) جی یہ بات نہیں۔
حبیب الٰہی۔ پھر کیا بات ہے صاف کیوں نہیں بتاتیں؟
ریاض۔ (اب خاموش نہ رہ سکے) جناب مجھ جیسے غریب آدمی کے لئے

یورپ جانا کیا آسان ہے؟

حبیب الٰہی۔ وہاں ایسا کیا بہت زیادہ خرچ پڑے گا۔ یہی سو دو سو روپے مہینہ۔

ریاض۔ (مسکرا کر) آپ یہاں کے خرچ سے وہاں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر بے حد تنگی ترشی سے گزر کیا جائے تب بھی تین سو سے کم کا خرچ نہیں۔

حبیب الٰہی۔ یہ بھی ایسا زیادہ نہیں۔ بہر حال میری رائے ہے کہ تم ولایت ضرور چلے جاؤ۔

ریاض۔ (دبی زبان سے) آپ کے لئے زیادہ نہیں پر میری حیثیت سے تو بہت زیادہ ہے۔

نسیمہ۔ (بھرائی آواز سے) میرا خود یہی جی چاہتا ہے۔ اس کے باپ کی بھی یہی آرزو تھی ـــــ مگر آپ جانتے ہیں کہ میں اتنا خرچ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔

حبیب الٰہی۔ خیر روپیہ کا دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کاہے کی تعلیم کے لئے یورپ جاؤ گے۔

ریاض۔ (ہچکچا کر) جو بات ممکن ہی نہیں اس کو کیا بتاؤں۔

حبیب الٰہی۔ میرے پاس روپیہ ہے وہ لے لینا۔

نسیمہ۔ نہیں نانا ابا یہ نہیں ہو سکتا میں مرحوم کی روح کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی۔

حبیب الٰہی۔ (غصے سے) مرحوم کی روح کو صدمہ ہوگا تو اس سے ہوگا کہ ان کا لڑکا ذلیل نوکریاں کرتا پھرے ـــ روپیہ کم بخت انڈے تھوڑا ہی دیتا ہے میرا مدت سے قصد تھا کہ دو تین لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کر دوں گا۔ اب اپنے ہی بچے کو ضرورت ہے تو اسے دے دوں گا۔

نسیمہ۔ مگر نانا ابا.........

حبیب الٰہی۔ بیٹی تم اگر مگر کر کے مجھ بڈھے کے دل کو دکھا رہی ہو۔ جب سے احمدی کا انتقال ہوا تو میں نے اس کے حصّے کی جائداد کی آمدنی الگ رکھی ہے اور اسے کارِ خیر میں صرف کرتا رہتا ہوں۔ اس کو فوت ہوئے تیس سال ہو چکے ہیں۔ اب تک اس کے حصّے کی جائداد کی آمدنی سے بہت سے ایسے کام ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی بیس ہزار کے قریب بنک میں جمع ہے وہ میرے مصرف کا تو نہیں ہے ایسے ہی کاموں کے لئے ہے۔

نسیمہ۔ نانا ابا میرا دل قبول نہیں کرتا کہ خیرات کے روپے سے ریاض کو پڑھاؤں چھوٹی سے چھوٹی نوکری ذلت کی چیز نہیں مگر خیرات کا روپیہ ——

حبیب الٰہی۔ (گلوگیر آواز میں) احمدی زندہ رہتی تو کیا میں اس کے بچّوں کی تعلیم کا انتظام نہ کرتا۔ کیا اُسے بھی تم خیرات کہتیں؟ برسوں بعد تم سے مل کر میں نے تمھیں احمدی کی جگہ سمجھا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ اپنی اولاد میں اور دوسروں میں بہت فرق ہے —— خیر ——

نسیمہ۔ (محبت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر) آپ رنجیدہ نہ ہوں نانا ابا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

حبیب الٰہی۔ نہیں رنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر ایک کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ اچھا تو فی امان اللہ اب جا کر لیٹوں گا۔

ریاض۔ (جو کسی سوچ میں غرق تھے) آپ خفا نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔

حبیب الٰہی۔ کہو کیا کہتے ہو؟

ریاض۔ یہ روپیہ میں اس شرط پہ لینے کو تیار ہوں کہ بعد میں قسط وار ادا کرتا رہوں۔

حبیب الٰہی۔ (کچھ سوچ کر) اچھا۔ لیکن اس کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی کہ تم اس روپے کو مع سود کے جمع کرتے رہنا اور اس سے نادار اور غریب لڑکوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا۔

اب ریاض اور نسیمہ کچھ نہ کہہ سکے۔ بڑے میاں کی فیاضی، فراخ دلی اور محبت نے ان کو مجبور کر دیا وہ ان کے احسان کے نیچے دب سے گئے نسیمہ نے بمشکل اتنا کہا "نانا ابا میں آپ کی عنایت عمر بھر ——"

ریاض نے ان کا ہاتھ اپنی پرنم آنکھوں سے لگا یا منھ سے کچھ نہ بول سکے عذرا جو کمرے میں بیٹھی سب باتیں سن رہی تھی بھاگی ہوئی آئی، اور دونوں باہیں حبیب الٰہی صاحب کے گلے میں ڈال کر بولی "میرے نانا ابا" انھوں نے مڑ کر دیکھا۔ عذرا کی آنکھوں میں، چہرے پر اور عضو عضو میں خوشی ناچ رہی تھی۔ انھوں نے پیار سے اُسے گلے لگا کر کہا "اسی کی وجہ سے مجھے تمھاری پریشانی کا علم ہوا —— اس کے ننھے سے دل میں بھائی کی کتنی محبت، کتنا خیال اور کتنا احساس ہے"

ریاض اور نسیمہ تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

گیارھواں باب

ریاض نسیمہ خاتون کی گود میں سر رکھے لیٹے ہیں۔

ریاض۔ اماں میں جاتو رہا ہوں مگر میری جان آپ ہی میں اٹکی رہے گی اور آپ کی صحت کی فکر ہمیشہ لگی رہے گی۔

نسیمہ۔ میاں میری فکر نہ کرو۔ میں بہت سخت جان ہوں مروں گی نہیں تمہارے ماموں اور باپ دونوں تندرست اور گرڈیل جوان چل بسے، اور میں ہمیشہ کی کمزور اور بیمار اب تک زندہ بیٹھی ہوں۔

ریاض۔ خدا آپ کو ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ آپ اپنی نہیں ہماری وجہ سے اپنی صحت کا خیال کیجئے گا۔ ہم باپ کی شفقت سے محروم ہیں لیکن آپ کی ذات دونوں کا بدل ہے — اماں میں کیسے اتنے دن کی جدائی سہوں گا؟

نسیمہ۔ میری جان تم مرد ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے اور اپنی بہنوں کو دیکھو۔ تم اللہ رکھے نئی جگہ جا کر اپنے کام میں نئی نئی دل چسپیوں میں بہل جاؤ گے مگر ہم کیا کریں گے؟ تمہارے چچا مہینہ بھر تمھیں نہ دیکھیں تو بے قرار ہو جاتے ہیں، بہنیں تم پہ پروانہ وار نثار ہیں اور ماں۔ اس کے دل کا حال تم کیا جانو گے۔ جس نے اپنی جان مال سب کچھ تم پہ قربان کر دیا تمہاری جدائی میرے لئے جتنی سخت ہے وہ بس یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔ تین چار مہینے دیکھے ہو جاتے تھے تو بے قرار ہو جاتی تھی اب پانچ، اُف پورے پانچ برس، ساٹھ مہینے تم سے نہ مل سکوں گی۔ آہ۔ کس طرح یہ دن کٹیں گے۔ میری جان۔ میرے بچے۔"

نسیمہ خاتون ریاض پہ جھک گئیں اور اُسے گلے لگا کر بے قراری سے رونے لگیں۔ ریاض نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور ماں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے۔

ریاض۔ اماں۔ خدا کے لئے دل کو سنبھالئے آپ اتنی پریشان ہوتی ہیں اور میری جدائی آپ کے لئے اتنی سخت ہے تو اماں میں یورپ نہیں جاتا میں یہیں آپ کے قدموں میں رہ کر آپ کی خدمت کروں گا۔ میں سمجھتا تھا آپ خوشی سے مجھے بھیج رہی ہیں۔ یہ اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اتنا زیادہ صدمہ ہوگا (ضد کے لہجے میں) چاہے کچھ ہو اب تو میں نہیں جاؤں گا۔

نسیمہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہچکیوں اور اُمڈتے ہوئے آنسوؤں پہ قابو پایا "میری قسم کھانے کی عادت نہیں مگر میاں خدا گواہ ہے کہ میں خوشی سے بھیج رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اگر میں اجازت نہ دیتی تو تم ہرگز نہ جاتے۔ مگر کیا تم اپنی ماں کو اس قدر خود غرض سمجھتے ہو کہ اپنی تکلیف

اور محبت پر تمھاری آئندہ بہبودی اور ترقی کو قربان کردے گی ۔۔۔ میری جان میری تو ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ میرا بچہ لائق اور نامور آدمی بنے۔ اپنے باپ کا ثانی۔ دنیا اس کی عزت کرے۔ اُسے عیش و آرام نصیب ہو۔ میرا کیا ہے چند دن کی زندگی ہے، بُری بھلی طرح کٹ جائے گی۔ نصیب میں ہوگا تو پھر یہ چاند سی صورت دیکھ لُوں گی۔

ریاض۔(ماں کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر) اماں یوں نہ کہیئے۔ خدا آپ کو زندہ سلامت رکھے اور مجھے موقع دے کہ آپ کی خدمت کرکے آپ کی تکلیفوں کی کچھ تلافی کرسکوں۔

نسیمہ۔ خدا تمھیں سلامت رکھے اور تمھارے ارادے پورے کرے۔ پر پانچ سال پورے پانچ سال کس نے دیکھے ہیں۔

ریاض۔ میں کوشش کروں گا کہ بیچ میں ایک مرتبہ آکر آپ کی قدم بوسی کرلوں چاہے مجھے خرچ میں کتنی کفایت کرنی پڑے۔

نسیمہ۔ تم خرچ کی تکلیف نہ اُٹھانا جب ضرورت ہو مجھے لکھ دینا۔ زیور موجود ہے وہ اور کس لئے ہے۔

ریاض۔ نہیں اماں زیور بہنوں کا ہے وہ رہنے دیجئے۔ مجھے ایسی کیا ضرورت ہوگی۔ نانا ابا بیس ہزار دینے کو کہتے تھے مگر میں نے کہا پندرہ ہزار کافی ہے۔ احسان جتنا کم لیا جائے بہتر ہے اسی لئے میں نے بجائے امریکہ کے جرمنی جانے کا فیصلہ کیا کہ وہاں کا سکہ آج کل گرا ہوا ہے اس لئے خرچ کم ہوگا۔

نسیمہ۔ بہنوں کو خدا رکھے تم خود زیور بنوا دینا۔ میں نے کڑے گروی رکھ کر روپیہ نکلوایا ہے۔ تم گرم کپڑے بنوا لو سُنا ہے سخت سردی ہوتی ہے۔ خدا کے واسطے بے حد احتیاط کرنا۔

ریاض۔ آپ گھبرائیے نہیں پوری احتیاط کروں گا کپڑے وہیں جا کر بنوالوں گا۔
نسیمہ۔ نہیں یہاں سے بھی بنوا کر لے جاؤ۔ تمھارے لئے لڑکیاں سوئٹر مفلر، موزے، دستانے وغیرہ بھی بن رہی ہیں۔ یہ چھوٹی موٹی چیزیں تمھیں آرام دیں گی اور بہنوں کا بھی جی خوش ہو جائے گا۔
ریاض۔ میری بہنیں میرا کتنا خیال کرتی ہیں۔ میں ان چیزوں کو جان کے برابر رکھوں گا۔
نسیمہ۔ میاں کئی دن سے ایک بات کہنا چاہ رہی ہوں۔ تمھارے سدھارنے میں کتنے دن ہیں؟
ریاض۔ سوا مہینہ۔ نومبر کی اُنیس یا بیس کو یہاں سے روانہ ہوں گا۔
نسیمہ۔ جب سے تمھارے جانے کی خبر مشہور ہوئی ہے سب کہنے والے زور دے رہے ہیں کہ ریاض کی شادی کر دو۔
ریاض۔ (متحیر ہو کر) سبحان اللہ! ماشاءاللہ! لاحول ولا! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
نسیمہ۔ ہونے کو کیا ہوا۔ یہ تو ضرور ہے کہ اتنی جلدی میں میرے ارمان نہ نکل سکیں گے مگر خیر عقد تو ہو جائے گا۔
ریاض۔ بھلا آپ ہی سوچئے یہ کس قدر نامناسب بات ہے۔
نسیمہ۔ کیوں نامناسب کیوں ہے؟
ریاض۔ اماں اول تو ابھی میری عمر کم ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ تیس ورنہ کم سے کم پچیس چھبیس سال سے کم عمر میں شادی کرنا بڑی غلطی ہے اور طالب علمی کے زمانے میں تو ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔
نسیمہ۔ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ کہیں یہ حسرت دل کی دل ہی میں نہ لے جاؤں۔

ریاض۔ آپ انشاء اللہ زندہ اور تندرست رہیں گی۔ وہاں سے واپسی پر میری شادی کر دیجئے گا۔ بھلا سوچئے تو کہ خواہ مخواہ پانچ سال کے لئے آپ یہ مصیبت کیوں اپنے گلے ڈالیں۔

نسیمہ (جھڑک کر) خدا نہ کرے مصیبت کیوں ہوگی۔ جیسی فرخ عذرا ویسی تمھاری دُلھن۔

ریاض۔ آپ اس پر کیوں اصرار کرتی ہیں؟ خاندان والوں کے خیال سے؟ انھوں نے ہماری پریشانی اور فکروں کے وقت تو کوئی مدد نہ کی اب ہمیں پریشان کرنے کو یہ شگوفہ چھوڑ دیا۔ کیا آپ کو اپنے ریاض پر اعتبار نہیں ہے؟

نسیمہ۔ سُنتی ہوں وہاں کی عورتیں بلا کی طرح چپٹ جاتی ہیں۔ کئی لڑکے میمیں کر لائے۔

ریاض۔ (ہنس کر) جب تک انسان خود نہ چاہے کوئی نہیں لپٹ سکتا۔ کیا آپ مجھے ایسا بے وقوف اور ناعاقبت اندیش سمجھتی ہیں کہ میں کسی میم کو لے آؤں گا؟

نسیمہ۔ میرے چاند مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے مگر آخر ہرج کیا ہے۔ اچھا صرف عقد کرلو۔

ریاض۔ یہ تو اور بھی بُری بات ہے کہ کسی بچاری لڑکی کو پانچ سال کی قید سخت میں مبتلا کر دیا جائے۔ پھر آپ کو اتنی جلدی مرضی کے موافق لڑکی کہاں سے مل جائے گی۔

نسیمہ۔ خیر لڑکیوں کی کمی نہیں۔ اللہ رکھے تمھاری نیکی اور قابلیت اور تمھارے باپ کی اتنی شہرت اور میرا ایسا لحاظ ہے کہ کنبے میں کیا شہر بھر میں کوئی لڑکی ایسی نہیں جسے میں مانگوں اور کوئی انکار کر دے۔ مگر میری پسند کا کیا ہے تم اپنی پسند بتاؤ نباہ تو تمھیں کرنا ہے۔

ریاض۔ اماں میں نے تو آج تک اس کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں. کیا فائدہ جلدی میں کوئی ایسی بات ہو جائے کہ پھر عمر بھر پچھتائیں۔

نسیمہ۔ اللہ نہ کرے۔ اچھا میں تمھیں لڑکیاں بتاتی ہوں۔ ایک تو صغرا ہے. سب سے زیادہ حق تمھارے چچا ہی کا ہے۔ دوسری ذکیہ۔

ریاض۔ توبہ ہے میرے گناہوں کی خالہ جان سے تو میں پناہ مانگتا ہوں۔

نسیمہ۔ مگر ذکیہ کی صورت کیسی پیاری ہے ہزاروں میں ایک لڑکی ہے۔

ریاض۔ وہ لاکھوں میں ایک سہی میری اور خالہ جان کی کبھی نہیں پٹ سکتی۔

نسیمہ۔ اور صغرا؟

ریاض۔ اماں بھلا سگی بہن اور چچا زاد بہن میں فرق ہی کیا ہے اور وہ ابھی بالکل کم عمر ہے۔ ایسا خیال بھی نہ کیجیے۔

نسیمہ۔ نجمہ کیسی ہے؟

ریاض۔ احسن چچا کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں وہ دولت مند، سرکار پرست رشوت خوار، قدامت پرست۔ ہمارا ان کا کیا جوڑ؟

نسیمہ۔ تم کسی لڑکی پر جمتے ہی نہیں۔ اچھا خان بہادر کی لڑکی رضیہ کیسی ہے؟

ریاض۔ اماں آپ بھی اس وقت کمال کر رہی ہیں. انھیں کوئی آئی سی. ایس چاہیئے، مجھ غریب کو وہ کیوں پسند کریں گے۔

نسیمہ۔ تم اپنی کہو کہ رضیہ کو پسند کرتے ہو یا نہیں۔

ریاض۔ (ہنس کر) میری پسند کا کیا ہے۔ اگر آپ اس قدر فیشن پرست اور بے پردہ بہو کو پسند کرتی ہیں تو میرا کیا ہے۔ کیا سچ مچ آپ رضیہ کو بہو بنانا چاہتی ہیں؟

نسیمہ۔ میں تو تمھاری رائے پوچھتی تھی کہ اگر تمھیں پسند ہو تو کرلو. ابھی

کیا ہے لڑکی ہے جیسا رکھو گے رہے گی۔
ریاض۔ نہیں اماں بھلا کوئی بات بھی۔
نسیمہ۔ اچھا تو جسے تم پسند کرو اُسے بتاؤ؟
ریاض۔ (ہنس کر) میں تو کسی کو بھی پسند نہیں کرتا۔ میں نے تو کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہیں آپ اپنے ریاض پر پورا بھروسہ رکھیئے وہ ہرگز کوئی ایسی بات نہ کرے گا جس سے آپ کو رنج یا شرمندگی ہو۔
نسیمہ۔ (شفقت سے سر پہ ہاتھ پھیر کر) کہنے کی تو ضرورت نہیں مگر میری اس بات کو یاد رکھنا کہ نماز روزے کی پابندی، قرآن کی تلاوت ہرگز ناغہ نہ ہو۔ میں نے دل پہ پتھر رکھ کر سات سمندر پار جانے کی اجازت اسی بھروسہ پر دی ہے کہ میرا بچہ مذہب کا پورا پابند رہے گا۔
ریاض۔ انشاء اللہ۔
نسیمہ۔ بُرے لڑکوں کی صحبت سے بچتے رہنا۔ کوئی بُری بات سُنی تو مجھے زندہ نہ پاؤ گے۔
ریاض۔ آپ اطمینان رکھیئے مجھے اپنی خاندانی روایات اور اپنی ماں کی خواہشوں کا ہر وقت خیال رہے گا اور اپنے باپ اور ماں کی سیرت کو ہمیشہ سامنے رکھوں گا۔
نسیمہ۔ بس میرے میاں میں یہی چاہتی ہوں۔

محمد احسان نے بھی شادی کے خیال کی مخالفت کی اور بھاوج کو سمجھا دیا جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو بہت چہ میگوئیاں ہوئیں۔ جمیلہ خاتون کو سب سے زیادہ ناگوار ہوا اور انھوں نے بے حد اصرار کیا۔ وہ ذکیہ کے لئے ریاض کو سوچے بیٹھی تھیں مگر نسیمہ نے کہہ دیا کہ چچا بھتیجے دونوں راضی نہیں تو میں کیا کروں کرنے والے بیاہ کے بعد بھی بیم لے آتے ہیں۔ وہ انشاء اللہ ایسا نہیں کرے گا۔

دن گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔ بات کی بات میں نومبر کی ۱۹ تاریخ آگئی۔ کل ریاض کی روانگی ہے۔ آج شام ہی سے کنبے رشتے والوں کے ہاں سے صدقے کے تیل، ماش اور امام ضامن آنے شروع ہو گئے۔ رات بھر سب لوگ جاگتے اور باتیں کرتے رہے۔ نسیمہ کام میں مصروف تھیں بار بار آکر بیٹے کو پیار کرتیں اور چلی جاتیں۔ محمد احسان بھتیجے کو بہت سی باتیں سمجھاتے رہے۔ بہنیں اور انصار، ریاض کے گرد بیٹھے رہے۔ غرض رات بھر رت جگا رہا۔ صبح ہوتے ہی کنبے کے مرد عورتیں رخصت کرنے کے لئے آنے لگے۔

فرخ اور عذرا بھائی کے نئے ہولڈال میں ان کا بستر باندھ رہی تھیں اور ریاض پاس کھڑے چیزیں دے رہے تھے۔ بستر باندھنے کے بعد انھیں دوبارہ سوٹ کیس کھولنا پڑا تاکہ بہنوں کے تحفے رکھیں۔ فرخ نے میز پوش اور سوئٹر بنا کر دیا تھا۔ عذرا نے اونی موزے دستانے اور رومال۔ ہاجرہ نے مفلر اور موزے بُنے تھے، صغرا نے اونی صدری۔ ذکیہ نے کمربند بُن کر دیئے تھے۔ جمیلہ خاتون نے گلے میں پہننے کا چھوٹا سا کلام مجید۔ ریاض ایک ایک چیز لے کر شکریہ ادا کرتے، تعریف کرتے اور سوٹ کیس میں رکھ لیتے۔ انصار نے آکر کہا ہماری ایک نشانی رکھ لیجئے۔ ریاض مسکرائے کہا تم بھی لڑکیوں کی طرح کاڑھنے بُننے لگے ہو؟ انصار نے ایک چھوٹا سا چمڑے کا اٹیچی کیس جس میں کنگھا برش، شیو کا سامان وغیرہ لگا ہوا تھا ریاض کو دیا انھوں نے شکریہ ادا کر کے رکھ لیا۔ رضیہ خوبصورت ریشمی ساڑھی پہنے مسکراتی ہوئی آئیں اور لچک کر بولیں "ہمارا بھی ایک ناچیز تحفہ قبول کر لیجئے" ریاض کچھ جھینپ سے گئے۔ رضیہ نے کہا "کیوں کیا آپ کو اس کے لینے میں کچھ اعتراض ہے"۔ ریاض گھبرا گئے "جی نہیں۔ آپ کی بڑی عنایت

کہ اتنی تکلیف کی۔" رضیہ نے خوبصورت پیڈ اور لفافے کا ڈبہ دے کر کہا:
بھولئے گا نہیں خط لکھئے گا اسی لئے پیڈ لفافے دیئے ہیں"۔ اصغر ایک
کاپی لے کر آئے اور بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر بولے "بھائی جان اس کاپی
پر اپنے سفر کے حالات لکھ کر بھیجا کیجئے گا۔ ریاض نے اسے گلے سے لگا کر کہا:
"ضرور" سیدہ بچاری اس سوچ میں تھی کہ بھائی جان کو کیا دوں آخر دوڑی
دوڑی گئی اور ایک خوبصورت ہولڈر جو اسے تیسری جماعت میں اول آنے پہ
ملا تھا لا کر بھائی کو دیا" بھائی جان اس قلم سے مجھے خط لکھئے گا"۔ ریاض کی
آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انھوں نے بہن کو گلے سے لگا لیا۔

ریاض بھئی انصار میرا تو کیمرہ خراب ہو گیا اس لئے ان سب کی تصویریں نہیں لے سکا
تم اماں اور سب لڑکیوں کی تصویریں لے کر مجھے ضرور ضرور بھیج دینا۔

انصار۔ اچھا میں دہلی سے پلیٹیں خرید لاؤں گا۔

رضیہ۔ اگلے مہینے نسیم بھائی بھی جا رہے ہیں ان کے ساتھ بھیج دیجئے گا۔

انصار۔ اچھا نسیم صاحب بھی جا رہے ہیں۔ فرحت حسن بھی دو تین دن میں
روانہ ہو رہے ہیں —— رہ گئے ہم —— وہ یہیں جھک ماریں گے۔

ریاض۔ تم بی۔ اے کرتے ہی روانہ ہو جانا۔ دو سال کی تو بات ہی ہے۔

انصار۔ احسان ماموں کیا آپ کے ساتھ بمبئی تک جا رہے ہیں؟

ریاض۔ ان کا ارادہ تو تھا مگر میں نے منع کر دیا۔ خواہ مخواہ زحمت ہوتی۔ اب
صرف دہلی تک جائیں گے اور یہ سب لڑکیاں بھی ساتھ ہوں گی۔

انصار۔ تو ہمارا آپ کا ساتھ رہے گا۔

عذرا۔ اچھا تم بھی بمبئی جا رہے ہو۔

انصار۔ بہت دن سے بمبئی کی سیر کو جی چاہتا تھا۔ یہ موقع اچھا ہے

سیر بھی ہو جائے گی اور ریاض بھائی پر احسان بھی۔
ہاجرہ۔ احسان کیوں جتاتے ہو۔ سچی بات کہو کہ سیر کے لئے جا رہا ہوں۔
انصار۔ تم کیوں جلتی ہو۔ تمھارا جی چاہتا ہے تو چلو بمبئی لے چلوں۔
ہاجرہ۔ تم ہی جاؤ۔
عذرا۔ بچاری ہاجرہ کو نانا ابا دہلی تک کو جانے نہیں دیتے۔ آخر ہم سب بھی تو جا رہے ہیں۔
انصار۔ ہاجرہ دہلی تو ضرور چلو۔
ہاجرہ۔ مجھے ایسی خواہش نہیں۔ آپ ہی سیریں کرتے پھریئے۔ یہ کہہ کر ہاجرہ دوسری طرف چلی گئی۔
فرخ۔ بچاری ہاجرہ۔ اس کا دل کس قدر دہلی جانے کو چاہتا ہے مگر نانا ابا بھی خوب ہیں!

بارہ بجے دروازے پر تانگے آگئے۔ سب نے ریاض کے امام ضامن باندھے۔ گلے سے لگا لگا کر دعائیں دیں اور آب دیدہ ہو گئے۔ فرخ اور عذرا برقعہ اوڑھے دہلی تک ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھیں، باہر بہت سے مرد اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے تھے۔ ریاض نے چاروں طرف دیکھا ماں کہیں نظر نہ آئیں۔ ڈھونڈتے ہوئے سہ دری میں گئے تو دیکھا کہ تخت پر اوندھی سجدے میں پڑی ہیں۔ ذرا دیر سب چپ چاپ کھڑے رہے آخر ریاض نے کہا "اماں" نسیمہ نے سر اٹھایا۔ دیکھا ریاض اچکن ٹوپی پہنے امام ضامن بندھوائے کھڑے ہیں۔ انھوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے داہنے بازو پر امام ضامن باندھا اور بہ مشکل اتنا کہا "جاؤ میاں خدا کے سپرد کیا" ریاض جھک کر ماں کے سینے سے لپٹ گئے ضبط کا بندھن

ٹوٹ گیا دونوں ماں بیٹے کی ہچکی بندھ گئی۔ فرخ عذرا اور سیدہ بھائی سے لپٹ کر رونے لگیں۔ محمد احسان کا چہرہ ضبطِ گریہ سے سُرخ ہو گیا۔ آخران کے اصرار سے ریاض اُٹھے۔ ساتھ ساتھ ننگے پاؤں ماں اور دوسرے سب لوگ پیچھے پیچھے۔ ریاض دوبارہ سب سے ملے۔ سیدہ کو خوب سا پیار کیا اتنے میں ہاجرہ دوڑتی ہوئی اوپر سے آئی اُس کا مُنھ اور آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی تھیں۔ ریاض کے ہاتھ میں ایک عمدہ فونٹن پن دیا۔ کہا نانا ابا نے دیا ہے۔ مگر چہرے اور آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ غلط کہہ رہی ہے ریاض نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "ہاجرہ خدا حافظ۔ بھلا نہ دینا" ہاجرہ کی نرگسی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

ریاض دروازے کی طرف مُڑے نسیمہ نے بے قرار ہو کر کہا "میاں ایک مرتبہ اور میرے کلیجے سے لگ جاؤ" وہ پھر گلے سے لپٹ گئے بڑی مشکل سے مسز نعیم اور محمدی بیگم نے ماں بیٹے کو ایک دوسرے سے جُدا کیا اور ریاض روانہ ہوئے۔

ریاض کو رخصت کرنے سینکڑوں آدمی گئے تھے جس میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ ریاض سب سے ملے۔ گاڑی نے سیٹی دی۔ احسان، ریاض اور انصار جا کر بیٹھ گئے۔ گاڑی آہستہ آہستہ روانہ ہوئی سیکڑوں آدمی رومال اور ٹوپیاں ہلانے لگے ریاض کھڑکی سے آدھے باہر نکلے سب کو دونوں ہاتھوں سے سلام کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں سب سے آگے ڈپٹی نعیم تھے۔ حبیب الٰہی صاحب کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور ڈپٹی صاحب بھی متاثر معلوم ہوتے تھے۔

نسیمہ خاتون بے جان سی پلنگ پر پڑی خدا جانے کیا سوچ رہی تھیں مسز نعیم اور جمیلہ ان کے پاس بیٹھی تھیں اور بہت سی عورتیں جا چکی تھیں۔

ایک پلنگ پر سیدہ پڑی سسک رہی تھی اور ماجدہ اُسے سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ سیدہ نے روتے ہوئے کہا "ایک تو بھائی جان اتنی دور گئے اور پھر اکیلے" ماجدہ نے اپنے آنسوؤں کو رومال سے پوچھا اور سنبھل کر کہا "نہیں بی بی اللہ ان کے ساتھ ہے" سیدہ نے رو کر بھولے پن سے جواب دیا "مگر اور کوئی تو نہیں"

محمدی بیگم نسیمہ کے پاس آئیں اور ان کو گلے سے لگا کر بولیں "تو بی اَب میں جا رہی ہوں۔ کل پرسوں کو خیر سے فرحت بھی سدھار رہا ہے — جو تم پر گزری وہی مجھ پر بیتنے والی ہے — اللہ پر بھروسہ رکھو — اب ننھا نا بچے کے سدھارنے کے بعد رونا بدشگونی ہے۔"

تیسرے دن محمد احسان لڑکیوں کو لے کر دہلی سے واپس آ گئے اور ریاض کے خیریت سے روانہ ہونے کا حال بیان کیا۔ ریاض کا ایک تشفی بھرا خط بھی ماں کے نام تھا۔ محمد احسان کئی دن بھاوج کے خیال سے ٹھیرے رہے اور جب ان کی طبیعت کو بظاہر کچھ سکون ہوا تب واپس گئے۔

فرخ اور عذرا خود بہت ملول تھیں مگر ماں کا ہر وقت خیال رکھتیں بمبئی سے انصار کے ساتھ بھی ریاض کے خط ماں اور بہنوں کے نام آئے جس میں ان سب کی تسلی تشفی کی تھی اور جلدی جلدی خط لکھنے کا وعدہ تھا اور ان سب کو تاکید تھی کہ ہر ہفتے مجھے خیریت لکھتی رہا کرو۔

دُوسرا حصّہ

سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۲۸ء تک

بارھواں باب

آج نعیم گرلز ہائی اسکول میں بہت رونق ہے۔ سب اُستانیاں لڑکیاں صاف سُتھرے کپڑے پہنے دعوت کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ مسز نعیم نسیمہ خاتون اور مسز شرما آئی ہوئی ہیں۔ ایک طرف سب بڑی لڑکیاں بیٹھی ہنس بول رہی ہیں۔ اور ان کے بیچ میں سب سے زیادہ شگفتہ اور ہنستا ہوا چہرہ عذرا کا ہے۔ یاسمین، ذکیہ، ہاجرہ، شمیم، اندرا اس پاس بیٹھی ہیں۔ دوسری طرف رضیہ ریشمی خوبصورت ساڑی میں ملبوس بیٹھی ہے۔ فرخ، نجمہ، شانتی وغیرہ اس کے گرد بیٹھی ہیں۔ اسکول رنگ برنگی جھنڈیوں، کاغذ اور پھولوں کے گلدستوں سے سجا ہوا ہے۔ یہ سب چہل پہل اور تیاریاں ہیں دعوت کی میٹرک کے امتحان میں رضیہ اور عذرا فرسٹ ڈویژن میں اور اندرا تھرڈ میں پاس ہوئی ہے۔ عذرا کے نمبر رضیہ سے کچھ زیادہ ہیں

اس لیئے اسکول میں فرسٹ وہی کہلاتی ہے۔ ذکیہ، صغرا، شمیم اور نجمہ نے آٹھویں کا امتحان دیا تھا وہ تینوں بھی پاس ہوگئی ہیں اور اب اسکول چھوڑ رہی ہیں۔ اس لیئے ان سب کی باقی لڑکیوں نے دعوت کی ہے۔ سُنا ہے کچھ دن بعد ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم صاحبہ تشریف لاکر لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے سرٹیفکٹ عنایت کریں گی۔ مسز نعیم اور استانیاں ابھی سے ایک بہت بڑے جلسے کے اہتمامات میں مصروف ہیں۔

چیزیں تیار ہونے کے بعد ایک دسترخوان پر مسز نعیم، نسیمہ خاتون مسز شریا اور استانیوں کو بٹھایا گیا۔ دوسری طرف آٹھویں اور دسویں کی لڑکیوں کو اور تیسرے دسترخوان پر سب چھوٹی لڑکیوں کو۔ ساتویں اور نویں کی لڑکیاں کھلانے پلانے اور خاطر تواضع میں مصروف رہیں کیونکہ میزبان دراصل وہی ہیں، دسترخوان پر چائے، پیسٹریاں اور دوسری قسم قسم کی چیزیں چُن دی گئی تھیں۔

رضیہ۔ بھئی یہ پیسٹری کس نے بنائی ہے بہت اچھی ہے۔

ہاجرہ۔ ہاں میم صاحب تمھیں تو انگریزی چیز پسند آتی ہے۔ ہم بچاروں کی پکائی ہوئی کیوں بھائے گی۔

اندرا۔ ہاجرہ یہ تمھاری زبردستی ہے واقعی پیسٹری بہت اچھی ہے۔

عذرا۔ مجھے تو دہی بڑے بہت اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ کھاتے کھاتے میرا پیٹ پھٹ جائے گا۔

اندرا۔ (کنکھیوں سے ایک استانی کی طرف دیکھ کر جو بے تحاشا کھا رہی تھی) ارے کیوں جھوٹ بولتی ہے کھانے والوں کی صورت ہی اور ہوتی ہے۔

نجمہ۔ یہ قیمہ کے سموسے نہایت عمدہ بنے ہیں۔ ہمارا باورچی بھی ایسے نہیں بناسکتا۔

ہاجرہ۔ اور تم خود؟
نجمہ۔ بھئی مجھے کھانا پکانا آتا ہی کہاں ہے۔ شمیم بہت اچھا پکاتی ہیں۔
اندرا۔ عذرا ایک بات سچ سچ بتاؤ۔
عذرا۔ تم پوچھو اور میں نہ بتاؤں؟
اندرا۔ یہ تم کس ترکیب سے فرسٹ ڈویژن مار لیتی ہو۔ یہ گر ہمیں بھی سکھاؤ
(عذرا شرما کر ہنسنے لگی)
فرخ۔ خدا جانے یہ عذرا اور رضیہ کو ممتحن کیوں فرسٹ ڈویژن دے دیتے ہیں۔ یہ ضرور کچھ رشوت دیتی ہوں گی۔ رضیہ نے جھلا کر فرخ کی طرف دیکھا (بچاری فرخ کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ در پردہ رضیہ کی فرسٹ ڈویژن کے لئے کیا کیا کوششیں ہوئی ہیں) اور بولی "رشوت سے کیا ہوتا ہے۔ جس میں قابلیت ہوگی فرسٹ ڈویژن لے آئے گا"۔
یاسمین۔ (ہنس کر طنز سے) ہاں مسٹر رضی آپ کی سی قابلیت کوئی کہاں سے لائے۔
اندرا۔ معلوم ہوتا ہے عذرا رشوت زیادہ دیتی ہے۔ تبھی تو رضیہ سے بھی زیادہ نمبر آ جاتے ہیں۔
عذرا۔ (آہستہ سے) توبہ اندرا چپ رہو نا۔
فرخ۔ اصل چیز ڈویژن ہے۔ دس بیس نمبروں کے فرق سے اور اوّل دوم ہونے سے کیا ہوتا ہے۔
رضیہ۔ (منھ پھیر کر نجمہ سے) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ممتحن کی غلطی سے اول دوم اور دوم اول ہو جاتا ہے۔ اصل چیز قابلیت ہے ــــ یہ سن کر لڑکیاں مسکرانے لگیں اندرا جو اسکول بھر میں کھلنڈری اور مسخری تھی لیکن پڑھنے میں ہمیشہ پھسڈی رہتی تھی، منھ بنا کر بولی "رضیہ تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ اب مجھی کو دیکھو بھلا میری محنت

اور قابلیت ایسی تھی کہ تھرڈ ڈویژن میں آئی؟ مجھے تو اسکول کیا پنجاب بھر میں اوّل آنا چاہیئے تھا۔ یا تو ممتحن کی غلطی ہے ورنہ رول نمبر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے"۔ لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ رضیہ کو یہ طنز بہت ناگوار ہوا۔ وہ تلملا کر رہ گئی چائے وغیرہ ختم ہونے کے بعد رضیہ اُٹھ کر ماں کے پاس گئی اور کافی بلند آواز میں پوچھا "ممی علی گڑھ کالج سے پراسپکٹس آگیا؟" مسز نعیم نے کہا ابھی تو نہیں آیا دو چار روز میں آجائے گا۔ یہ سُن کر سب لڑکیوں کے کان کھڑے ہوئے۔

فرخ۔ رضیہ کیا تم علی گڑھ جا رہی ہو؟

رضیہ۔ (فخر سے) ہاں پاپا کی رائے ہے کہ میں علی گڑھ گرلز کالج میں داخل ہو جاؤں پہلے بی۔ اے کر لوں پھر آئندہ تعلیم کے بارے میں غور کیا جائے گا۔

اندرا۔ "پہلے بی۔ اے کر لوں پھر آئندہ تعلیم کے بارے میں غور کیا جائے گا" کیا بی۔ اے سے بھی آگے پڑھنے کا ارادہ ہے؟

رضیہ۔ کیوں نہیں۔ دسویں تک کی تعلیم بھی کوئی تعلیم ہے۔ اصل تعلیم ہے کالج کی۔ اور سچ پوچھو تو انسان پارس بنتا ہے یورپ جا کر۔ بی۔ اے کے بعد یورپ جا کر تعلیم پانا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔

یاسمین۔ پہلے بی۔ اے تو کر لو۔ کیوں ابھی سے ڈینگیں مارتی ہو۔

رضیہ۔ یاسمین تو میری باتوں میں نہ بولا کر۔

ہاجرہ۔ (منہ بنا کر) اور شادی —— پھر شادی کب ہوگی؟

رضیہ نے تیوری پر بل ڈال کر جواب دیا "شادی؟ شادی جاہل لڑکیوں کی زندگی کا مقصد ہے"۔

اندرا۔ اور تعلیم یافتہ لڑکیوں کی زندگی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

رضیہ نے ادائے تحقیر کے ساتھ جواب دیا "آزاد زندگی"۔ رضیہ یہ کہہ کر

دوسری طرف چلی گئی۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا اور پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں مگر عذرا اس ہنسی میں شریک نہ تھی اس کی آنکھیں آبگوں ہو رہی تھیں۔

گھر پہنچ کر نسیمہ خاتون نے کہا۔ عذرا بھائی کو اپنی اور صغرا کی کامیابی کی خبر لکھ دو۔ عذرا جا کر ریاض کو خط لکھنے لگی۔ ریاض کو یورپ گئے دو سال ہو گئے تھے وہ وہاں بہت محنت سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ فرحت "لا" کے لئے اور نسیم آئی سی۔ ایس کے لئے انگلینڈ چلے گئے تھے اور وہاں چھٹیوں میں اکثر تینوں دوستوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ریاض کے خط ہر ہفتے آتے تھے۔ کبھی ماں کے نام کبھی بہنوں کے نام۔ ہر دوسرے ہفتے چچا کو بھی خط لکھتے۔ کبھی کبھی صغرا اور ہاجرہ کو بھی چند سطریں لکھ دیتے۔ ایک مرتبہ مسز نعیم کو بھی لکھا۔ مگر بچاری رضیہ کو ایک پرزہ بھی نہ بھیجا۔ رضیہ نے کئی مرتبہ ہنسی ہنسی میں فرخ سے شکایت بھی کی۔

بیٹے کے جانے کے بعد سے نسیمہ زیادہ تر خاموش اور اُداس رہا کرتی تھیں ان کے چہرے پر صرف اس دن شگفتگی آتی تھی جس دن ریاض کا خط آتا۔ خط کے آنے پر کبھی مولود کرتیں کبھی مجلس کبھی نذر دلاتیں۔ ان کی نمازیں اور وظائف پہلے سے زیادہ طویل ہو گئے تھے۔ گھنٹوں دعاؤں میں صرف ہو جاتے گھر کا کام کاج زیادہ تر لڑکیاں کرتی تھیں۔ جمیلہ نے بہن کی پریشانی دیکھ کر مشورہ دیا کہ اللہ رکھے دو دو جوان بیٹیاں ہیں اب تم ان کے جہیز کا کچھ سبتیا کرو۔ یہ بات نسیمہ کو بھی ٹھیک معلوم ہوئی۔ انھوں نے کبھی کبھی کے لئے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑے نکالے کچھ اور موقع موقع سے خریدے اور فرصت کے وقت سیتی پروتی رہتیں۔ اکثر جمیلہ خاتون بھی ذکیہ کے کپڑے لے کر آ بیٹھتیں۔ کپڑوں پہ جو کام وغیرہ بنوانا ہوتا وہ فرخ اور ذکیہ اور صغرا سے

بنوایا جاتا۔ فرخ اور صغرا کو سینے کاڑھنے اور کارچوبی کام بنانے سے دلچسپی تھی۔ بہت شوق سے جی لگا کر بناتیں۔ ذکیہ کو بُرا بھی لگتا شرم بھی آتی مگر خاموشی سے کام کر دیتی۔ البتہ عذرا کو جہیز کے نام سے چڑ تھی ـــ خواہ اپنا ہو یا کسی اور کا۔ ہاں پہننے کے کپڑے اچھے خاصے سی لیتی تھی۔

پچھلے سال ڈرتے ڈرتے اپنا ایک مضمون عذرا نے تہذیب نسواں میں چھپنے کے لئے بھیجا تھا۔ دو تین ہفتے بعد تہذیب کا پرچہ آیا تو ہاجرہ وہیں بیٹھی تھی اس نے لے کر کھول لیا اور فہرست دیکھ کر اچھل پڑی ـــ اوہو یہ "عذرا خاتون" کا مضمون چھپا ہے۔ اُدھر سے عذرا اِدھر سے فرخ اور صغرا دوڑیں اور چھین جھپٹ ہونے لگی۔ عذرا سب سے زیادہ بے قرار تھی مگر فرخ نے جھڑک دیا، شرم نہیں آتی اپنے مضمون کے لئے ایسی بے قراری" اور کوئی موقع ہوتا تو دونوں میں لڑائی ہو جاتی مگر اس وقت عذرا جھینپ کر چُپ ہو گئی۔ سب سے زیادہ حق ہاجرہ کا تھا کیونکہ پہلے اُسی نے دیکھا تھا چنانچہ اس نے پڑھ کر سُنایا۔ اور یہ مولوی ممتاز علی کا نوٹ تھا "یہ چھوٹی لڑکی پہلی مرتبہ تہذیب کے مضمون نگاروں کی محفل میں شامل ہوئی ہے مضمون کی طرزادا شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ بچی آسمانِ ادب پر درخشندہ ستارہ بن کر چمکے" سب نے مُسکرا کر عذرا کو دیکھا جس کا چہرہ شرم اور خوشی کے جذبات سے دیکھنے کے قابل بن گیا تھا۔ چار کالم کا مضمون تھا جس کا موضوع لڑکیوں کی تعلیم تھا۔ نسیمہ نے پڑھا، حبیب الہٰی صاحب نے پڑھا، اسکول کی ہر ہر استانی اور لڑکی نے پڑھا گویا چھپ کر اس میں کوئی نئی بات پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہی مضمون تھا جو اس نے کلاس میں لکھا تھا

مسز نعیم نے بھی پڑھ کر تعریف کی لیکن جمیلہ خاتون کو معلوم ہوا تو بہت ہی برہم ہوئیں، بھابھی کو بہت بُرا بھلا کہا، بہن کو نصیحت کی "لو غضب خدا کا اب لڑکیاں اخبار رسالوں میں مضمون لکھا کریں گی۔ نہ جانے تمھاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں۔ لڑکیاں روز بروز آزاد اور خود سر ہوتی جاتی ہیں اور تمھیں پرواہی نہیں" نسیمہ نے کہا "مضمون لکھنے میں ہرج ہی کیا ہے" "اس پردہ اور بھی چراغ پا ہوئیں اور خوب بُری بھلی کہیں۔ نسیمہ نے بیٹی کو منع کر دیا کہ اب کہیں چھپنے کو مضمون نہ بھیجنا۔ عذرا بچاری اس ذرا سے مضمون کی اشاعت کو خدا جانے کتنی بڑی بات سمجھ اور کیسے کیسے خواب دیکھ رہی تھی۔ ماں کی یہ بات سُن کر سکتے میں رہ گئی۔ اس کے سارے خیالی قلعے مسمار ہو گئے۔ محمد احسان آئے تو صغرا نے انھیں عذرا کا مضمون دکھایا اور جمیلہ خاتون کی خفگی اور نسیمہ کی ممانعت کا حال بھی کہہ دیا وہ مضمون پڑھ کر بہت خوش ہوئے عذرا کو بلا کر شاباشی دی اور پوچھا اب دوسرا مضمون کب بھیجو گی" اس نے کہا "اب نہیں لکھوں گی" "کیوں" "امّاں نے منع کر دیا" نسیمہ نے کہا "آپا خفا ہوتی ہیں"۔ محمد احسان کو غصّہ آ گیا "وہ کس بات پر خفا نہیں ہوتیں؟ آپ اُن کا کہنا مانیں تو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ یہ کون سی بات ہے کہ ہر اچھے سے اچھے شوق کو منع کیا جائے۔ بیٹی تم شوق سے لکھو اور اگر کوئی کچھ کہے تو میرا نام لے دو۔" اب تو عذرا کو اجازتی سرٹیفکیٹ مل گیا جب چچا جان اس کی پشتی پر ہیں تو اسے کسی کا بھی ڈر نہیں۔ اگلی مرتبہ اُس نے ایک چھوٹا سا قصّہ تہذیب میں بھیجا۔ پھر بعض دوسرے رسالوں میں بھی مضمون اور قصّے بھیجے جو اکثر چھپ گئے کبھی کبھار واپس بھی آ جاتے وہ اپنے سب چھپے ہوئے مضمونوں کے تراشے بھائی کو بھیجتی تھی اور وہ وہاں سے تعریف لکھ کر بھیجتے اور مشورے دیتے۔ انصار اب خود بہت اچھا لکھنے لگے تھے ملک کے ادبی رسالوں میں اس کے مضمون، نظمیں اور غزلیں چھپتی رہتی تھیں،

اور اس کی غزلوں اور نظموں کی خاصی شہرت ہوگئی۔ اُس نے بعض جگہ "عذرا خاتون" کے مضمون دیکھے تو سمجھ گیا کہ یہ اس کی اپنی ہی عذرا ہے۔ اس نے مزاحیہ انداز میں عذرا کی تعریف بھی کی اور اس کو چھیڑا اور مذاق بھی اُڑایا۔ عذرا کے دیکھا دیکھی ستیہ کو بھی لکھنے کا شوق پیدا ہوا مگر اسے فطری طور پر شعر سے بہت ذوق تھا۔ وہ چپکے چپکے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھتی اور صرف عذرا کو دکھاتی تھی۔

آج عذرا نے بڑی دیر تک بیٹھ کر ایک مضمون "اعلیٰ تعلیم کی آرزو" لکھا جس میں اس نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا۔ اور بجائے کسی رسالے میں بھیجنے کے بھائی کو خط میں رکھ کر بھیج دیا۔ خط میں علاوہ اپنی کامیابی کی اطلاع کے اتنا اور لکھا کہ رضیہ علی گڑھ بی۔ اے کرنے کے لئے جا رہی ہیں مگر میرے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ دل پر پتھر رکھ کر بیٹھ رہوں۔

نتیجہ نکلنے کے مہینہ بھر بعد اسکول میں بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم صدارت کے لئے تشریف لانے والی تھیں اس لئے مسز نعیم، رضیہ اور استانیوں نے جلسے کو کامیاب بنانے کی جان توڑ کوشش کی۔ اس موقع کے لئے رضیہ نے بڑی محنت سے انگریزی کی ایک تقریر تیار کی تھی۔ مسز نعیم چونکہ اسکول کی سکریٹری تھیں۔۔۔ اس لئے انھوں نے چار سالہ رپورٹ تیار کی تھی جس میں سرسری سا ذکر نسیمہ، محمد احسان اور حبیب الٰہی کی مدد کا بھی تھا، باقی ساری کارگزاری اپنے پر اوڑھ لی تھی۔

جلسے کا مقررہ دن بھی آ گیا۔ آج مسز نعیم اور رضیہ کے ٹھاٹ دیکھنے کے قابل تھے۔۔۔ یاسمین کا لباس اور زیور بھی عمدہ تھا مگر اسے زیادہ بناوٹ سجاوٹ پسند نہیں تھی۔ اور بھی شہر کی تمام عورتیں اپنے اپنے فیشن کے مطابق خوب سج بن کر آئی تھیں۔ فرخ نے اس موقع کے لئے خاص طور پر اپنا لباس تیار کیا تھا۔ غرارہ

قمیص اور دوپٹہ تھا تو معمولی ریشمی کپڑے کا مگر اُس نے سلیقے سے سلمے ستاروں کا کام بنا کر اور جھالر وغیرہ لگا کر بہت خوبصورت بنا لیا تھا۔ اس کی صورت یوں بھی اچھی تھی اس لباس میں اور بھی پھوٹی نکل رہی تھی۔ ہاجرہ نے محض رضیہ کی ضد میں سر سے پاؤں تک سفید ریشمی کپڑے پہنے تھے اور کانوں میں صرف ہیرے کے بُندے۔ عذرا سے کئی مرتبہ ہاجرہ نے پوچھا کہ تم کیا پہنو گی مگر اس نے ٹال دیا۔ اُسے جلسے کی کوئی خاص خوشی نہ تھی وہ تو اس رنج میں گھل رہی تھی کہ آگے کیسے پڑھوں ــــ رضیہ تو بی۔اے کرے گی اور میں یونہی رہ جاؤں گی ۔ اس کے دل میں ابھی تک سودیشی کھدّر اور آزادی کی تحریک کا اثر باقی تھا اور اسے ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم کی اس قدر خوشامد اور ان کے آنے کی اتنی تیاری اور بوکھلاہٹ ناگوار تھی۔ جلسے کے دن اس نے اپنا کبھی کا رکھا ہوا کھدر کا سفید شلوار قمیص نکال کر چپکے سے پہن لیا اس پر سبز چنا ہوا دوپٹہ اوڑھا اور برقعہ اوڑھ کر سب کے ساتھ اسکول چلی گئی۔

جلسے میں سیکڑوں وضع کے رنگ برنگ زرق برق کپڑوں اور زیوروں میں ملبوس، خواتین کے درمیان، ہاجرہ کی جھلکتی ہوئی سفید پوشاک پر خواہ مخواہ سب کی نظریں پڑ رہی تھیں لیکن عام طور پر کسی نے اس کھدر پوش کم حیثیت سی لڑکی کا خیال بھی نہیں کیا جو سب سے الگ تھلگ اداس سی پھر رہی تھی۔

شام کو چار بجے سے پہلے ہی عورتیں میم صاحب کی دید کے اشتیاق میں جمع ہو گئیں۔ لڑکیاں اور اُستانیاں ان کو قرینے سے کرسیوں پر بٹھا رہی تھیں۔ مسز نعیم ایک ایک بیوی کو سمجھا رہی تھیں کہ دیکھئے جب میم صاحب تشریف لائیں تو اس طرح آپ سب کھڑی ہو جائیے گا اور جب ان کے گلے میں ہار ڈالا جائے اور وہ تقریر کریں تو یوں تالیاں بجائی جائیں، اور ان کی تقریر خاموشی اور توجہ سے (خواہ ایک حرف سمجھ میں نہ آئے) سنئے گا۔ شور نہ ہو،

کسی کا بچہ نہ روئے، کوئی کرسی نہ گھسیٹی جائے، یہ نہ ہو وہ نہ ہو، عورتیں سہمی ہوئی سی نظر آتی تھیں، دو چار مسز نعیم کی باتوں سے خفا بھی ہو رہی تھیں۔ موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ بیویاں گڑبڑا کر کرسیوں سے اُٹھ اُٹھ کر دیکھنے لگیں۔ مسز نعیم بدحواس ہو کر انھیں سمجھانے لگیں کہ خدا کے لئے خاموش اور قرینے سے بیٹھی رہئے اور پھر گھبرا کر محمدی بیگم، رضیہ، یاسمین، اندرا اور ہیڈ مسٹریس کے ساتھ پیشوائی کو بھاگیں۔ میم صاحب پھولوں سے سجے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوئیں تو چھوٹی چھوٹی بچیوں نے رٹی ہوئی نظم "God save the King" گانی شروع کی۔ میم صاحب پھولوں کی بارش کے درمیان مسکراتی سر کے اشارے سے سلاموں کا جواب دیتی ہوئی آگے بڑھیں۔ ڈائس پر چند کرسیاں رکھی تھیں درمیان میں ایک مخملی کرسی تھی اس کے سامنے کی میز پر کارچوبی میزپوش پڑا تھا اور پھولوں کا گلدان رکھا تھا۔ میم صاحب کے بیٹھتے ہی یاسمین نے گوٹے کا کارچوبی ہار اور پھولوں کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔ استانیوں اور لڑکیوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں مگر بچاری عورتیں اپنا سبق بھول گئیں کسی کسی نے تالی بجائی بھی تو وہ ایک آدھ ہاتھ مار کر رہ گئی۔ میم صاحب کے ساتھ ان کی ہندوستانی نند بھی تھیں۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب ہندوستانی تھے۔

سب سے پہلے مسز نعیم نے کھڑے ہو کر میم صاحب کی شان میں منظوم قصیدہ پڑھا اور پھر رپورٹ سُنائی۔ رپورٹ میں نسیمہ خاتون اور محمد احسان وغیرہ کا ذکر برائے نام تھا جس پر اکثر جاننے والی عورتوں کو بہت تعجب ہوا اور بعض کو ناگوار بھی گزرا۔ عذرا اور ہاجرہ کو تو بہت ہی بُرا معلوم ہوا مگر نسیمہ خاتون نہایت متانت سے بیٹھی سُنتی رہیں۔ رپورٹ کا مس مارتھا (دسویں کی استانی) نے انگریزی میں ترجمہ سُنایا۔ رضیہ نے انگریزی میں تقریر کی جسے

شہر کی عورتیں مُنہ کھولے حیرت سے سُنتی رہیں۔ اس کے بعد دو ڈرامے اسٹیج کئے گئے ایک انگریزی میں ایک اُردو میں۔ اُردو کے ڈرامے میں رضیہ فرخ کو ہیروئن بنانا چاہتی تھی مگر نسیمہ نے اجازت نہ دی۔ عذرا سے بھی تمام لڑکیوں اور استانیوں نے اصرار کیا مگر وہ خود ہی راضی نہ ہوئی۔ آخر ہاجرہ نے ہیروئن کا پارٹ کیا اور انگریزی ڈرامے میں رضیہ نے۔ ڈراموں اور نظموں کے بعد ہیڈمیم صاحب نے تقریر کی جس میں اسکول کی تعریف کی مسٹر اور مسز نعیم کی کوششوں کو سراہا کہ انھوں نے اپنے وطن میں یہ اسکول قائم کر کے بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ لڑکیوں کو انگریزی تعلیم پانے کی ہدایت کی اور مسز نعیم کا شکریہ ادا کیا۔ بعد میں ان کی سندیہ تقریر کا ترجمہ کیا تب عورتیں سمجھیں کہ انھوں نے کیا کہا تھا اب سرٹیفکٹ تقسیم کرنے کا وقت آیا۔ پہلے آٹھویں کی لڑکیوں کو سرٹیفکٹ اور اول آنے والی لڑکیوں کو انعام دئے گئے۔ آخر میں دسویں کی لڑکیوں کو پہلے عذرا کا نام پکارا گیا۔ عذرا سفید کھدر میں ملبوس، سادگی کا مجسمہ آنکھیں جھکائے آکر کھڑی ہوگئی میم صاحب نے کچھ تعجب سے اس لڑکی کی طرف دیکھا مس ماربھانے کہا یہ دسویں میں فرسٹ آئی ہیں اور اسکول کی سب سے ذہین اور قابل لڑکی ہیں۔ سب کی نظریں عذرا پر جم گئیں۔ ہیڈمیم صاحب نے چند لفظوں میں ان کی تعریف کی اور سند و انعام کی کتابیں اُسے دیں۔ عذرا کے جانے کے بعد رضیہ کی باری آئی۔ چونکہ رضیہ بھی فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئی تھی اس لئے خاص طور پر (خلاف قاعدہ) دسویں میں دونوں کو انعام دئے گئے تھے۔ عذرا کو تین کتابیں اور رضیہ کو قیمتی "فونٹن پن" تقسیم انعام کے بعد ڈپٹی کمشنر کی بہن نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میری طرف سے دسویں اور آٹھویں میں اول آنے والی دونوں لڑکیوں کو پندرہ اور

دس روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ سب نے عذرا سے کہا کہ تم کھڑے ہو کر شکریہ ادا کرو۔ مجبور ہو کر وہ کھڑی ہوئی اس کی تقریر مختصر تھی مگر جچے تلے الفاظ، شیریں لہجہ اور سادہ طرز ادا کی وجہ سے سب نے بہت پسند کی۔

جلسے کے بعد مہمان بیویوں کو چائے پلائی گئی۔ خاص خاص مہمانوں کو سیم صاحبہ کے ساتھ مسز نعیم اپنی کوٹھی پر لے گئیں۔ یہاں پُرتکلف ٹی پارٹی کا انتظام تھا۔ عذرا وہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر سیم صاحب اور ان کی نند، اسے اور ہاجرہ کو جس کے ہیروئن کے پارٹ کو انھوں نے بہت پسند کیا تھا، اصرار کرکے اپنے ساتھ لے گئیں۔ سیم صاحب کی حق دار اور سرپرست تو مسز نعیم اور رضیہ ہی بنی رہیں۔ مگر ان کی نند نے ہاجرہ اور عذرا سے خوب باتیں کیں اور چلتے وقت بہت اصرار کیا کہ ڈاک بنگلے پر ہم سے ملنے ضرور آنا۔ مگر ان دونوں نے خوش اسلوبی سے نہ آسکنے کی معذرت کر دی۔

تیرھواں باب

چار دن سے عذرا کو بخار آرہا تھا وہ بیماری میں ذرا دیر کو بھی ماں کو اپنے پاس سے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔ وہ کسی کام کے لئے گئیں اور اس نے شور مچایا "اماں آجائیے میرا جی گھبرا رہا ہے" اس مرتبہ بھائی کی رٹ لگی ہوئی تھی "اماں اگر میں مر گئی تو بھائی جان کے دیکھنے کی حسرت رہ جائے گی" "اماں بھائی جان کو تار دے کر بلا لیجئے میں ضرور مر جاؤں گی" ماں نے پہلے تو تسلی دی سمجھایا اور پھر ڈانٹ دیا کہ "خبردار جو بے ہودہ باتیں بکیں۔ نہیں میں پاس نہ آؤں گی" بچاری یہ سن کر خاموش ہو گئی۔

عذرا سر پر پٹی باندھے لیٹی تھی۔ ہاجرہ اس کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی آج ولایتی ڈاک کا دن تھا۔ باہر سے ڈاکیہ نے آواز دی۔ عذرا

بھائی کے خط کے انتظار میں سخت بے قرار تھی۔ ننگے پاؤں اُٹھ کر باہر بھاگی مگر ہاجرہ نے پکڑ کر لٹا دیا کہ پاگل ہوئی ہو۔ بخار میں یوں پھرو گی۔ بے قراری کیا ہے خط ابھی یہاں آجائے گا" نسیمہ خاتون نے عذرا کا خط اُسے بھیج دیا اور اپنا خود پڑھنے لگیں۔ فرخ نے کہا اماں زور سے پڑھئے نا۔ انھوں نے جواب دیا "تمھارے کام کی کوئی بات نہیں جاؤ عذرا والا خط پڑھ لو"

عذرا نے ہاجرہ سے خط جھپٹ لیا :۔

میری پیاری بہن ۔ جیتی رہو ۔ امتحان کی کامیابی تمھیں ہمیں سب کو مبارک ہو۔ خدا کرے تم اسی طرح علمی و عملی دنیا میں شاندار کامیابیاں حاصل کرو۔ آمین۔ مجھے تم سب کی کامیابی سے بے حد خوشی ہوئی۔ میری طرف سے ذکیہ اور صغرا کو بھی مبارکباد دینا۔

پیاری عذرا تمھارے خط اور مضمون سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ تمھیں اس بات کا بہت صدمہ ہے کہ تم آگے تعلیم نہیں پا سکتیں۔ تمھاری یہ آرزو جائز اور شوق بجا ہے خود میرا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ میری بہن اعلیٰ تعلیم حاصل کرے لیکن دنیا میں سب باتیں انسان کی مرضی کے موافق نہیں ہوا کرتیں۔ خرچ کے سوال کو چھوڑ کر ہمارے یہاں کے رواج اور بندشیں اس قسم کی ہیں کہ اماں تمھیں اپنے سے الگ کسی جگہ بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوں گی۔ اور انھیں مجبور کرنا ناممکن ہے۔ ان کی یہی عنایت کیا کم ہے کہ انھوں نے سب کی باتیں اور اعتراضات سننے کے باوجود ہر طرح کی مالی مشکلیں برداشت کر کے تمھیں دسویں تک پڑھا دیا۔ ہمارے ملک میں اب بھی لاکھوں لڑکیاں ایسی ہیں جن کو معمولی نوشت و خواند کی بھی اجازت نہیں وہ علم کی روشنی کے لئے

تڑپتی ہیں مگر بے بس ہیں۔ بیں اگر اس وقت وہاں موجود ہوتا تو ممکن تھا کچھ کرسکتا۔ میرے واپس آنے میں دو سال کے قریب ہیں جب میں آجاؤں تو انشاء اللہ تمھاری آئندہ تعلیم کا بند و بست کروں گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں پڑھنے کے شوق کے ساتھ ساتھ رضیہ سے مقابلے کا بھی بہت خیال ہے کہ وہ آگے بڑھ جائے گی اور تم رہ جاؤ گی۔ مگر کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ آج کل عام طور پہ تعلیم کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ اسکول کالجوں میں جاکر کچھ کتابیں رٹ کے ڈگری لے لی جائے۔ تاریخ، جغرافیہ، سائنس میں معمولی سی واقفیت اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی لکھنے اور بولنے کی قابلیت ہی کو اعلیٰ تعلیم سمجھ لیا گیا ہے۔ تعلیم کا معیار تو یہ ہے کہ انگریزی بولنی اور سمجھنی آجائے اور مقصد یہ کہ لڑکوں کو نوکری مل جائے اور لڑکیوں کو کوئی اچھا سا بر اسب نہ سہی زیادہ تر لوگ اسی مقصد سے پڑھاتے ہیں۔

انگریزی پڑھنا بہت اچھا ہے۔ کوئی بھی علم اور زبان انسان سیکھے وہ بجائے خود مفید ہے۔ اور پھر انگریزی ادب میں تو اس قدر اعلیٰ درجے کی کتابیں موجود ہیں اور ساری دنیا کی ادبی کتابوں کے ترجمے ہیں کہ محض اس ایک زبان کو سیکھ کر دنیا بھر کے ادب سے واقفیت ہو سکتی ہے اور انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور اسی لئے میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تمھیں اچھی انگریزی آجائے لیکن پہلی اور ضروری چیز اپنی زبان میں مہارت اور عبور حاصل کرنا ہے۔ آج کل ہمارے نوجوان طبقے میں اردو سے ناواقفیت اور انگریزی (خواہ کتنی ہی غلط سلط) بولنے کو بڑے فخر کی بات سمجھا جاتا ہے۔ وہ ایسے بھدے اور بھونڈے پن سے

اُردو میں انگریزی الفاظ ٹھونستے ہیں کہ سُن کر نفرت آتی ہے۔ بلکہ یقین کرو کہ یہ چند روز کی بات ہے کچھ عرصہ بعد اس کا ردِّ عمل ہوگا اور وہ لوگ جو آج انگریزی بولنا فخر اور اردو جاننے کو شرم سمجھتے ہیں اپنی غلطی محسوس کریں گے اور ملک میں انھیں لوگوں کی قدر و منزلت ہوگی جو اپنی مادری زبان پر عبور رکھتے ہیں۔

تمھیں چونکہ لکھنے کا شوق ہے (اور ماشاء اللہ اس عرصے میں تم نے کافی ترقی کی ہے) اس لئے تمھارے لئے بہت ضروری ہے کہ اُردو کو اچھی طرح سیکھو عام لڑکیوں کے مقابلے میں تمھاری اُردو اچھی سہی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اور سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور تمھیں اس پر عبور حاصل ہے۔ ابھی تمھیں اس کے لئے بہت محنت اور کوشش کرنی پڑے گی۔ تم اُردو کے اعلیٰ درجے کے مصنفوں کی تمام کتابیں غور اور توجّہ سے پڑھ ڈالو۔ سرسیّد، حالی شبلی، نذیر احمد، رسوا، شرر، سرشار کی تصانیف خطوطِ غالب اور پھر تمام چوٹی کے شعراء کا کلام کا مطالعہ کرو۔ اس سے تمھاری قابلیت بڑھے گی، مذاق ستھرا ہوگا، معلومات میں اضافہ ہوگا اور لکھنے میں مدد ملے گی۔ مجھ سے اور انضار سے اس بارے میں مشورہ لیتی رہو۔ میں نے انضار کو لکھا ہے کہ وہ تمھارے لئے کتابیں فراہم کریں۔ انضار تو خود بہت اچھا لکھنے لگے ہیں، ہمارا تو سارا ذوقِ ادب ڈاکٹری آلات کی نذر ہو رہا ہے۔

کیا تم سمجھتی ہو کہ جو اسکول کالج میں تعلیم نہ پائے وہ جاہل ہے علم کا مقصد ہے انسان میں اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرنا جو انسان کو

اصلی اور صحیح معنیٰ میں انسان بنائے۔ محض رسمی اور رواجی تعلیم انسان میں یہ صفات پیدا نہیں کرسکتی۔ ہاں صحیح طور پر جو تعلیم دی جائے اس میں مدد ضرور دیتی ہے۔ لیکن اچھی تربیت اور نیکی کی فطری صلاحیت بغیر رواجی اور رسمی تعلیم کے بھی انسان میں اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرسکتی ہے۔ میں مثال کے طور پر اس ہستی کی صفات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جسے تم دنیا میں سب سے زیادہ جانتی ہو یعنی ہماری اماں۔ تم جانتی ہو کہ ان کی تعلیم معمولی اردو نوشت و خواند تک محدود ہے لیکن ان میں فرض شناسی، نیکی، خدا ترسی، خدا شناسی، صبر و استقلال، ہمت اور حوصلہ، توکل اور قناعت کی جیسی اعلیٰ صفات، اور پھر انسانی خدمت کی جو لگن اور ہمدردی کا جیسا گہرا جذبہ ان کے دل میں موجود ہے اس سے زیادہ کیا کسی کالج یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم سے پیدا ہوسکتا ہے؟ تعلیم ان ہی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پہچاننے اور ان کو حاصل کرنے کا ذریعہ تو ہے نا؟

ہاں تو میری پیاری بہن تم رسمی تعلیم پائے بغیر جاہل نہیں رہو گی اپنی تعلیم گھر پر جاری رکھو۔ مطالعہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرو۔ اچھی بات کہیں سے اور کسی سے بھی ملے حاصل کرو۔ اور سب سے زیادہ اپنی ماں کی سیرت اور صفات کو پیش نظر رکھو۔ اور خود بھی ویسی ہی بننے کی کوشش کرو۔

خط بہت طویل ہوگیا۔ اب ختم کرتا ہوں۔ انشاءاللہ پھر باتیں ہوں گی۔ سب کو دعائیں اور پیار۔ باجرہ کیسی ہیں انھوں نے تو ہمیں بھول کر بھی یاد نہیں کیا۔ انصار کیا کر رہے ہیں۔ یورپ

کب تک آئیں گے ؟ مجھے خط کیوں نہیں لکھتے۔ ذرا تم یا ہاجرہ ان کے کان کھینچ دینا۔ نسیم چھ مہینے بعد ہندوستان واپس آرہے ہیں۔ میرا دل تم سب سے ملنے کو اب بہت بے چین ہے مگر کیسے آؤں ؟

تمہارا چاہنے والا بھائی ۔ ریاض

ہاجرہ اور عذرا ساتھ ساتھ خط پڑھتی رہیں۔ اپنے ذکر پر ہاجرہ کا چہرہ سُرخ ہوگیا خط پڑھنے کے بعد عذرا نے چادر میں منہ چھپالیا اور جب ہاجرہ نے زبردستی کھولا تو اس کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ عذرا نے کہا "ہاجرہ پڑھا بھائی جان کا خط"

ہاجرہ۔ ٹھیک تو لکھا ہے بھائی جان نے۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہنا چاہتی تھی۔ مگر ڈر کے مارے نہیں بولی۔ میرا تو یہی خیال ہے کہ رضیہ کتنا ہی پڑھ جائے تمہاری سی قابلیت اس میں کہاں سے آئے گی۔

عذرا۔ بھائی جان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اصلی چیز اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں اور یہی علم کا مقصد ہے یہ بھی سچ ہے کہ اماں جیسی بے مثل سیرت کے انسان بہت کم ہوتے ہیں میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ـــ مگر ہاجرہ سچ کہوں ـــ جی یہی چاہتا تھا کہ کالج میں پڑھتی ـــ

فرخ آگئی اور عذرا سے بھائی کا خط لے کر پڑھنے لگی۔ عذرا نے کہا "باجی اماں کے نام کا خط تو لادو" فرخ منہ بنا کر بولی اماں نے نہ مجھے خط دیا نہ سُنایا۔ یہ کہا تم عذرا کا خط پڑھ لو۔ نہ جانے کیا بات ہے جب سے پڑھا ہے فکر مند بیٹھی ہیں۔

تینوں لڑکیاں سوچتی رہیں کہ کیا بات ہو سکتی ہے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

عذرا کا بخار کئی دن ہو گئے نہ اُترا۔ نسیمہ بہت پریشان ہوئیں۔ محمد احسان کو لکھا وہ تین دن کی چھٹی لے کر آئے اور ڈاکٹر کو بلا کر اچھی طرح دکھایا اُس نے میعادی

بخار بتا یا اور بہت پرہیز اور احتیاط کی تاکید کی۔ محمد احسان کو اس وقت چھٹی نہیں مل سکتی تھی اس لئے مجبوراً چلے گئے۔ نسیمہ گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے سے اور بھی پریشان تھیں۔ عذرا کو اب دو ایک روز سے غفلت رہنے لگی تھی۔ سارے دن ہاجرہ، فرخ، صغرا، سیدہ اس کے پاس رہتیں۔ حبیب الٰہی دو مرتبہ آئے اور بڑی دیر تک اس کے سرہانے بیٹھ کر دعائیں پڑھتے رہے۔ دن میں دو مرتبہ اُن کا ملازم دوا لانے اور ڈاکٹر سے حال کہنے کے لئے آتا تھا۔ دو چار مرتبہ جمیل بھی مزاج پرسی کے لئے آیا اور خالہ سے اصرار سے کہا کہ کوئی کام ہو تو مجھے بتا دیجئے۔

بخار کو پندرہواں دن تھا۔ عذرا غفلت میں بے سدھ پڑی تھی۔ وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ ہاتھ لگاتے ڈر لگتا تھا۔ نسیمہ خاتون دعا پڑھ رہی تھیں فرخ صغرا پاس بیٹھی تھیں کہ اوپر سے ہاجرہ بھاگتی ہوئی آئی اور بولی "آپا جان انصار بھائی ابھی حیدرآباد سے آئے ہیں۔ وہ یہاں آتے ہی ہوں گے" ذرا دیر بعد انصار آ گئے لیکن عذرا کی حالت دیکھ کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔۔۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ انصار پہلے تو بہت پریشان ہوئے مگر پھر اپنے کو سنبھال کر نسیمہ خاتون کو تسلی دی اور اُن سے پوچھ کر شام کو دوسرے ڈاکٹر کو لے آئے۔ انھوں نے کچھ دوائیں وغیرہ بدلیں۔ تیمارداری کے متعلق ہدایتیں دیں۔ ایک انجکشن دیا اور کہا اب غفلت کم ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کے اطمینان دلانے سے نسیمہ خاتون اور لڑکیوں کو کچھ تسلی ہوئی۔

انصار نے عذرا کی تیمارداری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دوا اور غذا دینے کا باقاعدہ ٹائم ٹیبل بنا کر لٹکا دیا۔ ٹمپریچر چارٹ تیار کیا۔ دن اور رات میں سب کی باریاں مقرر کیں۔ نسیمہ خاتون کو مجبور کیا کہ وہ رات میں چند گھنٹے آرام کر لیا کریں۔ وہ خود سارا دن یہاں رہتے۔ ٹمپریچر لینا اور دن بھر رات ٹھیک

وقت پر دوائیں، دودھ اور عرق وغیرہ پلاتا، ڈاکٹر کو لانا دکھانا سب ان کے ذمّہ تھا۔

اٹھارھواں دن تھا۔ بخار دو دن سے کچھ کم تھا مگر غفلت کی وہی حالت تھی۔ نہ کسی کو پہچانتی نہ منھ سے کچھ بولتی۔ انصار دوا یا دودھ پلانے کے لئے لاتے تو بہت پکارنے پر صرف منھ کھول دیتی تھی۔ آج ڈاکٹر نے دوسرا انجکشن دیا تھا۔ نسیمہ خاتون باہر تھیں۔ فرخ یخنی پکا رہی تھی۔ عذرا کے پاس صرف سیّدہ اور انصار تھے۔ سیّدہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھ رہی تھی۔ انصار نے گلاس میں دوا انڈیلی اور عذرا کے پاس جاکر کہا "عذرا۔ عذرا۔ لو دوا پی لو"۔ عذرا نے خلافِ معمول آنکھیں کھول دیں اور انصار کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ انصار نے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ عذرا نے دوا پی لی اور آہستہ سے کہا "کون انصار ماموں؟ تم کب آئے؟" سیّدہ خوشی سے اچھل پڑی "انصار ماموں انصار ماموں۔ باجی بول پڑیں۔ انھوں نے آپ کو پہچان لیا" انصار نے لبوں پر انگلی رکھ کر سیدہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ عذرا نے پھر آہستہ سے کہا "تم ولایت کب جا رہے ہو۔ بھائی جان وہاں انتظار کر رہے ہیں۔ اور انصار ماموں تم بھائی جان کے خط کا جواب کیوں نہیں دیتے۔" انصار بدحواس کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عذرا بخار میں بہک رہی ہے یا سمجھ کر باتیں کر رہی ہے۔ نسیمہ اور فرخ بھی لپکی ہوئی اندر آئیں۔ عذرا نے انھیں دیکھا "اماں؟ باجی؟ آپ کہاں تھیں۔ مجھے کیا ہوا تھا؟" نسیمہ خاتون بے اختیار سجدے میں جھک گئیں اور فرخ بہن کے پاس بیٹھ کر اس کا سر محبّت سے سہلانے لگی۔

اس دن سے عذرا کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوگئی۔ اکیسویں دن

بخار اتر گیا۔ لیکن انصار کی تاکید اور ڈاکٹر کی ہدایت کی وجہ سے بستر پر ہی بیٹھی رہتی۔ ہاجرہ، انصار، فرخ، صغرا، ذکیہ سب اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتے رہتے۔ انصار انگریزی کے قصّے سُناتے۔ طرح طرح کے کھیل لوڈو، ڈرافٹ، تاش وغیرہ کھیلتے۔ کبھی سیدہ انصار کی غزلیں اور نظمیں سُناتی اور کبھی اپنی چھوٹی چھوٹی نظمیں جنھیں انصار نے اصلاح دے کر ٹھیک کر دیا تھا۔

عذرا نے دیکھا کہ آج کل مسز نعیم کا آنا جانا بہت بڑھا ہوا ہے، اور جمیلہ خاتون بھی رازدارانہ گھنٹوں بہن سے باتیں کیا کرتی ہیں۔ جمیل بھی دوڑ دوڑ کر آتا ہے۔ محمد احسان آئے تو وہ بھی چپکے چپکے بھاوج سے بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے مگر عذرا کا دماغ اس قدر کمزور ہو رہا تھا کہ وہ دیر تک کسی بات کو نہ سوچ سکتی تھی اور نہ اُس سے کوئی نتیجہ نکال سکتی تھی۔

ہاجرہ۔ عذرا میں نے پتہ چلا لیا کہ آپا جان کیوں فکرمند اور فرخ پریشان ہیں اور کس لئے مسز نعیم دوڑ دوڑ کر آتی ہیں اور جمیلہ آپا کیوں ناراض ہیں۔

عذرا۔ تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے مجھے تو وحشت ہونے لگی۔

ہاجرہ۔ (ہنس کر) گھبراؤ نہیں تمھاری بات نہیں ہے۔

عذرا۔ (حیران ہو کر) میری بات کیا ہوتی؟ بتاتی کیوں نہیں ہو۔

ہاجرہ۔ فرخ باجی کی منگنی کی بات چیت ہو رہی ہے۔

عذرا۔ (بے چین ہو کر) باجی کی منگنی ــــ کس سے؟

ہاجرہ۔ آخر بدحواسی کیا ہے اطمینان سے سُنو تو سُناؤں۔

عذرا۔ سُناؤ بھی تو۔

ہاجرہ۔ وہ جو اس دن ریاض بھائی کا خط آپا جان کے نام آیا تھا نا جو

انھوں نے کسی کو نہیں دکھایا تھا اس میں انھوں نے نسیم صاحب کو لکھا تھا کہ وہ بہت اچھے اور قابل آدمی ہیں اور ان کا ارادہ فرخ کو پیام دینے کا ہے آپ اس رشتے پر غور کیجئے۔

عذرا۔ نسیم —؟ خان بہادر کے لڑکے؟ بھلا اُن کا اور باجی کا کیا جوڑ— وہ فیشن ایبل، بے پردہ آزاد خیال بیوی چاہتے ہوں گے۔ اور پھر وہ امیر ہم غریب — بھائی جان نے بھی کمال کیا۔

ہاجرہ۔ احسان چچا نے بھی تقریباً یہی باتیں کہی تھیں جو ابھی تم نے کہیں اور کہا ہم ایسی جگہ اپنی لڑکی دینا نہیں چاہتے جہاں اس کو کم حیثیت سمجھا جائے یا خلاف طبیعت اپنے خیالات اور معاشرت بدلنے پر مجبور کیا جائے، لیکن مسز نعیم بار بار آئیں اور سب شکوک مٹانے کی کوشش کی۔ وہ کہتی ہیں کہ نسیم کو فیشن ایبل آزاد خیال بیوی پسند نہیں — اور نہ وہ پردے کے معاملے میں جبر کرے گا۔ رہی امیری غریبی اس کا سوال نہیں — فرخ ہزاروں میں ایک لڑکی ہے۔ وہ ہمارے ہاں آجائے تو ہمارے نصیب جاگ اُٹھیں گے۔

عذرا۔ بڑی آئیں بچاری۔ وہ کون ہوتی ہیں میری باجی کو مانگنے والی۔ مجھے یہ سب ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

ہاجرہ۔ تم تو احمق ہو۔ خیر یہ قصّہ تو تھا ہی اس کے ساتھ یہ جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا کہ جمیلہ آپا کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئیں اور دعوے کرنے لگیں کہ فرخ تو میری ٹھیکری کی مانگ ہے۔ ہرگز اور کہیں بیاہ ہو نہیں سکتا۔ میں اپنا خون کر ڈالوں گی۔

عذرا۔ ہائے جمیل بھائی!! وہ تو بہت بُرے ہیں۔ بدمزاج۔ پڑھے نہ لکھے

اور پھر خالہ جان کا مزاج کون بھر سکتا ہے۔
ہاجرہ۔ اب بچاری آپا جان پریشان کہ کیا کریں کیا نہ کریں مگر جب خان بہادر اور ان کی بیوی نے احسان چچا کا اطمینان کر دیا تو انھوں نے بھی مشورہ دیا کہ نسیم کا پیام منظور کر لو اور جمیل بھائی کے پیام پر تو بہت ناراض ہوئے کہ اس نے ابھی بی۔ اے بھی نہیں کیا نہ نوکر نہ چاکر اسے کون اپنی لڑکی دے گا۔
عذرا۔ میری باجی کے پیام دینے کو یہی دو لونڈے رہ گئے تھے؟ آخر اماں کو ایسی جلدی کیا ہے۔
ہاجرہ۔ آپا بہت پریشان تھیں کہ کیا کریں۔ انھوں نے دادا ابا سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ نسیم سے نسبت کر دو اور جمیل کو ٹال دو۔
عذرا۔ اب میں سمجھی کہ کیوں روز روز جمیل بھائی آتے اور اماں کے کام کرتے رہتے ہیں۔
ہاجرہ۔ جمیلہ آپا کو جب پتہ چلا کہ نسیم سے منظوری دے دی گئی تو بہت ہی ناراض ہوئیں روئیں دھوئیں اور بچارے جمیل بھائی تو سنا ہے جان دینے پر آمادہ تھے۔ خیر آپا نے کسی نہ کسی طرح جمیلہ آپا کو منا لیا اور کہا لڑکا ابھی نوکر چاکر نہیں اس لئے احسان ناراض ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا فرخ کا ہو جانے دو ابھی تو اور لڑکیاں ہیں۔
عذرا۔ کیا؟ کیا؟ اس سے کیا مطلب؟
ہاجرہ۔ (ہنس کر) مطلب یہ کہ فرخ سے نہ سہی عذرا سے ہو جائے گا۔
عذرا۔ (ہاجرہ کے تھپڑ مار کر) چپ رہو بدتمیز۔
ہاجرہ۔ واہ میرا اس میں کیا قصور ہے میں تو جو ہوا وہ سنا رہی ہوں خیر تم پریشان نہ ہو سمجھیں تو خود جمیل بھائی پسند نہیں کرتے۔ وہ بچارے

تو فرخ باجی پر ـــــ عا ـــــ شق تھے ـــــ

عذرا۔ ہاجرہ تم بڑی بے شرم ہو گئی ہو۔ خدا کے لئے ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔ اماں نے سن لیا تو مار ڈالیں گی۔

ہاجرہ۔ جی! اور یہ بھی پتہ ہے کہ یہ نسبت کیوں ہوئی۔

عذرا۔ کیوں؟

ہاجرہ۔ کسی سے کہنا نہیں کان لاؤ تو چپکے سے بتاؤں گی۔ آپا کو خبر ہو گئی تو غضب ہو جائے گا۔

عذرا۔ (ہکا بکا ہو کر) وہ ایسی کیا بات ہے؟

ہاجرہ۔ یہ تو تمھیں پتہ ہے کہ رضیہ اور فرخ باجی کی ہمیشہ سے دوستی ہے انھوں نے اپنے بھائی کے سامنے فرخ باجی کی بڑی تعریفیں کیں۔ ان کی اماں نے بھی کہا کہ یہ لڑکی مجھے پسند ہے مگر وہ چپ رہے۔ ولایت میں یہ ہوا کہ کہیں ریاض بھائی کے پاس انھوں نے فرخ باجی کی تصویر دیکھ لی وہ ماشاء اللہ سے خوبصورت تو ہئی ہیں۔ انھیں بھی پسند آئیں اور وہاں ریاض بھائی سے کہا، یہاں اپنی اماں کو لکھا اور اس طرح ـــــ نسبت ہو گئی۔

عذرا منہ پھلا کر چپ ہو رہی۔

ہاجرہ۔ تم احمق ہو۔ باجی کی شادی ہو گی خوب چہل پہل رہے گی۔ فرخ باجی دلھن بن کر کیسی پیاری لگیں گی۔

عذرا۔ ہائے میری باجی مجھ سے چھٹ جائیں گی۔ اور جائیں گی بھی خان بہادر کے جن کے ہاں مجھے کوئی بھی اچھا نہیں لگتا۔

انصار نے کمرے میں آ کر کہا۔ کیوں کیوں۔ یہ عذرا کی آنکھیں کیوں

شرخ ہیں کیا ہوا ہاجرہ کیا تم لڑ پڑیں۔ بھلی ابھی عذرا اس قابل نہیں ہوئی کہ اس سے لڑا جائے۔
ہاجرہ۔ میں تمھاری طرح لڑاکا نہیں کہ ہر وقت لڑتی رہوں۔ عذرا تو اس غم میں رو رہی ہے کہ باجی کی شادی ہو جائے گی اور میں یونہی رہ جاؤں گی۔
انضمار۔ ارے تمھیں اتنا رشک اور جلدی کیا ہے۔
عذرا۔ (جھنجھلاکر) تم دونوں بدتمیز ہو — جاؤ مجھ سے بات نہ کرو۔
انضمار۔ تم روز بروز خود بدتمیز ہوتی جاتی ہو۔ کوئی بڑوں سے اس طرح بات کرتا ہے۔
ہاجرہ۔ بھئی اس وقت اسے نہ چھیڑو۔ وہ سچ مچ رو دے گی۔
انضمار۔ آخر کوئی وجہ بھی۔
عذرا۔ کچھ نہیں۔
انضمار۔ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔
عذرا۔ میری باجی بچاری مجھ سے چھُٹ جائیں گی اس کا صدمہ کیا کم ہے اور پھر انضمار ماموں نہ جانے یہ نسیم پسیم کیسے آدمی ہوں۔ مجھے تو ڈر ہے کہ جیسے باپ ہیں، ویسے ہی بیٹے بھی ہوں، گے۔
انضمار۔ نہیں نسیم بہت خوبیوں کے آدمی ہیں۔ اپنے باپ سے بہت مختلف، ہیں۔ ان کی طبیعت ماں سے ملتی جلتی ہے۔ بہت شریف کم سخن، ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ فرخ کی اور ان کی خوب بنے گی۔ بیوی کے فرماں بردار غلام بن کر رہیں گے۔
ہاجرہ۔ اب اتنا مبالغہ بھی نہ کرو۔
انضمار۔ نہیں سچ کہتا ہوں مجھے نسیم بہت پسند ہیں۔ عذرا تم بلاوجہ

سب سے بدگمان رہتی ہو۔ ریاض بھائی اور احسان ماموں سے زیادہ دور اندیش اور آدمی کو پہچاننے والا کون ہوگا۔ یہ آئیں سب سے زیادہ بڑی بوڑھی دادی اماں بن کر نکتہ چینی کرنے والی۔

اتنے میں فرخ اندر داخل ہوئی۔ وہ آج کل کسی سوچ میں غرق اور اداس رہتی تھی۔ عذرا نے بہن کو دیکھا تو دونوں باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں "میری باجی تم مجھ سے چھٹ جاؤ گی"۔ فرخ نے یہ سنتے ہی عذرا کے کندھے میں منہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُسے روتا دیکھ کر عذرا اور ہاجرہ بھی رونے لگیں۔ انصار یہ مجلس ہوتے دیکھ کر پریشان ہوگیا "ارے بھئی یہ کیا ہے؟ آخر یہ تماشا کیا ہے، بھلا رونے کی کوئی بات تھی؟" لیکن کسی نے اس کی بات نہ سنی "یہ عورت بھی خدا نے عجیب مخلوق بنائی ہے۔ خوشی میں، رنج میں آرام میں، تکلیف میں ہر حالت میں رونا — رونا — اچھا لو تم مجلس کئے جاؤ میں تو جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا — مرد کسی بات سے اس قدر نہیں گھبراتا جتنا عورت کے آنسوؤں سے۔

چودھواں باب

۱۶ر نومبر ۲۵ء

اکبر پور ۔

میرے پیارے بھائی جان. آداب، اشتیاقِ دیدو قدم بوسی ۔ پرسوں آپ کا خط اور اس سے پہلے پارسل اور تار ملا ۔ آپ کی خیریت معلوم کر کے ہم سب کو بہت خوشی اور اطمینان ہوا، خصوصاً اماں کو جو اس زمانے میں آپ کے نہ ہونے کو بہت محسوس کر رہی تھیں ۔ آپ کو تار سے باجی کی شادی کی اطلاع تو دے دی گئی تھی اب آپ کے حسب الحکم تفصیل سے ان کی شادی کا حال لکھتی ہوں ۔

سب سے پہلی بات تو یہ سُنئے کہ آپ کے موجود نہ ہونے کا

اماں کو اور خود باجی کو بہت قلق تھا۔ باجی دن میں دو چار مرتبہ آپ کو یاد کر کے اور ابا کا ذکر کر کے خود بھی روتیں اور ہمیں بھی رُلاتی تھیں۔ ایک تو میں یونہی اُن کی جدائی کے خیال سے رنجیدہ تھی۔ اوپر سے انھوں نے رُلا رُلا کر یار ڈالا اب خود تو مزے سے خوش و خرم ہیں ہمیں خواہ مخواہ اداس کر دیا۔

لیجئے میں کیا کا کیا لکھنے لگی ابھی تو باجی کی شادی کا ذکر سُنانا ہے ــــ نسیم بھائی کے ولایت سے آتے ہی مسز نعیم نے دھوم دھام سے منگنی کی رسم کر دی اور نومبر کے شروع میں شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اماں پہلے ہی سے تیاری کر رہی تھیں۔ اب انھوں نے خالہ جان اور چچی محمدی وغیرہ کی رائے سے اور چیزیں خریدیں۔ چچا جان نے تاکید کر دی تھی کہ جہیز میں فضول اور بے کار سامان نہ دیا جائے اور نہ دھوم دھڑکا باجا گاجا ہو۔ خان بہادر کے ہاں بھی کہلوا دیا تھا۔

اماں نے باجی کے بیس جوڑے۔ پانچ سوتی اور پندرہ ریشمی۔ گرمی سردی کے بستر، پلنگ کی چادریں، تکیوں کے غلاف، میز پوش، خوان پوش، رومال، موزے، بنیان، کمربند، بٹوے، تکیے دانیاں اَلا بَلا، غرض اس قسم کی بہت سی چیزیں بنائی تھیں۔ چھتر برتن تانبے کے اور پچیس چینی کے۔ ایک چائے کا سٹ۔ زیور میں دو چیزیں گلے کی، دو کانوں کی دو ہاتھوں کی۔ کف گریبان کے بٹن۔ تین انگوٹھی چھلے اور تین چار زیور چاندی کے پاؤں میں پہننے کے لئے۔

(زیوروں کے نام لکھنے سے کیا فائدہ آپ سمجھیں گے ہی نہیں)
ہاں ایک پلنگ، پیڑھی اور لکھنے کی میز کرسی بھی تھی ــــ
خالہ جان نے دو جوڑے اور ٹیکا دیا (ماتھے پر لگاتے ہیں مگر سچ بھائی جان بڑا بھدا زیور ہے) چچا جان نے نقد روپے دیئے۔ نہ جانے کتنے۔ صغرا نے چچی جان کی چیزوں میں سے ایک جوڑا نکال کر دیا۔ محمدی چچی نے ایک جوڑا اور کچھ روپے دیئے۔ ہاجرہ نے ایک خوبصورت سنگاردان، انصار ماموں نے فونٹین پن اور میں نے پانچ کتابیں دیں۔ سیّدہ نے سلائی کی صندوقچی منگا کر تحفہ میں دی۔ باجی کی سہیلیوں اور اُستانیوں نے بھی چھوٹے چھوٹے تحفے دیئے۔ آپ نے باجی اور ان کے دولھا کی جو گھڑیاں بھیجی تھیں وہ سب نے بہت پسند کیں۔ باجی تو اسے ہر وقت پہنے رہتی ہیں اور ایسی اتراتی ہیں جیسے دوسروں کو چڑا رہی ہوں۔ اماں نے دو جوڑے دولھا کے بنائے تھے۔ ایک سونے کی انگوٹھی اور ۱۵ روپے سلامی میں دیئے۔

باجی کی بَری بڑے ٹھاٹ کی آئی۔ بہت بھاری بھاری گیارہ جوڑے جن میں کئی ساڑیاں تھیں اور جڑاؤ زیور کا پورا سٹ۔ ہمارے ہاں تو زیادہ مہمان نہ تھے اور سادگی سے شادی ہوئی۔ مگر خان بہادر کے ہاں بہت دھوم دھڑکا ہوا۔ بھائی جان باجی دلھن بنی ایسی پیاری لگتی تھیں کہ کیا بتاؤں۔ مگر ان کی ناک کی نکیل (نتھ) مجھے بہت بری

لگ رہی تھی۔ اگرچہ عورتیں تو کہہ رہی تھیں کہ فرخ کے منہ پر نتھ بہت کھلتی ہے!! میرا بڑا جی چاہتا تھا کہ دلہن بنی باجی کی تصویر کھنچوا کر آپ کو بھیجوں۔ انصار ماموں کیمرہ تک لے آئے مگر خالہ جان کے ڈر سے اماں نے اجازت نہیں دی۔ خالہ جان کے ذکر پہ یاد آیا کہ وہ بہت ناراض ہیں کہ ہمیں غریب سمجھ کر ٹھکرا دیا اور امیروں میں کر دیا۔ شادی میں شریک تو ہوئیں مگر خفا خفا رہیں اور جمیل بھائی تو شریک بھی نہیں ہوئے۔ باجی کی شادی سے خفا تو میں بھی ہوں۔ نہ جانے آپ سب کو اتنی جلدی کیا تھی۔ پھر شادی بھی کی تو خان بہادر کے ہاں۔ مجھے بڑا رنج تھا کہ ایسے گھر میں باجی کی شادی ہو رہی ہے مگر جب باجی ان سے بہت خوش ہیں، آپ، اماں اور چچا جان خوش ہیں اور پسند کرتے ہیں تو میں بچاری بھلا کس گنتی میں ہوں؟ ویسے اتنا اندازہ میں نے بھی لگایا کہ دولھا بھائی (اماں کا حکم ہے کہ نسیم کو دولھا بھائی کہو) خاصے اچھے آدمی ہیں۔ اچھے نہ ہوتے تو آپ کیوں پسند کرتے؟ خیر جو ہونا تھا ہو گیا مگر آپ سب نے مل کر میری باجی کو مجھ سے چھین لیا۔ ہاجرہ کہتی ہے تمھیں اس لئے فرخ کی شادی کا رنج ہے کہ اب گھر میں کوئی لڑنے کو نہیں رہا۔ بات تو ٹھیک ہے مگر آخر لڑائی بھی اسی سے ہوتی ہے جس سے محبت اور بے تکلفی ہو کوئی اجنبیوں اور غیروں سے لڑنے نہیں جاتا۔

باجی یوں گئیں صغرا بھی جانے والی ہے۔ اور باجرہ ہی کا کیا اعتبار کروں۔ اور میں ان سب کے غم میں گھل گھل کر نیم جاں ہو جاؤں، اس کی کسی کو پروا نہیں۔ یہ آخر ماں باپ لڑکیوں کو کیوں گھر سے نکال دیتے ہیں؟

لیجئے وہ باجی اپنی سسرال سے تشریف لے آئیں۔ آہا آج تو بنارسی ساڑی زیب تن ہے۔ ساس نند کا اثر پڑنا ہی چاہیئے۔ اللہ کرے خالہ جان آجائیں پھر مزا آئے۔ وہ دولہا بھائی بھی آگئے، اماں پکار رہی ہیں۔ اب جاتی ہوں باقی خط آکر لکھوں گی۔

۷ ار نومبر۔ کل دولہا بھائی کی خاطر مدارات اور باجی سے لڑنے جھگڑنے سے فرصت ہی نہیں ملی کہ خط پورا کرتی۔ ہاں بھائی جان میری دعا قبول ہو گئی۔ خالہ جان نے باجی کو خوب بُرا بھلا کہا: ابھی سے یہ حال ہے تو آگے کیا کرو گی؟ باجی بہت روئیں اور فوراً ساڑی اُتار کر دوسرے کپڑے بدل لئے۔

اماں نے شادی میں بہت محنت کی اس لئے کمزور ہو گئی ہیں اب ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی کوئی نہ کوئی شکایت چلی جاتی ہے۔ میں زبردستی دودھ اور دوا کا استعمال کراتی ہوں اب تو ان سے آپ کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ نماز پڑھ کر دعا مانگتے ہوئے ایسی بے قراری سے روتی ہیں کہ کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ بھائی جان اب تو جلدی سے آجایئے۔ مجھے اماں کی طرف سے بڑا فکر رہتا ہے۔ پہلے دونوں بہنیں آپس میں باتیں کرکے دل ہلکا کر لیتے تھے اب میں اکیلی فکر کرنے کو رہ گئی۔ دیکھیں وہ کون سا

دن ہوگا جب آپ خیر سے واپس آ کر ہم سے ملیں گے۔

سیدہ اچھی ہے اگرچہ اس کی کمزوری اور دُبلا پن بدستور ہے۔ اب وہ ساتویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ گھر کا سارا کام کرتی ہے۔ سینے پرونے پکانے اور گھرداری کے کاموں سے بڑی دلچسپی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنی سی عمر میں کیسے اتنی اچھی طرح یہ سب کام کر لیتی ہے۔ میرا تو آج تک ان میں جی نہیں لگتا۔ ہاں بھائی جان بی سیدہ شاعرہ بھی تو بن گئی ہیں۔ انصار ماموں ان کے استاد ہیں۔ باجی کی شادی پر انصار ماموں اور سیدہ دونوں نے سہرے لکھے تھے۔ آپ کو نقل بھیج رہی ہوں۔

اصغر اس سال نویں میں آ گیا ہے۔ آپ نے یہ بھی سُنا۔ صغرا کی نسبت حیدر آباد والے چچا کے بڑے لڑکے سے آ رہی ہے چچا جان نے لڑکے کو دیکھنے کے لئے بلایا ہے پسند آ گیا تو سال چھ مہینے میں بی صغرا بھی بیاہ دی جائیں گی۔ خدا رحم کرے!!

ہاجرہ دسویں میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئی ہے نانا ابا پریشان ہیں کہ لڑکی بغیر کسی عزیز عورت کے گھر میں اکیلی رہتی ہے۔ انصار ماموں نے بہت زور دیا کہ علی گڑھ گرلز کالج میں داخل کر دیں مگر وہ نہیں مانتے۔ ہاجرہ بڑی خفا ہوتی ہے کہتی ہے جب میں بچپن سے اکیلی رہتی ہوں تو اب کیا ہو گیا۔ اب تو سمجھدار ہوں اپنا نیک بد سمجھتی ہوں اور جب تو بالکل ناسمجھ بچی تھی آخر یہ بڑھاپے میں لوگ اس قدر شکی اور وہمی کیوں ہو جاتے ہیں۔

شکر ہے کہ میری اماں ایسی نہیں ورنہ میں تو پاگل ہو جاتی۔

انصار ماموں نے بی۔ اے کے بعد ایم۔ اے میں داخلہ لے لیا ہے۔ حبیب نانا کی مرضی نہیں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے انصار ایل ایل بی کریں پھر یورپ "لا" کی تعلیم کے لئے جائیں۔ مگر اب انصار ماموں وہ نہیں رہے کہ جب چاہیں نانا ابا کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک کرالیں۔ انھوں نے کہا یا تو مجھے ابھی یورپ بھیجئے ورنہ ایم۔ اے کروں گا۔ خیر بڑے قصے جھگڑوں کے بعد یہ طے ہوا کہ وہ ایم۔ اے کرلیں پھر سب چلا جائے گا۔ نانا ابا سمجھتے ہیں کہ وہ ایم۔ اے کے بعد بیرسٹری کے لئے یورپ جائیں گے اور انصار کہتے ہیں کہ یا تو پی۔ ایچ۔ ڈی کروں گا یا اخبار کا کام سیکھنے جاؤں گا۔ اب وہ اپنے کو کافی بڑا آدمی سمجھنے لگے ہیں آخر ایم۔ اے کے طالب علم ہیں، ادیب ہیں شاعر ہیں۔ بعض وقت بڑا فلسفہ بگھارتے ہیں۔ بس ہاجرہ ٹھیک بناتی ہے انھوں نے ڈون کی لی اور اس نے بات کاٹی۔

آپ خط پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہوں گے مگر آپ ہی نے تو کہا تھا کہ سب باتیں مفصل لکھنا۔ بس ایک بات اور میں نے ایک انعامی مقابلے کے لئے مضمون لکھا تھا۔ آج ہفتہ بھر ہوا مجھے دوسرا انعام ملا ہے۔ پندرہ روپے۔ اس سے میں نے منشی پریم چند کی تازہ تصانیف منگالی ہیں۔ بہت دن سے ان کے لئے تڑپ رہی تھی مگر اماں بچاری کو خرچ کی دقت رہتی ہے اس لئے ان سے نہیں کہا تھا۔ میں آپ کے

حسب الحکم اچھے اچھے مصنفوں اور شاعروں کی کتابیں پڑھتی رہتی ہوں۔ انصار ماموں جب آتے ہیں اپنے کالج کی لائبریری سے کتابیں لا دیتے ہیں۔ کچھ یہاں لڑکوں کے اسکول کی لائبریری سے مل جاتی ہیں۔

اماں آپ کو بہت بہت دعائیں دیتی اور پیار کہتی ہیں مصروفیت کی وجہ سے خط نہیں لکھا۔ اگلے ہفتے لکھیں گی۔ باجی اور دولہا بھائی خود خط لکھ رہے ہیں۔ ہاجرہ آداب کہتی ہے میں نے بہت کہا کہ آخر تم بھائی جان کو خط کیوں نہیں لکھتیں مگر اس کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ مجھے اچھا خط لکھنا نہیں آتا۔ بھائی جان دیکھ کر مذاق اڑائیں گے۔

اب تو ہر شخص آپ کو پوچھتا رہتا ہے کہ کب آئیں گے۔ بڑی بی آپ کو دعا لکھوا رہی ہیں۔ ہاں بھائی جان وہ اپنی آنکھوں کی روشنی اس امید پہ بڑی تیزی سے کھو رہی ہیں کہ "اللہ رکھو ریاج میاں آ کر میری آنکھیں اچھی کر دیں گے۔"

آپ کو ہر دم یاد کرنے والی آپ کی پیاری بہن
عذرا

پندرھواں باب

ریاض نے جرمنی سے ڈاکٹری کی ڈگری لے لی۔ ان کے دوستوں اور اُستادوں کا اصرار تھا کہ وہ انگلینڈ سے بھی ڈگری لے لیں صرف دس مہینے میں مل جائے گی۔ ماں کی محبت اور ان کی بے قراری کا تصور ریاض کو بے چین کر رہا تھا اور ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ یہ بات انھیں لکھیں مگر ان کے دوستوں نے محمد احسان کو لکھا تو ان کو بھی یہ رائے پسند آئی، اور انھوں نے بھاوج سے اور دس مہینے کی اجازت دلوادی نسیمہ خاتون ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہی تھیں۔ اب جو نو دس مہینے کی اور جدائی کا ذکر سُنا تو پہلے بہت ناراض ہوئیں اور صاف انکار کر دیا۔ مگر پھر سوچ سمجھ کر دیور سے کہا اچھا بھائی جہاں اتنے دن گزارے یہ اور سہی مُردے پر جہاں سو من مٹی وہاں سوا سو من۔ اور دل پہ پتھر رکھ کر اجازت

دے دی اور ریاض انگلستان میں سینے کے امراض کے متعلق ریسرچ کرنے لگے۔
فرخ کے میاں نسیم ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلی گئی تھی صغرا کی چھ مہینے ہوئے حیدر آباد میں شادی کر دی گئی تھی صغرا کی شادی میں نسیمہ نے بہت محنت کی اور فرخ سے بھی زیادہ اچھا جہیز دیا۔ انھیں فکر تھی کہ ایسا نہ ہو کہ کسی بات میں کسر رہ جائے اور بے ماں کی بچی دل میں یہ خیال آئے کہ میری ماں زندہ ہوتی تو یہ کرتی وہ کرتی۔ محمد احسان نے بہت کہا کہ جو اس کی ماں کا زیور کپڑا ہے وہ دے کا اور جو ہوگا میں نقد دیدوں گا مگر نسیمہ خاتون نے نہ مانا مکمل جہیز تیار کیا اور اس کی جگہ نہ چھوڑی کہ کوئی اعتراض کرے یا انگلی رکھ سکے اپنی طرف سے دو بھاری جوڑے اور جھومر صغرا کو دیا۔ ہزار سے زائد فرخ کی شادی میں قرض ہو گئے تھے۔
اب پانچ سو روپیہ صغرا کے بیاہ پر سودی نکلوایا۔ احسان ہمیشہ ان کے اڑے بھڑے وقت پر کام آنے والے اور ان کے چھوٹے بھائی تھے۔
ان کا دل کیسے گوارا کرتا کہ ان کی بچی کی شادی میں یونہی برائے نام کچھ دے دلا دیں۔ دراصل ان کا دل ضرورت سے زیادہ کھلا ہوا تھا لین دین کے وقت انھیں اپنی مشکلات اور عسرت کا خیال نہیں رہتا تھا۔
سودی قرض لینے سے آمدنی کا خاصہ بڑا حصہ سود میں جانے لگا۔
جائداد کی آمدنی یوں بھی کم ہو گئی تھی۔ آج کل بڑی تنگی سے گذر ہو رہی تھی۔ محمد احسان کو انھوں نے قرض کی خبر نہ ہونے دی ورنہ وہ ناراض ہوتے۔ نسیمہ اس سوچ میں تھیں کہ ریاض آئیں اپنا کام شروع کریں تو قرض کی ادائگی کی کوئی سبیل ہو لیکن اب اور ان کے آنے کا وقت بڑھ گیا تھا۔ ریاض کی جدائی، قرض کی فکر، فرخ کی دوری، خرچ کی تنگی ان

سب باتوں کا اثر براہِ راست نسیمہ کی صحت پر پڑ رہا تھا۔ وہ روز بروز کمزور اور مضمحل ہوتی جاتی تھیں۔ عذرا اور سیّدہ ماں کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتیں اور اپنے مقدور بھر ان کی تسلی کرتیں اور اُن کی فکروں کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

عذرا اور سیّدہ میں باوجود پانچ سال کی چھٹائی بڑائی کے بہت دوستی اور بڑی محبت تھی۔ عذرا کا مزاج تیز تھا۔ کسی بات پہ ناراض ہوکر اکثر سیدہ کو ڈانٹ دیتی، برا بھلا کہتی، روٹھ جاتی لیکن سیدہ کا مزاج ایسا ٹھنڈا۔ اور "چھوٹی باجی" سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ وہ کبھی اُلٹ کر اسے جواب نہ دیتی، اسے گھر کے کام اور دوسروں کی خدمت کا شوق تھا جب سے بڑی ہوئی تھی نسیمہ کا سب کام زیادہ تر وہی کرتی۔ عذرا کا کام بھی بڑے شوق سے کرنے کو تیار رہتی تھی مگر عذرا کو کسی سے اپنا کام لینا پسند نہیں تھا۔ اس نے شروع سے یہ اصول بنا لیا تھا کہ اپنا ذاتی کام سب اپنے ہاتھ سے کروں گی۔ بچاری سیدہ اس آرزو میں رہا کرتی کہ چھوٹی باجی اپنا کوئی کام اُسے کرنے دیں۔ وہ اکثر عذرا سے چھپ کر اس کے کپڑے سی دیا کرتی تھی۔ اور اس کی سلائی ایسی اچھی تھی کہ خود عذرا کو بھی وہ پسند آتے۔

اصغر اور سیدہ میں بچپن سے بہت محبت تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد جب اصغر نسیمہ کے پاس آیا اس وقت سیّدہ پانچ اور اصغر آٹھ سال کا تھا تبھی سے دونوں میں بے حد دوستی اور اُنسیت ہوگئی تھی ہر وقت ساتھ کھیلتے، ساتھ کھاتے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ اب سیّدہ تیرہ چودہ اور اصغر سولہ برس کا ہوگیا تھا۔ اور اب تک دونوں میں

وہی بچپن کی معصوم اور بے لوث محبت تھی۔ اُن کی محبت ایسی پاکیزہ اور معصوم تھی کہ جمیلہ خاتون تک کو کبھی اعتراض کرنے کی ہمت نہیں پڑی اس سال اصغر علی گڑھ میں ایف۔ اے میں داخل ہوگیا اور بچاری سیّدہ اکیلی رہ گئی۔

خرچ کی تنگی دیکھ کر سیّدہ نے خود کہہ کر اسکول سے نام کٹالیا اور عذرا سے پڑھ کر پرائیویٹ آٹھویں کے امتحان کی تیاری کرنے لگی۔

ہاجرہ کی ایک رشتہ کی خالہ دہلی آئی ہوئی تھیں۔ انھوں نے اُسے اصرار کرکے اپنے ہاں بلالیا تھا اور انصار حیدر آباد ایم۔ اے میں پڑھ رہے تھے۔

سیّدہ محسوس کررہی تھی کہ چھوٹی باجی ہاجرہ آپا کے جانے سے افسردہ ہیں اور عذرا سمجھ رہی تھی کہ اصغر کی جدائی کا اثر سیّدہ پر بہت ہے۔ اگرچہ وہ منھ سے کچھ نہیں کہتی۔ لیکن اصغر کا خط آتا ہے تو اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل جاتا ہے۔ لیکن عذرا بہن کے دل کی حالت جانتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔

نسیمہ اور عذرا کے کئی خطوں اور سخت اصرار کے بعد پورے آٹھ مہینے میں نسیم فرخ کو لے کر آئے۔ نسیم تو ۲ دن رہ کر واپس چلے گئے اور فرخ یہاں رہ گئی۔ فرخ نے دیکھا کہ ماں بہت کمزور ہوگئی ہیں اور دَوَا اور دُودھ وغیرہ کا استعمال بھی نہیں کررہی ہیں۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ گھر کی مالی حالت بہت ابتر ہے۔ جب تک نسیم رہے اچھا کھانا پکتا رہا ان کے جانے کے بعد کبھی ایک سالن پک جاتا کبھی صرف بھجیا اور کبھی محض دال۔ صبح کو چائے پر باسی روٹی کھائی

جاتی۔ بہنوں کو دیکھا کہ کپڑے کافی موجود نہیں کیونکہ تقریباً دو سال سے نئے کپڑے نہیں بنے تھے۔ یہ دیکھ کر فرخ کو بہت صدمہ ہوا۔ اُسے اپنے لباس اور زیور اور عیش و آرام کی زندگی پر شرم آنے لگی ۔ میری بہنیں یوں تکلیف اُٹھائیں اور میں مزے سے عیش کروں ؟ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک دن عذرا سے پوچھ بیٹھی۔ "عذرا ایک بات پوچھوں سچ سچ بتانا"

عذرا۔ اور کیا میں تم سے جھوٹ بولوں گی؟

فرخ۔ میں نے اس مرتبہ اماں کو بہت کمزور پایا۔ آخر کیا بات ہے؟

عذرا۔ باجی ایک تو بھائی جان کی جُدائی ان کے لئے کیا کم تکلیف دہ ہے پھر تم بھی دور چلی گئیں اور اتنے عرصے بعد آئیں۔ نماز پڑھتے میں ایسا ایسا روتی ہیں کہ مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا۔ اُمید بندھی تھی کہ بھائی جان اب خیر سے آتے ہوں گے مگر انھوں نے اور دس مہینے رہنے کا فیصلہ کر لیا تب سے اور بھی رنجیدہ رہتی ہیں ۔

فرخ۔ علاج دوا بھی کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ دُودھ تک نہیں پیتیں۔ طاقت کی دوا بھی نہیں استعمال کر رہی ہیں۔ کیا چچا جان نہیں آئے؟

عذرا۔ کوئی دو مہینے ہوئے چچا جان آئے تھے اور دوائیں بھی لائے تھے۔ جب سے وہ ختم ہوئیں اماں نے اور نہیں منگائیں میں نے بہت کہا مگر خرچ کی تنگی کی وجہ سے وہ راضی نہیں ہوئیں ۔

فرخ۔ معلوم ہوتا ہے کہ صغرا کی شادی میں اماں نے بہت خرچ کیا۔ کیا اور قرض لیا تھا؟

عذرا۔ اور کیا۔ کوئی ہزار روپے تو تمھاری شادی میں قرض ہو گیا

تھا. اب پانچ سو روپیہ صغرا کے بیاہ پر سودی نکلوایا۔ ان سب کا بہت سا سود جاتا ہے۔ سیّدہ نے بھی یہ دیکھ کر اسکول سے نام کٹالیا ہیں اماں کو بہت سمجھاتی ہوں کہ زیور بیچ کر قرض ادا کر دیں مگر وہ مانتی نہیں۔

فرخ۔ زیور تو ماں نہیں بیچیں گی اور چاہیئے بھی نہیں وہ تمھارا اور سیّدہ کا ہے۔ مگر ایک اور ترکیب ہے۔

عذرا۔ کیا؟

فرخ۔ میرے پاس کچھ روپیہ ہے وہ لے کر قرض ادا کر دیا جائے۔ جب اماں کے پاس ہو گا وہ مجھے واپس دے دیں گی۔

عذرا۔ اماں کہیں گی کہ لو بھلا بیٹی کا روپیہ کیسے لوں۔

فرخ۔ بیٹی کے روپے میں کیا چھوت لگی ہوتی ہے۔ یہ عجب تماشا ہے کہ بیٹے سے روپیہ لینا جائز اور بیٹی قرض بھی دے تو گناہ۔

عذرا۔ رواج ہی جو ہوا۔ اصل میں یہ خیال ہوتا ہے ناکہ وہ داماد کا مال ہے۔

فرخ۔ داماد بھی تو بیٹے کے برابر ہوتا ہے۔ اور پھر جب انھوں نے روپیہ مجھے دے دیا تو وہ میرا ہے جو چاہے کروں۔ عذرا۔ میری بہن تم بھی میرا ساتھ دینا اور اماں کو راضی کرنا۔

عذرا۔ اللہ کرے اماں مان جائیں۔ ان کی پریشانی دیکھ دیکھ کر میرا دم خشک ہوا جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ چچا جان کو کئی مرتبہ لکھنے کا ارادہ کیا مگر پھر شرم آئی۔ یہ خیال بھی تھا کہ اماں کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوں گی۔

فرخ۔ کیا اس سال بھی تم سب کا کپڑا نہیں بنا؟
عذرا۔ (ٹال کر) خیر کپڑے ویڑے کا کیا ہے پہلے کا بہتیرا موجود ہے۔
فرخ۔ میری شادی ہو گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب میں بالکل غیر ہو گئی ہوں کیا میں اس گھر کی بیٹی نہیں جو سب مجھ سے یوں غیریت برتنے لگے ہیں میں اندھی ہوں مجھے نظر تھوڑا ہی آتا ہے کہ گھر کی کیا حالت ہے؟
عذرا۔ تم خواہ مخواہ ناراض ہونے لگیں۔
فرخ۔ میں کیا بتاؤں مجھے یہ سب دیکھ کر کتنا دکھ ہوا۔ ایسی حالت تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اماں کے اور تم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ضرورت کے کپڑے نہیں۔ جوتے تک پرانے ہو گئے۔ کھانا کبھی کاہے کو ایسا روکھا سوکھا کھایا جاتا تھا۔ سیّدہ نے اسکول سے نام کٹا لیا۔ تم ہو کہ لکھنا پڑھنا سب چھوڑ دیا ہے۔ ہر وقت پریشان اور افسردہ رہتی ہو۔
عذرا۔ نہیں تو میں تو کوئی افسردہ نہیں رہتی۔
فرخ۔ تم یہ سب مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ آخر یہ میری شادی کی وجہ ہی سے تو ہوا۔ نہ جانے اماں کو اتنا قرض لے کر خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ کیا ہماری حالت سے واقف نہیں تھے؟ صغرا کو بھی ایک جوڑا اور کوئی چھوٹا موٹا زیور دے دیتیں۔ خواہ مخواہ اپنے پر قرض کا اتنا بار کر لیا۔
عذرا۔ خیر ہمیں اماں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور مجھے اس کا تو ذرا سا بھی خیال نہیں کہ کپڑے نہیں بنے، جوتے نہیں آئے، خرچ کے لئے روپے نہیں ملتے۔ یہ سب معمولی باتیں ہیں۔ مگر اماں کی پریشانی

اور صحت کی حالت دیکھ کر پریشانی ہوتی ہے۔ بھائی جان کے آنے میں ابھی کئی مہینے ہیں ۔ خدا نہ کرے اس عرصے میں اماں کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو کیا ہو گا۔

فرخ۔ آج میں اماں سے کہوں گی۔ قرض ادا ہو گیا تو ایک فکر تو کم ہو گی ۔ ہاں عذرا یہ سیدہ کیوں اس قدر چپ چپ اور اداس رہتی ہے یہ تو ابھی بچی ہے اسے تو ابھی گھر کی فکروں کا احساس نہیں ہونا چاہئے۔

عذرا۔ باجی تم اس کا مزاج تو جانتی ہو۔ چھوٹی سی ہے تو کیا ہوا ہے تو بی فلتی۔ ہر ہر بات کو محسوس کرتی ہے اور ہر فکر اپنے اوپر اوڑھ لیتی ہے دوسرے اصغر کی جدائی کا بھی اسے بہت صدمہ ہے۔ دونوں بچپن سے ہمیشہ ساتھ رہے تھے اس لئے اکیلی گھبراتی ہے۔ گھنی ایسی ہے کہ منہ سے ایک لفظ نہیں کہتی۔

فرخ۔ ہاں یہ تو ہے اپنے ساتھ کا کھیلنے والا ہمجولی دور چلا جائے تو بہت اثر ہوتا ہے۔ ہاجرہ کب آئے گی؟ تم تو اس کے جانے سے بہت تنہائی محسوس کرتی رہی ہو گی۔

عذرا۔ کچھ نہ پوچھو باجی کیسی بے کیف زندگی گزر رہی ہے۔ تم تو مزے سے اپنے دولہا کے ساتھ چلی گئیں، صغرا حیدر آباد جا براجیں۔ اصغر علی گڑھ سدھار گیا۔ چچا جان بھی کئی مہینے سے نہیں آسکے۔ بھائی جان تو آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اسکول میں اور عزیزوں کے ہاں آنا جانا یوں چھوڑا کہ خواہ مخواہ سب پر گھر کا حال کھلے گا۔ لے دے کے بس ایک خالہ جان اور ذکیہ رہ گئیں وہ خود اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

فرخ۔ کیوں کیا ہوا؟

عذرا۔ جمیل بھائی نے کسی نہ کسی طرح اس سال بی۔ اے کرلیا ہے نا۔ اب نوکری کی تلاش میں ہیں۔ خالہ جان کی مرضی تھی کہ ذکیہ سے ان کا بیاہ کردیں مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔ (مسکراکر) بہت ناراض ہیں کہ مجھے غریب سمجھ کر ٹھکرا دیا اور فرخ کی شادی دوسری جگہ کردی۔ اب میں کبھی بیاہ ہی نہیں کروں گا۔

فرخ۔ (شرماکر) توبہ توبہ۔ کیسے عجیب آدمی ہیں۔ "ان" کے کان تک اگر یہ بات پہنچ گئی تو مجھے کیسی شرم آئے گی۔

عذرا۔ دولھا بھائی سے کون کہے گا بھلا۔ اور اگر سن لیں تو سن لیں اس میں تمھارا کیا قصور۔

فرخ۔ ذکیہ کیسی ہے؟ تم نے لکھا تھا کہ کچھ بیمار ہے۔ خالہ جان کی بندشیں بدستور ہیں؟

عذرا۔ جب سے اس نے سنا تھا کہ جمیل بھائی سے شادی ہوگی، بچاری کو اختلاج کے شدید دورے پڑتے رہتے تھے۔ میں اکثر جاتی اور اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر وہ تو ہسٹریا میں مبتلا ہو چکی تھی بچاری سمجھتی تھی کہ اب ساری زندگی انھیں کے پنجے میں جکڑا رہنا پڑے گا۔ پھر جمیل بھائی کی باتوں کو بھلا کون لڑکی برداشت کر سکتی ہے؟ خالہ جان تعویذ گنڈوں اور آسیب کے چکر میں پڑی رہیں یہ نہ سمجھیں کہ سب سے بڑا آسیب ان کے صاحب زادے ہیں۔ جب سے جمیل بھائی نے شادی سے انکار کیا ہے تو اس کی طبیعت کچھ سنبھلی ہے کل جاکر تم بھی مل آنا۔

فرخ۔ ہاں جاؤں گی۔ میرا جی خود اس سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔

عذرا۔ مجھے یہ خوف ہے کہ اب ہماری جان آفت میں آنے والی ہے۔

فرخ۔ (نہ جانے کیا سمجھ کر) تمھاری جان آفت میں آنے والی ہے؟
عذرا۔ ہاں۔ سُنا ہے کہ اب خالہ جان بھائی جان سے ذکیہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے لڑکے کا پیام رَد کر کے اماں کو کیا کچھ سُننا نہیں پڑا۔ اب تو اور بھی ناراض ہوں گی۔
فرخ۔ مجھے تو یقین نہیں کہ بھائی جان راضی ہوں
عذرا۔ اماں ہی کب پسند کرتی ہیں۔ کہتی ہیں میری ایک تو بہن ہے سمدھیانے کا رشتہ ہو کر لڑائی جھگڑے ضرور ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہن مجھ سے چُھٹ جائے۔
رات کو فرخ نے ماں سے روپے کا ذکر کیا۔ نسیمہ کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھیں لیکن فرخ عذرا دونوں نے سمجھا بجھا کر رو دھو کر کسی نہ کسی طرح ماں کو رضامند کر لیا۔ اگلے دن فرخ نے بنئے کو بلا کر اس کا قرض ادا کر کے رسید لے لی۔ بزاز کو بلا کر ماں بہنوں کے لئے کپڑا خریدا اور اس سے کہہ دیا کہ قسط وار روپیہ ادا کر دیا جائے گا۔ پھر دونوں بہنوں نے چچا کو خط لکھا کہ اماں کی صحت ٹھیک نہیں۔ وہ اگلے ہفتے ہی آ گئے اور ڈاکٹر کو دکھا کر نسیمہ کے لئے دوائیں تجویز کرا کے چلے گئے۔
فرخ سے ملنے اکثر اس کی ساس نندیں آتی رہتی تھیں۔ کبھی فرخ سُسرال چلی جاتی۔ یاسمین بھی اب علی گڑھ میں داخل ہو گئی تھی۔ رضیہ اب بی۔ اے میں پڑھ رہی تھی۔ چھٹیوں میں رضیہ اور یاسمین آئیں تو نسیمہ کے ہاں بھی آئیں اور خلافِ عادت رضیہ عذرا سے خندہ پیشانی سے ملی۔ اب نہ دونوں کا ہر وقت کا ساتھ تھا نہ مقابلہ۔ اس لئے پرخاش کی کوئی وجہ نہ رہی تھی۔ رضیہ اب اپنی برتری کے احساس سے مطمئن تھی۔

بڑے دن کی چھٹیوں میں اصغر علی گڑھ سے آیا۔ سیّدہ کے لئے کئی کتابیں اور نمائش سے چیزیں خرید کر لایا تھا۔ سیّدہ نے بھی اس کے لئے رومال اور میز پوش بنا کر رکھے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے تحفے ایک دوسرے کو دیئے اور پھر ایک مرتبہ دونوں بچے خوش و خرم رہنے لگے۔

قرض کی ادائگی سے سود کی رقم بچی تو نسیمہ کو خرچ کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا۔ دواؤں کے استعمال سے صحت پر بھی بہت اثر پڑا۔ سیدہ اور عذرا کو بھی یہ دیکھ کر اطمینان ہوا۔ سیدہ دل لگا کر اپنی پڑھائی اور عذرا لکھنے پڑھنے میں مشغول رہنے لگی۔

فرخ کے بچہ ہونے والا تھا۔ نسیمہ چاہتی تھیں کہ چلّہ ان کے ہاں ہو اور مسز نسیم کی خواہش تھی کہ بہو ان کے پاس آ جائے۔ فرخ نے میاں کو لکھا کہ میں اماں کے پاس رہنا چاہتی ہوں خدا جانے زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ میری ماں بہنیں پاس ہوں گی تو مجھے تقویت رہے گی۔ نسیم نے اپنی ماں کو سمجھا دیا اور یہاں آنے کے چار مہینے بعد فرخ کے لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ بالکل ماں کی صورت اور بہت پیارا تھا۔ دونوں خالائیں اور ہاجرہ تو دم بھر کے لئے بچے کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ تینوں کو ایک کھلونا ہاتھ آ گیا تھا۔ اس سے پہلے انھوں نے گھر میں اتنا چھوٹا بچہ دیکھا ہی نہیں تھا اس لئے اور بھی جان اٹک گئی تھی۔

نسیم کو اطلاع ملی تو فوراً آئے۔ بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اصرار کر کے ایک ٹرینڈ عیسائی آیا اس کے لئے نوکر رکھی فرخ کی

مرضی نہیں تھی مگر میاں کی مرضی دیکھی تو چپ ہو رہی۔ مسز نعیم نے بڑے دھوم دھام سے پوتے کا عقیقہ کیا اور نسیمہ نے چھوچھک دیا۔

دو مہینے بعد نسیم پھر آئے اور ساس سے کہا کہ مجھے تنہائی میں بہت تکلیف ہے فرخ کو بھیج دیجئے۔ بچہ ابھی چھوٹا تھا اور نسیمہ کو خیال تھا کہ فرخ ابھی اس قابل نہیں کہ پوری طرح بچے کو سنبھال سکے مگر داماد کے کہنے سے مجبور ہو گئیں۔ عذرا اور سیدہ کو بھانجے کی جدائی بہت شاق گذری۔ ان کا جیتا جاگتا کھلونا ان سے چھن گیا۔ نسیمہ کو بھی نواسے سے بہت محبت تھی اس کے جانے سے ان کو بھی قلق ہوا۔ فرخ اور شمیم کے جانے کے بعد نسیمہ کے گھر کی چہل پہل پھر کم ہو گئی۔ اب ریاض کے آنے کے دن قریب آ رہے تھے۔ نسیمہ اور عذرا اُن کے آنے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

سولھواں باب

عذرا نہا کر اوپر کوٹھے پر آئی اور دھوپ میں بال سکھانے لگی۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ گھونگر والے بال کمر سینے اور چہرے پر بکھرے تھے صندلی پیشانی پر دو تین گھونگر بل کھا رہے تھے، دھوپ کی حدت سے چہرہ سُرخ تھا۔ ریاض کا خط جو آج ہی آیا تھا اور جس میں انھوں نے روانگی کی اطلاع دی تھی اس کے ہاتھ میں تھا، سیاہ چمک دار آنکھیں خط پر جمی ہوئی تھیں اور کسی سوچ میں ماتھے پر پتلے پتلے تین بل پڑے تھے۔ عذرا کو اُنیسواں سال شروع ہو چکا تھا اور وہ شباب کی دل فریب منزل سے گذر رہی تھی۔ چھریرا جسم قدرے بھرا بھرا نظر آتا تھا۔ چمپئی رنگ میں ہلکی سی دلآویز سُرخی جھلکتی تھی، ہونٹوں پر تبسم کی لہر کھیل رہی تھی۔

چھت کی کھڑکی کھلی اور انصار نے کواڑ کھول کر ادھر آنے کے لئے

قدم بڑھایا ہی تھا کہ ان کی نظر عذرا پر پڑی اور وہیں ٹھٹک کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ عرصے بعد آج آئے تھے اور تقریباً سال بھر بعد عذرا کو دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت وہ انھیں شباب کی دل کش دیوی اور حسین ساحرہ معلوم ہوئی کتنی دیر کھڑے محویت کے ساتھ وہ عذرا کو دیکھتے رہے لیکن وہ بے خبر بیٹھی تھی ذرا دیر بعد اس نے انگڑائی لی اور نیچے جانے کے لئے اٹھی تو اس کی نظر انصار پر پڑی۔ خوشی اور حیرت سے اس کے منھ سے چیخ نکل گئی۔ "ارے تم کب آئے؟ اور یہاں چوروں کی طرح کیا کھڑے ہو۔ آؤ نا" یہ کہتے کہتے اس نے عادت کے مطابق ڈھنگ سے دوپٹہ اوڑھا اور اپنے بکھرے بالوں کو چھپا کر کھڑکی کے پاس آگئی۔

انصار ایسے گھبرائے کہ کچھ دیر بول ہی نہ سکے۔ آخر جھینپی ہنسی ہنس کر بولے "میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی آیا تھا۔ اوپر آیا تو میں نے سوچا دیکھوں کھڑکی کھلی ہو تو تمھارے ہاں آجاؤں۔ کھڑکی کھولی تو تم سامنے نظر آئیں۔ سوچ رہا تھا کہ بے اجازت ادھر قدم رکھوں یا نہ رکھوں کہ تم نے دیکھ کر ڈانٹ دیا" عذرا ہنس پڑی "کیا اب تم کچھ اور ہو گئے ہو کہ اجازت کی ضرورت تھی؟" انصار آکر کرسی پر بیٹھ گئے اور مسکرا کر بولے "اب تم بڑی ہو گئی ہو نا اس لئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ڈانٹ نہ دو، ٹھوک نہ دو، خفا نہ ہو جاؤ" عذرا کھلکھلا کر ہنس پڑی "انصار ماموں تم بھی ہمیشہ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو۔ کیا میں ایک دم اتنی بڑی اور ہیبت ناک ہو گئی ہوں کہ سب مجھ سے خوف کھانے لگیں"؟ انصار نے عذرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "واقعی اب تم بہت بدل گئی ہو۔ ہیبت ناک تو نہیں ــ مگر ــ مگر ــ دراصل ــ اس قدر دل کش ہو گئی ہو کہ میں تو اس وقت رعبِ حُسن سے کانپ گیا"۔ عذرا اب تک بچپن کی سادگی

اور بے تکلفی سے ہنس ہنس کر انصار سے باتیں کر رہی تھی۔ یہ سُن کر اس کی آنکھیں جھک گئیں، گالوں پر سرخی کی لہر دوڑ گئی اور کوئی لفظ اس کے منھ سے نہ نکل سکا۔ انصار کے ایک جملے نے اس کا لڑکپن ختم کر دیا۔ حیا سے وہ آنکھیں نہ اُٹھا سکی۔ انصار نے عذرا کو اتنی چلبلی شوخ و شریر چھوکری سے جوان حسینہ بنتے دیکھا اور حیرت زدہ ہو گیا ـــــ وہ کچھ دیر محبت بھری نظروں سے عذرا کی یہ کیفیت دیکھتا رہا لیکن پھر اُسے ڈر ہوا کہ عذرا ناراض تو نہیں ہو گئی۔ پاس آ کر بولا "عذرا کیا خفا ہو گئیں؟ میں نے ایسی بری بات تو نہیں کہی۔ اچھا تم بدصورت اور ہیبت ناک معلوم ہوتی ہو۔ اب تو خوش ہو گئیں؟"

عذرا مسکرائی مگر نظریں ابھی تک زمین کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ انصار نے پوچھا "کس کا خط ہے" عذرا سب کچھ بھول گئی اور خوش ہو کر بولی: "بھائی جان کا خط ہے۔ اگلے مہینے انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ لو پڑھو" انصار نے خط پڑھ کر کہا "مبارک ہو ـــــ تو یہ ساڑھے پانچ برس ریاض بھائی نے لگا دیئے ـــــ اور اب شاید اُن کے آتے ہی میں چلا جاؤں۔ دل بھر کر ملنا بھی نہ ہو سکے گا۔"

عذرا۔ تم کب جاؤ گے؟

انصار۔ ابھی طے تو نہیں ہوا مگر ارادہ ہے کہ دو تین مہینے میں چلا جاؤں آج کل میں نانا ابا سے ذکر کر کے اجازت لے لوں گا۔ مگر مجھے ڈر لگتا ہے وہ میرے کام ریڈیو میں کام کرنے ہی سے ناخوش ہیں۔

عذرا۔ تمھیں کتنے دن ہوئے وہاں کام کرتے؟

انصار۔ سات آٹھ مہینے تو ہو گئے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ انگلستان جا کر

"جرنلزم" کی باقاعدہ ڈگری لے لوں۔
عذرا۔ یہ تو بڑا اچھا خیال ہے پھر وہاں سے آکر اپنا اخبار نکال لینا۔
انصار۔ ارادہ تو یہی ہے۔ ہاں یہ تو کہو تمھاری ادبی دلچسپیوں کا کیا حال ہے؟
عذرا۔ (شرما کر) میری بچاری کی کیا ادبی سرگرمیاں۔ اب تو تم ماشاءاللہ خوب لکھنے لگے ہو خصوصاً نظمیں اور غزلیں بڑی اچھی ہوتی ہیں۔
انصار۔ (چہرہ خوشی سے چمکنے لگا) کیا واقعی تمھیں میری شاعری پسند ہے؟ پھر تو میری محنت ٹھکانے لگی۔
عذرا۔ بھلا میری پسند کی کیا حقیقت ہے تمھاری نظم و نثر کی تو بڑے بڑے ادیب اور شاعر تعریف کرتے ہیں۔
انصار۔ اور کسی کی تعریف سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی تمھاری تعریف اور پسند سے۔
عذرا۔ بی سیدہ نے کئی نظمیں کہہ کر رکھی ہیں کہ انصار ماموں آئیں گے تو اصلاح لوں گی۔
انصار۔ اوہو بی سیدہ تو اب پوری شاعرہ بنتی جا رہی ہیں۔
عذرا۔ آخر شاگرد کس کی ہے؟
انصار۔ (مسکرا کر) شاگرد ہونے سے تو تم بھی انکار نہیں کر سکتیں۔
عذرا۔ واہ میں کیوں ہوئی تمھاری شاگرد۔ میں نے کس دن تم سے اصلاح لی تھی۔
انصار۔ یہ تمنہ در تمنہ جھوٹ؟ نہیں لیتی تھیں اصلاح۔
عذرا۔ (ہنس کر) نہیں۔
انصار۔ اچھا بھئی تم میری استاد ہوا اور میں تمھارا شاگرد اب تو ٹھیک ہے؟
عذرا۔ یہ بھی غلط ہے ــ

انصار۔ اچھا جیسا تم کہو۔ ہم تو ہر حال میں تم سے متفق ہیں۔
عذرا۔ اوہو آج تو بڑے صلح کل بنے ہوئے ہیں۔

حبیب الٰہی صاحب اپنے کمرے میں پلنگ پر نیم دراز حقہ پی رہے ہیں اور انصار ادب سے سامنے کرسی پر بیٹھے ہیں۔

حبیب الٰہی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

انصار۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے یورپ جانے کی اجازت......

حبیب الٰہی۔ کس لئے؟

انصار۔ جی تعلیم کے لئے اور کس لئے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ ...... کرنے کے لئے چلے جاؤ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا اس طرف میرا رجحان بالکل نہیں میری وکالت کبھی نہیں چل سکتی اور..........

حبیب الٰہی۔ (بات کاٹ کر) تو پھر کیا گھاس کھودنے کے لئے یورپ جاؤ گے۔

انصار۔ (سوکھے منہ سے) جی نہیں اس کے علاوہ اور کام بھی ہو سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ "جرنلزم" کی باقاعدہ تعلیم حاصل کروں اور وہاں سے آکر اخبار کا کام شروع کردوں۔ یہی کام میرے مذاق کے مطابق ہے اور اسی میں مجھے پوری طرح کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

حبیب الٰہی۔ انصار میں پہلے بھی تمھیں سمجھا چکا ہوں کہ یہ اخبار وخبار کا خبط چھوڑ دو اور کوئی ڈھنگ کا کام شروع کرو۔ اس میں نہ دین کا بھلا نہ دنیا کا۔ میری اِنند تو یہ تھی کہ تم بیرسٹری کر چکتے یا آئی سی ایس کے امتحان میں بیٹھتے ——— خیر میں تمھیں اس کے لئے مجبور نہیں کرتا، لیکن اخبار کے کام کے لئے یورپ جانے کی اجازت نہ دوں گا۔

اس سے بہتر ہے کہ تم گھر پر رہو۔
الضار۔ نانا ابا آپ اخبار کے کام سے اتنے بدظن کیوں ہیں؟
حبیب الٰہی۔ اس لئے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس سے نہ مالی فائدہ ہوتا ہے نہ کوئی خاص پوزیشن حاصل ہوتی ہے اور پھر اخبار والوں کو ہمیشہ حکومت کی طرف سے خطرہ رہتا ہے یا تو ضمیر فروشی کریں اور پبلک کی مخالفت اور طعن واعتراض سنیں ورنہ ان کے سر پہ ہر وقت ننگی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ ضمانت، جیل، بدنامی، اخبار کی ضبطی کا ڈر لگا رہتا ہے اور قسم قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔
الضار۔ میں ان سب خطرات کو برداشت کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔
حبیب الٰہی۔ (ناراضگی سے) لیکن میں اس کے لئے تیار نہیں کہ میرا لڑکا یہ کام کرے۔ میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔
الضار۔ لیکن نانا ابا آپ یہ تو سوچیئے ــــــ"
حبیب الٰہی۔ میں نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ میں تمھیں اس کام کے لئے یورپ جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ بس ـ بار بار کیوں کہتے ہو۔ میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ یوں تمھارا جی چاہے دو چار مہینے کے لئے جاکر سیر کر آؤ۔ ویسے بھی اب میں بوڑھا ہوا زیادہ مدت تک تمھیں اپنے سے الگ نہیں رکھ سکتا۔ خدا جانے کس وقت پیامِ اجل آجائے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تم دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں، اور تمھیں شاد و آباد دیکھ لوں ـ جائداد کی نگرانی بھی اب میرے بس کی نہیں رہی۔ اب تم یہ سب کام انتظام اپنے ہاتھ میں لو۔ تمھارا خود گھر کا

کام موجود ہے۔ تمھیں دوسرے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

انصار۔ (حیرت سے) بھلا نانا ابا میں جائداد وغیرہ کا کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ مجھے تو اس کا ذرا سا بھی تجربہ یا معلومات نہیں۔ دوسرے ——

حبیب الٰہی۔ تجربہ کام کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ بہرحال میرا یہ فیصلہ — بلکہ حکم ہے کہ شادی کے فوراً بعد ساری جائیداد کا انتظام تمھارے ہاتھ میں آجائے گا اور تم اس کا ....

انصار۔ (تعجب سے) شادی۔ کس کی شادی؟

حبیب الٰہی۔ تمھاری اور ہاجرہ کی اور کس کی۔

انصار۔ لیکن میرا تو ابھی اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں۔

حبیب الٰہی۔ مگر میرا تو ہے — میں چاہتا ہوں کہ دسمبر کی چھٹیوں میں تم دونوں کی شادی سے فراغت ہو جائے۔

انصار۔ لیکن نانا ابا آخر آپ کس سے ہم دونوں کی شادی کر رہے ہیں؟

حبیب الٰہی۔ (متعجب ہو کر) میں تمھیں ایسا کوڑھ مغز نہیں سمجھتا کہ تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں کی شادی ایک دوسرے سے ہوگی۔

انصار۔ (حیران پریشان ہو کر) یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے تو کبھی آپ کا خیال ایسا نہ تھا۔

حبیب الٰہی۔ میرا ہمیشہ سے یہی قصد تھا۔ تم سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

انصار۔ (دبی زبان سے) ضرورت کیوں نہیں تھی۔ اور ہاجرہ —— ہاجرہ تو میری بہن ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

حبیب الٰہی۔ حماقت کی باتیں نہ کرو۔ وہ تمھاری حقیقی بہن نہیں ہے۔

الضمار۔ لیکن میں نے اُسے ہمیشہ حقیقی بہن ہی سمجھا ہے۔ میرے کوئی بہن بھائی نہ تھا اور ماجرہ سے مجھے وہی محبت اور تعلق ہے جو سگے بھائی کو ہوتا ہے۔ میں اس سے شادی کرنے کا تو خیال بھی نہیں کر سکتا۔

حبیب الٰہی۔ (غصہ سے) یعنی یہ کہ تم میری حکم عدولی کرو گے۔

الضمار۔ (مضبوطی سے) اس معاملے میں مجبوراً کرنی پڑے گی۔

حبیب الٰہی۔ (ضبط کر کے سمجھاتے ہوئے) الضمار تم اس وقت خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو۔ آخر ماجرہ میں کیا عیب ہے جس کی وجہ سے تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ تمھاری پھوپی کی بیٹی ہے۔ بچپن سے تم دونوں ساتھ پلے بڑھے ہو۔ صورت سیرت دونوں اچھی۔ پڑھی لکھی۔ اور اتنی بڑی جائداد کی مالک۔

الضمار۔ یہ سب آپ نے درست فرمایا مگر میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ میں ماجرہ کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔

حبیب الٰہی۔ (بھڑک کر) تم روز بروز خود رائے، سرکش اور بدتمیز ہوتے جاتے ہو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک دن خود میرا لڑکا میرے حکم کے خلاف کریگا اور مجھے احمق اور جاہل کہے گا۔

الضمار۔ (بے ساختہ) نانا ابا آپ کیا فرما رہے ہیں میں نے کوئی گستاخی آپ کی شان میں نہیں کی۔

حبیب الٰہی۔ تمھاری باتوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ میں علم میں تم سے بڑا نہ سہی لیکن عمر اور تجربہ میں تم سے بہت زیادہ ہوں۔ تمھارے بھلے بُرے کو تم سے ہزار درجہ بہتر سمجھ سکتا ہوں۔

الضمار خاموش بیٹھے رہے۔

حبیب الٰہی۔ ایک تو میں اس عمر میں ہاجرہ کو اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی شادی تم سے ہو۔

انصار۔ محض اتنی بات کی خاطر آپ مجھے مجبور کرتے ہیں؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس سے ہاجرہ کی شادی ہو اس سے یہ شرط کر لی جائے کہ ہاجرہ آپ کے پاس رہے گی۔

حبیب الٰہی۔ جی ہاں جناب کو تو میری پروا نہیں۔ کسی غیر کو ضرور اتنا خیال ہوگا کہ اپنی بیوی کو میری خدمت کے لئے چھوڑ دے گا۔

انصار۔ میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں مگر یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اور مجھے سخت افسوس اور شرمندگی ہے کہ بادلِ ناخواستہ مجھے آپ کی عدول حکمی کرنی پڑ رہی ہے۔

حبیب الٰہی۔ (سمجھاتے ہوئے) بیٹے تم نے اس پر بھی غور کیا کہ ہاجرہ کی شادی کسی دوسری جگہ ہوئی تو جائداد کا بڑا حصّہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا اور آبائی جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر برباد ہو جائے گی۔ میری آرزو یہ ہے کہ اس کا مالک تمہارے سوا اور کوئی نہ ہو۔

انصار۔ (ناگواری سے) میں جائداد کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ میں اپنی محنت کی سوکھی روٹی زیادہ خوشی سے کھاؤں گا۔ بہ نسبت اس کے کہ بیوی کی جائداد پر گل چھرّے اُڑاؤں۔ محض جائداد کے لالچ سے کسی لڑکی سے شادی کرنا میں بہت ذلیل ـــــ اور ـــــ بُری بات سمجھتا ہوں۔

حبیب الٰہی۔ (برہم ہو کر) جناب جب تک مُفت کا روپیہ ملے جاتا ہے اُسی وقت تک یہ لن ترانیاں ہیں۔ اگر جائداد اس قدر ذلیل اور غیر ضروری چیز ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس سے فائدہ کیوں اٹھاتے ہیں۔

انصار۔ (جس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا) اس لئے کہ اگر میں نے انکار کیا تو آپ کو صدمہ ہو گا۔
حبیب الٰہی۔ جی نہیں مجھے کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔ جس چیز کو آپ اس قدر حقیر سمجھتے ہیں وہ میں خواہ مخواہ آپ کے گلے مڑھنا نہیں چاہتا۔
انصار۔ (سرکشی سے) بہت خوب ــــ شکر ہے کہ جائداد کا پھندا میرے گلے سے نکل گیا۔ اب میں خود اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی کوشش کروں گا ــــ یہ کہہ کر انصار جانے کے لئے مڑا ــــ حبیب الٰہی نے شکست کے غصّے کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ایک بھر تبہ اور تم اپنے فیصلے پہ غور کرو۔ اپنے مستقبل کو خوب سوچ لو۔ کل صبح پھر مجھ سے ملنا اور اپنے فیصلے سے مطلع کرنا۔ اگر تم اپنی ضد پہ قائم رہے تو یاد رکھو کہ میرا تمھارا تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ــــ"
انصار نے تیوری پہ بل ڈال کر یہ سُنا ــــ اپنی ٹوپی میز سے اُٹھائی اور سرکشی کے انداز سے باہر نکل گیا۔

سترھواں باب

عذرا ہاجرہ کی جھینپی صورت دیکھ کر ہنس پڑی۔ "تو یہ بات ہے اس پہ نانا ابا انصار ماموں سے خفا ہیں"۔

ہاجرہ۔ (افسردگی سے) نہ صرف خفا ہیں بلکہ جائداد تک سے بے حق کرنے پر تلے ہیں۔

عذرا۔ اچھا جائداد سے بھی بے حق کر دیں گے؟ یہ تو بہت برا ہوگا۔ پھر انصار ماموں یورپ نہ جا سکیں گے۔ آخر نانا ابا کو اس قدر ضد کیوں ہے نہ جانے بڑھاپے میں اپنی بات منوانے کا کیا خبط ——— وہ توبہ ——— شوق ہو جاتا ہے۔

ہاجرہ۔ بھئی ہم تم ان کے نقطۂ نظر کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ان کا لڑکا گورنمنٹ میں بڑا عہدہ پائے، عزت کی نظر سے دیکھا جائے یا بیرسٹری میں نام اور دولت کمائے۔ یہ بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اخبار کے کام جیسے "حقیر" پیشے کو ایک پڑھا لکھا

سمجھدار انسان کیوں اختیار کرنا چاہتا ہے۔

عذرا۔ ہم ہندوستانیوں کا محض جسم نہیں بلکہ روح، ذہن اور دماغ بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ غلامی سے آگے کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ جسے دیکھو آئی سی ایس کا شوق، جسے دیکھو سرکاری نوکری کی تمنا۔ بہت ترقی کی تو بیرسٹری۔ مانا کہ وکالت آزاد پیشہ ہے مگر بمبئی میں نے تو یہی سنا ہے کہ ہزار میں سے شاید ایک وکیل اپنے ضمیر کے کہنے پر چلتا ہو اور ایمان دار رہتا ہو ورنہ سب دولت کمانے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں خواہ کسی طرح کمائی جائے۔

ہاجرہ۔ پھر جائداد کی محبت جو پچھتر برس سے ان کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ اسے وہ کیسے نکال دیں۔ ان کی تو یہ آرزو ہے کہ خواہ کسی طرح ہو یہ ساری جائداد گھر کی گھر میں رہے۔ اسی لئے انہوں نے یہ تجویز کی تھی مگر انصار بھائی نے صاف انکار کر دیا جس پر دادا ابا سخت ناراض ہیں۔

عذرا۔ یہ اچھی رہی کہ جائداد کی خاطر شادی کر دی جائے۔

ہاجرہ۔ اس گفتگو کے بعد دادا ابا نے انصار بھائی کو ایک دن اور سوچنے کے لئے دیا ـــــ وہ سارے دن اپنے کمرے میں پڑے رہے۔ شام کو پھر دادا ابا نے بلایا اور چھوٹتے ہی پوچھا "تم نے کیا طے کیا" انصار بھائی نے سر جھکا کر کہا "نانا ابا مجھے آپ کی حکم عدولی کرتے ہوئے سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن کیا کروں آئی سی ایس اور لا میرے لئے دونوں بے معنی ہیں میں صرف ادبی کام ہی کر سکتا ہوں۔ یا تو جرنلزم کروں گا یا پی ایچ ڈی رہی دوسری بات" ـــــ اس پر دادا ابا بات کاٹ کر بولے "ہاں اس بارے میں کیا فیصلہ کیا؟"

عذرا۔ (اشتیاق سے) ہاں کیا جواب دیا انصار ماموں نے؟

ہاجرہ۔ (ہچکچا کر) انھوں نے کہا میرا فیصلہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ ہاجرہ میری بہن ہے اور بہن کی حیثیت سے میں اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں مگر ___ مگر ___ دادا ابا کڑک کر بولے "مگر ___ مگر کیا؟" انصار بھائی نے آہستہ سے کہا "میں اپنی زندگی بھر کی شریک جسے بنانا چاہتا ہوں۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ جیسی لڑکی میں پسند کرتا ہوں وہ اور ___ اور قسم کی ہوگی"۔ دادا ابا یہ سن کر بہت بگڑے۔

عذرا۔ ہاجرہ ایمان سے بتاؤ تمھیں اس بات کا افسوس ہوا ہے نا؟

ہاجرہ۔ بالکل نہیں۔

عذرا۔ تمھیں رنج نہیں ہوا کہ انصار نے ناپسند کر دیا۔ غصہ تو آیا ہوگا؟

ہاجرہ۔ نہیں اجی مجھے غصہ نہیں آیا بلکہ ان سے اور زیادہ محبت ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ خود میں نے ہمیشہ ان کو بڑا بھائی سمجھا اور کبھی بھولے سے میرے دل میں یہ بات نہیں آئی۔ جس کے خاندان بھر میں صرف ایک بھائی ہو، وہ کیسے یہ چاہے گی کہ وہ اس سے چھین لیا جائے۔

عذرا۔ اور اگر انصار ماموں راضی ہو جاتے تو؟

ہاجرہ۔ نہیں معلوم اس وقت میں کیا کرتی۔ ممکن ہے دادا ابا سے اپنی ناراضامندی کا اظہار کرتی۔ ممکن ہے راضی برضا ہو کر چپ ہو رہتی مگر اس سے خوش ہرگز نہ ہوتی۔

عذرا۔ آخر کیوں؟ انصار ماموں جیسی صفات کے لڑکے بہت کم ہوتے ہیں۔ اتنی خوبیوں کے انسان کو تم اپنا شریک زندگی بنانے سے ناخوش ہوتیں۔

ہاجرہ۔ انصار میرے بھائی ہیں اور جو خیالات ان کے میری طرف سے ہیں۔ وہی میرے بھی ان کے لئے ہیں۔ یوں وہ میرے بھائی ہیں اور

مجھے بے حد عزیز لیکن انھیں کی طرح میں اپنے ــــــــــ میرا مطلب ہے کہ ــــــــــ

عذرا۔ (مسکرا کر) ہاں تمھارا مطلب ہے اپنے شریک زندگی میں۔

ہاجرہ۔ (شرما کر جملہ پورا کرتی ہے) اور یہی قسم کے صفات چاہتی ہوں۔

عذرا۔ بھئی آج میں پوچھ کر رہوں گی کہ وہ کیا صفات ہیں۔

ہاجرہ۔ (جھینپ کر) ہٹو بھی۔

عذرا۔ واہ تمھیں بتانا پڑے گا۔

ہاجرہ۔ عذرا پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ اس وقت اپنی چُہل چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ کیا ہوگا۔ مجھے بڑا صدمہ ہے کہ دادا ابا انصار بھائی سے ناراض ہو گئے ــــ کئی مرتبہ چاہا کہ دادا ابا سے کچھ کہوں مگر بھئی ڈر لگتا ہے۔

عذرا۔ انصار ماموں سے بھی کوئی بات ہوئی۔

ہاجرہ۔ وہ بچارے ایسے دل گرفتہ ہو رہے ہیں کہ دیکھ کر قلق ہوتا ہے۔ ان سے کئی دفعہ بات کرنے کا ارادہ کیا مگر میں تو اس خیال ہی سے پسینے پسینے ہو جاتی ہوں کہ دادا ابا نے میرے بارے میں ان سے ایسی بُری بات کہی۔

عذرا۔ (ہنس کر) بری بات کی بھی ایک ہی رہی۔

ہاجرہ۔ تم سے انصار بھائی بے تکلف ہیں۔ ذرا پوچھو تو کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے۔

عذرا۔ اچھا پوچھوں گی۔

ہاجرہ۔ اور یہ بھی پوچھنا کہ وہ کس لڑکی سے بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ شاید کوئی ایسی لڑکی ہو جسے دادا ابا پسند کرلیں اور ان کا غصہ دور ہو جائے۔

عذرا۔ بھلا وہ مجھے بتائیں گے! شاید انھیں حیدرآباد میں اپنی ددھیال کی کوئی لڑکی پسند آئی ہو یا بھئی کوئی اور لڑکی ہو۔ ورنہ وہ میری ہاجرہ

سے ہرگز انکار نہ کرتے۔ چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو ایسی بیوی نہیں ملے گی۔
ہاجرہ۔ اچھا اب اس بکواس کو بند کرو۔
عذرا۔ ہاجرہ وہ رضیہ کو تو پسند نہیں کرتے؟
ہاجرہ۔ میرا تو یہ خیال نہیں۔ اور بھئی ان لڑکوں کے دل کا حال کچھ معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اچھا تو کل ضرور آؤ گی نا؟
عذرا۔ ہاں دیکھو موقع دیکھ کر اماں سے پوچھ کر آؤں گی۔

اگلے دن دوپہر کو ہاجرہ نے پرچہ بھیجا "دادا ابا باہر گئے ہیں ۔۔۔ انصار بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ گھر میں لیٹے ہیں۔ اس وقت آجاؤ" عذرا نے ماں سے کہا "اماں انصار ماموں کی طبیعت خراب ہے آپ اجازت دیں تو میں اور سیدہ ان کا جی پوچھ آئیں" نسیمہ خاتون تسبیح پڑھ رہی تھیں انھوں نے سر کے اشارے سے ہاں کہہ دیا۔ یہ دونوں بہنیں ہاجرہ کے ہاں پہنچیں۔ عذرا ہاجرہ کے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے کمرے کے آگے دالان میں دُلائی اوڑھے انصار لیٹے ہوئے تھے سیدہ ان کے پاس چلی آئی۔ پانچ منٹ بعد عذرا بھی انصار کے پاس آگئی۔ انصار لیٹے تھے اور سیدہ اصرار کر کے ان کا سر دبا رہی تھی۔ عذرا کو دیکھ کر انصار گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ "اوہو ۔۔۔ عذرا آئی ہیں آئیے آئیے" اور جلدی سے اُٹھ کر آرام کرسی بڑھائی۔ عذرا نے روکتے ہوئے کہا۔ "تو بہ تم اُٹھ کیوں رہے ہو لیٹے رہو میں بیٹھ جاؤں گی"۔
سیدہ۔ دیکھئے انصار ماموں یہ بات ٹھیک نہیں۔ چھوٹی باجی کے آتے ہی آپ اُٹھ بیٹھے۔
عذرا۔ کیسی طبیعت ہے؟

انصار۔ رات کچھ سردی کھا گیا اس کی وجہ سے نزلہ اور خفیف سی حرارت ہے۔
سیدہ۔ حرارت؟ اچھا خاصا بخار ہے۔
انصار۔ اب تم خواہ مخواہ مجھے پورا بیمار بنا دو تو اس کا کیا علاج۔
عذرا نے انصار کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ کر کہا "نبض خاصی تیز ہے۔ بخار سو کے قریب تو ہو گا"
انصار۔ (مسکرا کر) او ہو تم تو اب پوری ڈاکٹر بنتی جا رہی ہو۔ حرارت کی ڈگری تک بتا دی۔
عذرا۔ اب یا تو تم لیٹ جاؤ ورنہ میں جاتی ہوں۔
انصار۔ اچھا لو میں اس آرام کرسی پر لیٹا جاتا ہوں۔
ذرا دیر خاموشی رہی۔
عذرا۔ انصار ماموں تم ہم سے ناراض کیوں ہو؟
انصار۔ میں ناراض ہوں؟ تم سے؟
سیدہ۔ ہاں ناراض ہیں تبھی تو آپ ہمارے گھر نہیں آتے۔
انصار کے چہرے پر فکر و تردد کے بادل چھا گئے۔ مگر اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے مسکرا کر بولے "بھئی معاف کرنا اس زمانے میں ذرا مصروفیت تھی اس لئے نہ آسکا"
سیدہ۔ اونھ ایسی بھی کیا مصروفیت۔
عذرا۔ بھئی اب یہ بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔
انصار۔ یہ کیا بے جوڑ قافیہ ملایا ہے آپ نے؟
عذرا۔ بے شک اب آپ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھنے لگے ہیں۔
انصار۔ دو چار دن نہیں آسکا اسی پر یہ لے دے ہو رہی ہے؟ تم نہیں

جانتی ہو عذرا میں بہت پریشانی میں ہوں۔
عذرا۔ اسی لئے تو کہہ رہی ہوں۔ جب آپ اپنے کو بہت بڑا آدمی نہیں سمجھتے تھے تو اپنی ساری باتیں، اپنی پریشانیاں اور فکریں، اپنی دلچسپیاں اور مصروفیتیں، اپنی خواہشیں اور آرزوئیں، سب کی سب "اپنی منی سی بھانجی" کو اپنی "چھوٹی سی دوست" کو اپنی "ضدی اور لڑاکا بہن" کو بتا دیا کرتے تھے۔ ہر بات میں اس سے صلاح مشورہ لیتے تھے۔ اور اب اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ اتنا بڑا عالم فاضل، ادیب، شاعر، اڈیٹر وغیرہ وغیرہ ایسی چھوٹی، معمولی، گھٹیا اور جاہل لڑکی سے بات کرے۔
انصار سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔
سیدہ۔ باجی سچ تو کہتی ہیں۔ پہلے آپ اُن سے گھنٹوں باتیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے بھی تھے، ادبی بحثیں بھی کرتے تھے، چھیڑتے بھی تھے۔ نہ جانے اب آپ اس قدر متین اور سنجیدہ کیوں ہو گئے ہیں۔
انصار۔ تمہاری شکایت سر آنکھوں پر۔ واقعی میں بڑا نالائق ہوں کہ اپنے سچے خیر خواہوں سے دل کی بات نہیں کہتا۔ نہیں کہہ سکتا۔ کیا کروں میری عقل چکر میں ہے۔ کاش اس وقت ریاض بھائی یہاں ہوتے وہ میری مشکل کا حل بتا سکتے تھے۔
یہ کہہ کر انصار نے کرسی کے تکئے سے اپنا سر لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں گویا کسی اندرونی کش مکش پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہوں
عذرا نے انصار پر جھک کر اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا۔ "انصار ماموں کیا مجھے بتانے میں کوئی ہرج ہے؟"
انصار: (آنکھیں کھول کر محبت بھری نظروں سے عذرا کو دیکھ کر) میری

چھوٹی سی غمگسار ــــ تمھیں بتانے میں کیا ہرج ہو سکتا ہے۔ پریشانی ساری یہ ہے کہ نانا ابا مجھ سے سخت ناراض ہو گئے ہیں اور یورپ جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

عذرا۔ یہ تو کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ تم اس وقت ان کا کہنا مان لو۔ چند سال بعد جب موقع ملے گا چلے جانا۔

انصار۔ عذرا۔ میں ولایت محض نام و نمود کی خاطر جانا نہیں چاہتا ہوں بلکہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے جانا ناگزیر ہے۔ یہاں جرنلزم کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ اور اگر میں یہ ارادہ چھوڑ دوں تب بھی نانا ابا کی ناراضگی دور نہ ہوگی۔

عذرا۔ کیوں؟

انصار۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں یا تو آئی سی ایس کروں ورنہ پھر جائداد کا انتظام کروں۔ تمھیں کہو یہ میرے بس کا کام ہے؟

عذرا۔ ان میں سے تو کوئی کام بھی تمھارے بس کا نہیں۔ آخر نانا ابا کو یہ کیا ضد ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ بھائی جان انشاء اللہ تعالیٰ جلد آنے والے ہیں وہ ان کو سمجھائیں گے۔

انصار۔ ان کو کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ وہ مجھ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے۔

عذرا۔ خواہ مخواہ کا وہم۔ جب تم کامریڈ میں کام کرنے گئے تھے تب بھی وہ ناراض تھے۔ پھر آخر غصہ دھیما پڑا یا نہیں۔

انصار۔ اس مرتبہ جو بات وہ منوانا چاہتے ہیں وہ ان کے لئے بہت اہم ہے اور میں اس کو کسی طرح نہیں مان سکتا۔ اس لئے وہ مجھ سے صرف ناراض ہی نہیں بلکہ عاق تک کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

سیّدہ ۔ انصار ماموں عاق کرنا کیا ہوتا ہے؟

عذرا ۔ اے ہے خدا نہ کرے۔

انصار ۔ ہاں عذرا اُنھوں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ خیر اس کی تو مجھے پروا نہیں کہ وہ مجھے جائداد سے ناحق کر دیں گے۔ بلکہ خدا گواہ ہے مجھے تو خوشی ہو اگر یہ جائداد کا پھندا کسی طرح میری گردن سے نکلے۔ ورنہ شاید ساری عمر اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ ہاں اس کا صدمہ ضرور ہے کہ نانا ابا جنھوں نے مجھے ماں باپ سے زیادہ محبت اور شفقت سے پالا مجھ سے ناراض ہیں اور انھیں میری طرف سے صدمہ پہنچا۔ مگر کیا کروں ان کا حکم ماننا میرے بس میں نہیں۔

عذرا ۔ آخر وہ ایسی کیا بات ہے؟

انصار ۔ وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔

سیّدہ ۔ (خوش ہو کر) شادی کرنا چاہتے ہیں؟ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ نے تو اس طرح کہا جیسے وہ آپ پہ کوئی بڑا ظلم توڑنے والے ہوں۔

انصار ۔ ناپسندیدگی کی شادی سب سے بڑا ظلم ہے۔

عذرا ۔ کس سے کرنا چاہتے ہیں

انصار ۔ نہیں بتاؤں گا ورنہ اِن کی طرح تم بھی مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی

سیدہ ۔ میں سمجھ گئی۔ ہاجرہ آپا سے نا؟

انصار ۔ بھئی یہ ذرا سی فتنی کتنی چالاک ہے۔

عذرا ۔ ہاجرہ اور ناپسند؟ تو کمال ہے!

انصار ۔ عذرا تم بھی یہی کہتی ہو۔ ہاجرہ میری تو بہن ہے ۔۔۔ میں نے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی بہن سمجھا ہے نانا ابا تو [illegible]

کر رہے ہیں۔ لیکن میں جائداد کے لالچ میں شادی نہیں کر سکتا۔
عذرا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے ہاجرہ جیسی بے مثل لڑکی کو ناپسند کیا تو پھر کیا تمھارے لئے جنت کی حور یا پرستان کی پری آئے گی؟
انصار۔ خیر حور پری تو مجھے چاہیئے بھی نہیں۔ ہاجرہ میری بہن ہے اور اس لحاظ سے مجھے اچھی لگتی ہے لیکن میری بیوی اس سے مختلف ہوگی۔
عذرا۔ تو بتاؤ کیسی ہوں گی وہ تمھارے تخیل کی ملکہ۔
انصار۔ دیکھا تم مذاق اڑانے لگیں اسی لئے تو میں بتا تا نہیں تھا۔
عذرا۔ (منہ لٹکا کر) توبہ توبہ! اب یہ بے ادبی نہ ہوگی لیجئے میں پوری فہمیدہ سنجیدہ بن گئی۔ اب بتاؤ۔
انصار۔ تم تو میرے سر ہو گئیں میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔
سیّدہ۔ انصار ماموں اب آپ بات ٹال رہے ہیں۔ بتائیے بھی کیسی ہوں گی آپ کی بیوی۔
انصار۔ ابھی یہ نہیں سوچا کہ کیسی ہوگی۔ صرف یہ سوچا ہے کہ کیسی نہیں ہوگی۔
عذرا۔ بہانے بنانے خوب آتے ہیں۔
سیّدہ۔ اچھا یہی بتا دیجئے کہ ہماری ممانی جان کیسی نہیں ہوں گی۔
انصار۔ اچھا کیا کرو گی پوچھ کر۔
سیّدہ۔ کہیں سے انھیں ڈھونڈ کر لائیں گے۔ ہاں پھر بتائیے نا؟
عذرا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کیسی بیوی چاہتے ہیں۔
انصار۔ (اپنے اشتیاق کو چھپا کر) اچھا تو پھر بتاؤ تاکہ میری مشکل بھی حل ہو جائے۔
عذرا۔ گوری چٹی خوبصورت فیشن ایبل لڑکی جو کم سے کم بی۔ اے تک

پڑھی ہو جوان کے ساتھ ڈنر پارٹیوں جلسوں وغیرہ میں جا سکے، کھلے منہ ہو اکھائے اُن کے دوستوں سے ہاتھ ملائے۔ ساتھ یورپ بھی جا سکے کسی امیر اور خطاب یافتہ باپ کی بیٹی ہو اور ——

سیدہ۔ اور اس کا نام رٹے سے شروع ہوتا ہو۔

انصار۔ (کھل کھلا کر ہنس پڑتے ہیں) تو یہ ہے آپ لوگوں کا خیال۔ مگر مجھے دلی رنج و افسوس کے ساتھ اس گناہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں آپ سے متفق نہیں۔ میری بیوی میں ان میں سے ایک بھی بات نہ ہو گی۔

عذرا۔ خیر معلوم ہو گیا تم ہمیں جلمہ دیتے ہو۔

سیدہ۔ اب تو انصار ماموں آپ کو بتانا ہی پڑے گا۔

انصار۔ اچھا مگر شرط یہ ہے کہ مذاق نہ اڑانا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ نہ بہت زیادہ حسین ہو اور نہ بہت گوری۔

عذرا۔ بلکہ کالی بدشکل اور چیچک رو ہو۔

انصار۔ نہیں بھئی کالی بدشکل اور چیچک رو بھی نہ ہو۔ اچھا ناک نقشہ ہو گندمی رنگ، مطلب یہ کہ دل کش شکل ہو اور بس —— لازمی نہیں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ڈگری یافتہ ہی ہو —— ہاں جاہل نہ ہو۔ نہ حد سے زیادہ فیشن ایبل ہو نہ پرانی لکیر کی فقیر —— نہ بالکل بے پردہ ہو نہ ایسی کہ گھر سے باہر قدم رکھنا گناہ سمجھے —— نہ کسی خطاب یافتہ باپ کی بیٹی ہو نہ کسی جاہل خاندان کی لڑکی ہو —— نہ ——"

عذرا۔ نہ یہ ہو نہ وہ —— نہ ایسی ہو نہ ویسی —— ایسی کانٹے کی تول بیوی نہیں ملے گی۔

انصار۔ (بو کھسو، رونی صورت نہ ہو۔ میری ہم خیال، ہم مذاق اور

ہم مزاج ہو۔ میرے کاموں میں دل چسپی لے سکے۔ میرا ہاتھ بٹا سکے۔ میری دل چسپیوں میں حصّہ لے، میرے خیالات کو سمجھ سکے، میرے مقاصد سے ہمدردی رکھے ـــــ مجھے صرف میری خاطر ـــــ"

سیدہ۔ بڑی کڑی شرطیں ہیں۔

عذرا۔ انصار ماموں شرائط بتانے میں تم نے ذرا دیر کردی۔ خیر اللہ میاں کو معلوم ہوگیا اب وہ ان صفات کی لڑکی بنانے کی کوشش کرے گا مگر اس کے لئے تمھیں کم سے کم سترہ اٹھارہ برس انتظار کرنا ہوگا۔

انصار۔ میرا تو خیال ہے کہ اللہ میاں اب سے بہت پہلے ان صفات کی ایک لڑکی بنا چکا ہے اب یہ اور بات ہے کہ اس تک میری رسائی ہو سکے گی یا نہیں۔

سیدہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحبہ آپ کی نظر میں ہیں۔

عذرا۔ (جس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی) سیدہ اب چلو بڑی دیر ہوگئی۔

انصار۔ تم نے میرے تخیل کی داد نہ دی عذرا۔

عذرا۔ کہا تو انتظار کیجیے کہ ان صفات کی خاتون عالم وجود میں آئیں

انصار۔ اب یہ تمہاری زبردستی ہے

عذرا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا ارادہ کیا ہے

انصار۔ عذرا میری عقل چکر میں ہے کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کل تو میں دہلی جا رہا ہوں۔ وہاں سے ریاض بھائی کے ساتھ ہی واپس آؤں گا اور پھر ان کے مشورے سے کچھ طے کروں گا۔

سیّدہ۔ آج شام کو آپ ہمارے ہاں آیئے۔ اماں کئی مرتبہ آپ کو پوچھ چکی ہیں ان سے مشورہ کیجیے

انصار۔ میں نے خود کئی مرتبہ ارادہ کیا مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بھی نانا ابا کی ہم خیال نہ ہوں۔

عذرا۔ اماں میں اس قسم کے دقیانوسی خیالات نہیں ہیں۔ وہ تو ہمیشہ کہا کرتی ہیں کہ شادی لڑکے کی پسند سے کرنی چاہیئے۔

انصار۔(مسکراکر) صرف لڑکے کی؟ لڑکیوں کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔

عذرا بغیر کچھ جواب دیئے کھڑی ہوگئی ساتھ ہی سیدہ بھی۔ انصار ہاجرہ کے کمرے تک انھیں پہنچانے آئے۔ ہاجرہ اندر کمرے سے نکلی اور ہاتھ سے سلام کرکے انصار سے پوچھا" بھائی جان آپ کا جی کیسا ہے" انصار نے ہاجرہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور ایک لفظ" بھائی جان" سے اس کے دلی خیالات انصار پر واضح ہوگئے۔ اس نے کہا" میری بہن تم فکر نہ کرو میں بالکل اچھا ہوں" یہ کہہ کر انصار اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ہاجرہ۔ تو خوب باتیں ہوئیں انصار بھائی سے۔ چلو خیر ان کے دل کی بھڑاس تو نکل گئی۔

عذرا۔ شاید۔

سیدہ۔ آپ نے بھی سُنی تھیں سب باتیں۔

ہاجرہ۔ ہاں۔

سیدہ۔ کیسے۔

ہاجرہ۔ چھپ کر۔

سیدہ۔ اے ہے آپ کو ڈر نہیں لگا۔ میں تو چھپ کر کسی کی بات نہیں سُن سکتی۔

عذرا۔ اس میں تو ہاجرہ ماہر ہیں۔

ہاجرہ ۔ اب میں اچھی طرح سمجھ گئی کہ انصار بھائی کس لڑکی ۔ کیسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں ۔

سیّدہ ۔ اچھی ہاجرہ آپا آپ بتائیے وہ کس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے نجمہ آپا سے یا یاسمین آپا سے ۔

ہاجرہ ۔ نہیں میرا تو یہ اندازہ نہیں ہے ۔۔ کیوں عذرا تمھارا کیا خیال ہے ۔

عذرا ۔ (کھوئی کھوئی سی) میرا تو کچھ خیال نہیں ۔

ہاجرہ ۔ مگر میں اس لڑکی کو پہچان گئی ہوں ۔

سیّدہ ۔ میری آپا مجھے بھی بتا دیجئے ۔

ہاجرہ ۔ تم بچی ہو ان باتوں سے کیا غرض ۔

سیّدہ نے منھ بنا کر ہاجرہ کو دیکھا "جی میں بچی ہوں ۔۔ اتنی تو بڑی ہو گئی ۔ آپ سے تو لمبی ہوں" پھر ایک نظرِ عذرا کے چہرے پر ڈالی اور کھِل کھِلا کر ہنس پڑی ۔۔ "میں سمجھ گئی ۔۔ سمجھ گئی"

ہاجرہ مسکرانے لگی ۔

اٹھارھواں باب

آج نسیمہ خاتون کے گھر کے کونے کونے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی ہے
پورا گھر صاف ستھرا اور آراستہ ہے۔ عذرا، ہاجرہ اور سیّدہ نے آج گھر کو
سجانے میں اپنا سارا کمال صرف کر دیا ہے۔ سارا گھر مہمانوں سے
پٹا پڑا ہے۔ جسے دیکھو باچھیں کھلی ہوئی ہیں۔ یہ اس لئے کہ آج صبح
ڈاکٹر ریاض عباس پونے چھ سال بعد یورپ سے واپس آئے ہیں۔

شام کا وقت ہے ریاض ماں کے پاس پلنگ پر بیٹھے ہیں ان کا
رنگ زیادہ گورا اور جسم بھرا بھرا ہو گیا ہے۔ قد بھی بہت لمبا ہو گیا ہے
البتہ آواز اور بھی نرم ہو گئی ہے اور بہت آہستہ آہستہ بات کرتے
ہیں جس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں سب لوگ آہستہ بولتے ہیں
ہندوستانیوں کی طرح گلا پھاڑ کر نہیں چیختے۔

عذرا اور نسیدہ بھائی کے پاس بیٹھی ہیں۔ چہرے پھول کی طرح کھلے ہوئے، آنکھوں، ہونٹوں اور جسم کے عضو عضو سے مسرت پھوٹی پڑ رہی ہے۔ فرخ شرمائی سی دوسرے پلنگ پر اپنے بچے کو لئے بیٹھی ہے اور بار بار محبت بھری نظروں سے بھائی کو دیکھ لیتی ہے۔

اور نسیمہ خاتون کی خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ چھ برس بعد آج وہ اپنے کو زندوں میں سمجھ رہی ہیں۔ چھ برس!! کہنے کو دو لفظ — مگر کوئی اِن کے دل سے پوچھے کہ انھوں نے یہ زمانہ کس طرح ایک ایک گھڑی گن گن کر گزارا۔ وہ بار بار ریاض کا منھ دیکھتی اور پیار کر لیتی ہیں۔ گھڑی گھڑی سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور اس رحیم و کریم پروردگار کا انتہائی عقیدت اور دلی ارادت سے دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی ہیں جس نے پھر ان کے لال کا منھ دکھایا۔ کبھی دعائیں پڑھ پڑھ کر ریاض پر دم کرتی ہیں کہ خدا نہ کرے نظر نہ لگ جائے۔ کبھی ماتھا چومتی ہیں، کبھی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی ہیں اور کبھی بے تاب ہو کر گلے سے لپٹا لیتی ہیں۔ ریاض ماں کی حالت دیکھ کر بے حد متاثر ہیں اور یہ سوچ کر ان کا دل بھر آتا ہے کہ میری خود غرضی نے چھ سال تک اماں کو کیسی سخت تکلیف دی۔

صغرا گود میں اپنی ننھی بچی کو لئے بیٹھی ہے۔ اس کے قریب ہی گاؤ تکئے سے لگے محمد احسان بیٹھے شفقت بھری نظروں سے بھتیجے کو دیکھ رہے ہیں۔ چہرے سے خوشی اور اطمینان ظاہر ہو رہا ہے۔

محمد احسان۔ آج چھ برس بعد بھابی کے چہرے پر خوشی اور تندرستی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ مجھے تو ہر وقت یہ فکر تھا کہ کس طرح یہ تمھاری جدائی کو برداشت کریں گی۔

نسیمہ۔ (دوپٹے سے آنسو پونچھ کر) میاں اُس کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ پھر اس نے مجھے ریاض کا مُنھ دکھایا۔ یہ تو اللہ رکھے خیر سے واپس آ گئے ہیں۔ مگر میں اتنے عرصے کیسے زندہ رہی؟ اب خیال کرتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ میرے تو رونگٹے رونگٹے میں زبان ہو تو اپنے مولا کا شکر ادا نہیں کر سکتی۔

ریاض۔ (ماں کے سینے پر سر رکھ کر) میری اماں ــــ میری پیاری اماں۔ اُف اتنے عرصے آپ کو کس قدر تکلیف اور پریشانی اٹھانی پڑی اور محض میری خود غرضی کی وجہ سے۔

نسیمہ۔ نہ میاں ایسا نہ کہو۔ میں جُدائی کی تکلیف نہ سہتی تو تم اعلےٰ التعلیم کیسے پاتے اتنے بڑے ڈاکٹر بن کر کیسے آتے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ زمانہ جیسے میں نے گزارا ہے وہ یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔

عذرا۔ (آہستہ سے) یا میں۔

ریاض نے پلٹ کر بہن کی طرف دیکھا اور اسے لپٹا لیا۔

عذرا۔ بھائی جان میں بتا نہیں سکتی کہ کس طرح یہ زمانہ کٹا ہے۔ ایک طرف آپ کی جُدائی دوسری طرف اماں کی فکر۔ یہ تو اس وقت اماں ماشاءاللہ اس قدر خوش اور تندرست نظر آ رہی ہیں ورنہ آپ کے پیچھے اماں کا جو حال تھا وہ بس میں ہی جانتی ہوں اور جب سے یہ باجی (فرخ کی طرف اشارہ کر کے) اپنی سسرال چل دیں تب سے اماں اور سیّدہ کی صحت کی ساری فکر مجھ اکیلی کو اُٹھانی پڑ گئی۔ ہاں جب چچا جان آتے تھے تو ذرا تسلّی ہوتی تھی۔

ریاض۔ کیوں سیّدہ؟ تم بچاری عذرا کو کیوں پریشان کرتی تھیں؟

نسیمہ۔ یہ تو ہوئی سدا کی کمزور اور ردگی۔
سیدہ۔ کہیں بھی تو نہیں بھائی جان۔ میں تو اچھی خاصی ہٹی کٹی ہوں۔
ریاض اُٹھ کر فرخ کے پاس آئے اور اس کا سر سہلا کر بولے:
"اب تو ہماری چھوٹی سی بہن بہت بڑی آدمی ہو گئی ہے۔ بال بچوں گھر بار والی" فرخ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ریاض نے بھانجے کو پیار کیا۔ اور پھر صغرا کے پاس آکر اس کی موٹی موٹی سانولی بچی سے کھیلنے لگے۔
ریاض۔ اب بی صغرا کو دیکھو ـــ میں انھیں بچی چھوڑ کر گیا تھا۔ آکر اماں بنا پایا۔ جسے دیکھتا ہوں اتنی بڑی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے میاں اصغر کو تو دہلی کے اسٹیشن پر میں نے بالکل نہیں پہچانا۔ اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ مجھ سے بھی شاید کچھ نکلتا ہو ـــ اور عذرا ـــ عذرا تو اب چھ فٹ کی ہو گئی ہے۔
عذرا۔ تو بھائی جان ہمارا کیا قصور ـــ آپ ہی اتنی مدت میں آئے کہ ہم سب بڑھے ہو گئے۔
نسیمہ۔ اچھا اب تم لوگ اُٹھ کر سب کے کھانے کا انتظام کرو ـــ ریاض تم باہر جاؤ میں کھانا بھجواتی ہوں۔
ریاض۔ اماں میرا جی تو آپ کے ساتھ کھانا کھانے کو چاہتا ہے۔
نسیمہ۔ نہیں میاں باہر سب لوگ تم سے ملنے آئے ہیں۔ جاؤ سدھارو میرے ساتھ تو خیر سے روز ہی کھاؤ گے۔
ریاض۔ جو حکم۔
عذرا، سیدہ اور ہاجرہ کھانے کے انتظام کے لئے اٹھیں۔ ریاض اور محمد احسان باہر چلے گئے۔

حبیب الٰہی اپنے دیوان خانے میں بیٹھے پیچوان پی رہے ہیں۔ ریاض اور احسان پاس بیٹھے ہیں۔

حبیب الٰہی۔ بیٹا خدا کا شکر ہے کہ تم بخیریت واپس آ گئے۔ نسیمہ نے یہ زمانہ بڑی مشکل سے گزارا۔ خیر ان کی مُراد بر آئی۔ خدا سب کو تم جیسی سعادت مند اولاد دے۔ ماشاء اللہ بہت اعزاز کے ساتھ ڈگریاں لیں۔

ریاض۔ (سر جھکا کر) یہ سب جناب کے احسانات ہیں۔

حبیب الٰہی۔ (شفقت سے) نہیں بیٹا یہ سب تمھاری محنت اور قابلیت ہے۔ ہاں تو اب کیا قصد ہے۔ کہیں سرکاری نوکری یا پرائیویٹ مطب؟

احسان۔ سرکاری نوکری یہ کیا کریں گے؟ بہت اچھا offer آیا ہے مگر انھیں اس سے انکار ہے۔

ریاض۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر سرکاری نوکری کرنی ہوتی۔ تو میں آئی سی ایس کا خیال ہی کیوں چھوڑتا۔ ڈاکٹر انصاری صاحب مجھے اپنے ساتھ کام کرانے پہ تیار ہیں۔ صبح کو دو گھنٹے ان کے ساتھ کام کروں گا اور شام کو اپنا مطب۔

حبیب الٰہی۔ بہت معقول۔ سال بھر ان کے ساتھ کام کر لو گے تو بہت عمدہ تجربہ ہو جائے گا۔ ہندوستان بھر میں ایک ہی ڈاکٹر ہے۔ خدا نے دستِ شفا عطا کیا ہے۔

ریاض۔ جی ہاں اُن کی قابلیت کے تو دشمن بھی معترف ہیں۔

احسان۔ یہ انصاری کیا کر رہے ہیں۔ یورپ کب تک جائیں گے؟

حبیب الٰہی ۔ مجھے نہیں معلوم ۔
ریاض ۔ کیا فرمایا جناب نے ؟
احسان ۔ کیا آپ ان سے کچھ ناراض ہیں ؟
حبیب الٰہی ۔ نہیں صاحب ناراضگی کی کیا بات ہے ۔ جوان لڑکا اپنی مرضی اور خوشی کا مختار جو چاہے کرے مجھے کیا مطلب ۔
ریاض ۔ آخر کیا بات ہے ۔ بس دیکھتا ہوں کہ انصار بہت پریشان اور افسردہ رہتے ہیں ۔ جناب بھی اس سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں ۔
حبیب الٰہی ۔ (پھٹ پڑتے ہیں) مجھے اس سرکش بدتمیز، ضدی، خودرائے لڑکے سے کوئی واسطہ نہیں ۔ میں کیوں اس سے کشیدہ ہوں ۔ اس کا جو جی چاہے کرے ۔ میں اس کے لئے مر گیا ۔ وہ اس عمر میں میرا کہنا نہیں مانتا ۔ میری کوئی ہستی اور حقیقت نہیں سمجھتا تو کیا میں اس بڑھاپے میں اس کی مرضی پر چلوں گا ؟
ریاض ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انھوں نے آپ کو ناراض کر دیا ۔
حبیب الٰہی ۔ میں نے کہا آئی ۔ سی ۔ ایس کے امتحان میں بیٹھو، نہیں، بیرسٹری کے لئے چلے جاؤ صاف انکار ۔ جائداد کی دیکھ بھال کرو ہرگز نہیں ۔ کیا کریں گے صاحب، جرنلزم، اخبار نکالیں گے جوتیاں کھائیں گے ۔
احسان ۔ آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ آج کل کے لڑکے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کام کرتے ہیں ۔ انھیں دیکھئے باوجود سب کے منع کرنے کے علی گڑھ کی تعلیم چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں داخلہ لیا ۔ اس وقت سب کا خیال تھا کہ اب یہ ترقی نہیں کر سکیں گے ۔ مگر خدا کا شکر ہے

کہ اس نے یہ صورت نکال دی۔ انشاء اللہ الصّاد بھی اسی طرح ترقی کرے گا۔ آپ اُسے معاف کر دیجئے اور یورپ جانے کی اجازت دے دیجئے۔

حبیب الٰہی۔ شاید اس بات کو میں کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتا مگر اُس نے تو میرا دل توڑ دیا۔ میری ساری آرزوئیں اور ارمان پامال کر دیئے۔ یہ چھوٹا سا تھا کہ ماں مر گئی ۔۔۔ پھر باپ کا بھی انتقال ہو گیا میں نے بچپن میں حد سے زیادہ اس لڑکے کی ناز برداریاں کیں، ہر قسم کی ضدیں اٹھائیں۔ جب سے بڑا ہوا ہر طرح کی نگرانی اور دیکھ بھال کی۔ اس کے آرام اور خوشی کا ہمیشہ خیال رکھا۔ کہا ایم۔ اے کروں گا۔ اجازت دے دی۔ پھر یہ ضد تھی کہ کامرینڈ میں سال بھر کام کروں گا۔ خاموش ہو رہا ۔۔ ساری امیدیں اس لڑکے سے وابستہ تھیں۔ مگر اس نے مجھے ان سب کا یہ بدلہ دیا میری رائے کی کوئی حقیقت نہ سمجھی۔ مجھے جاہل احمق اور زر پرست کہہ رہا تھا۔ ایسے الفاظ کی اتنی مجال!

احسان۔ لاحول ولا قوۃ۔

حبیب الٰہی۔ اس نے زبان سے یہ الفاظ نہ کہے ہوں مگر عمل سے ظاہر یہی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ ہاجرہ سے اس کی شادی کر دی جائے مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتا۔

احسان۔ آخر کیوں؟

حبیب الٰہی۔ جی نئی منطق نکالی ہے۔ میرے کوئی بہن نہیں ہیں اسے سگی بہن سمجھتا ہوں۔ چھوٹا کسی عیسائی ویسائی پر عاشق ہو گیا

ہوگا۔ میں نے پیار و محبت سے سمجھایا، اونچ نیچ سمجھائی، ڈانٹ ڈپٹ کی، عاق کردینے کی دھمکی دی مگر اس ناخلف پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کا باپ بھی اسی کی طرح خود سر، ضدی اور مغرور تھا۔ میرا کیا ہے۔ سمجھوں گا کسی پڑوسی کے یتیم بچہ کو پال دیا تھا۔

احسان۔ قبلہ اس قدر سختی نہ کیجئے۔ لڑکا ہے ناتجربہ کار اور ضدی۔ آپ بزرگ ہیں سمجھدار، بردبار اور دور اندیش۔ اس کا قصور معاف کردیجئے۔

حبیب الٰہی۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ ضدی ہے تو میں اس سے زیادہ ضدی ہوں۔ میں نے عہد کرلیا ہے کہ اب اس کی صورت نہ دیکھوں گا۔ وہ اپنے کو سمجھتا کیا ہے۔ ناشدنی۔ ناخلف۔"

غصے سے حبیب الٰہی کانپنے لگے۔ محمد احسان اور ریاض ان کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے اور زیادہ کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

شام کا وقت ہے ا۔ ۔ پور کے مشرق میں جو ندی بہتی ہے وہ اس وقت بڑی سُبک روی کے ساتھ آہستہ آہستہ بہہ رہی ہے اس کے دونوں کناروں پر سبز گھاس کا نرم اور خوب صورت مخملی فرش بچھا ہوا ہے۔ ندی کے اُس پار سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا ہے۔ شفق کی سُرخی نے آسمان پر آگ سی لگا رکھی ہے۔ رنگ برنگے بادلوں کے ٹکڑے دوڑ دوڑ کر ڈوبتے سورج کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ درختوں کے پتے ہل رہے ہیں۔ ہوا درختوں کے پتوں میں سرسرا رہی ہے۔ چڑیاں بسیرا لینے کے لئے دور دور سے اُڑتی ہوئی آتی ہیں اور اپنے بال بچوں سے دن بھر کی جُدائی کے بعد ملنے کی

خوشی میں مست ہیں۔ ان کے چہچہوں کے شور سے سارا جنگل گونج رہا ہے۔
انصار اور ریاض ٹہلتے ٹہلتے رُکے اور ندی کے کنارے لبِ آب گھاس پر بیٹھ گئے۔

انصار۔ ریاض بھائی یہ بھی میری قسمت کی خوبی ہے کہ سارے بزرگوں میں صرف ایک نانا ہیں وہ بھی مجھ سے ناراض ہو گئے۔ خیر کوئی پروا نہیں، مجھے خدا کی مدد اور اپنی ہمت پر بھروسہ ہے۔ ہاں رنج اس کا ہے کہ میری وجہ سے نانا ابا کو صدمہ پہنچا۔ اور اس سے تو میں بہت خوش ہوں کہ انھوں نے مجھے جائداد کے پھندے سے رہا کر دیا اور میرے خرچ کا بار اُٹھانے سے انکار کر دیا۔

ریاض۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ان کا غصّہ چند روزہ ہے۔

انصار۔ خیر کتنے ہی دن کا ہو مگر میں اب ان سے کبھی مدد لینا گوارا نہیں کروں گا۔ جائداد، جائداد، جس جائداد پر ساٹھ ستر ہزار کا قرض ہو اس کے لئے اس قدر بے قراری! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان رئیسوں کے دل میں اس قدر جائداد کا شوق کیوں ہوتا ہے؟

ریاض۔ کیا ہاجرہ پر تمھارے انکار کا اثر نہ ہوا ہو گا؟

انصار۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہاجرہ کو اس کا بالکل افسوس نہیں ہوا۔ وہ خود مجھے حقیقی بھائی کی طرح سمجھتی ہے۔ نانا ابا تو خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں انھیں ہاجرہ کے لئے مجھ سے بہت اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔

ریاض۔ ہاں ہاجرہ بہت اچھی لڑکی ہے۔

انصار۔ (غور سے ریاض کے چہرے کو دیکھتے ہوئے) کیا واقعی تمھیں ہاجرہ پسند ہے؟

ریاض۔ ٹال کر، بے شک۔ ہاجرہ میرے دوست کی بہن اور بہنوں کی دوست ہے پسند کیوں نہ ہوتی۔

انصار۔ ٹالو نہیں۔ تم میرا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہو — سچ بتاؤ تم ہاجرہ کو پسند کرتے ہو نا؟

ریاض۔ کیا اقبالِ جرم کرا رہے ہو۔

انصار۔ ہاں اقبالِ جرم کرا رہا ہوں۔

ریاض۔ تم اس قدر مُصر ہو تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے ہاجرہ ہمیشہ سے بہت پسند ہے۔ یورپ میں بھی مجھے برابر اس کا خیال رہتا تھا لیکن مجھے بھی یہی خیال تھا کہ ہاجرہ اور تم دونوں ایک دوسرے کے لئے ہو۔ اس وجہ سے میں ہاجرہ کے خیال کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ دوسری وجہ تم خود جانتے ہو

انصار۔ وہ دوسری وجہ کیا ہے۔

ریاض۔ نانا ابا کے احسانات سے میری گردن جھکی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہاجرہ صاحبِ جائداد لڑکی ہے۔ اس لئے اس قسم کا خیال کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔

انصار۔ تم بھی بعض وقت عورتوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ کیا اتنی سی بات کے لئے تم اپنی اتنی بڑی آرزو کا گلا گھونٹ دوگے۔ میں تو تمھیں ایسا کمزور نہیں سمجھتا — رہی جائداد، تو ریاض بھائی میری بات پر یقین کرو نانا ابا کی ناراضیوں اور شاہ فرچیوں نے پہلے ہی اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔ وہ سر سے پیر تک قرضے میں جکڑی ہے۔ اگر حقدار سے بچی قرضہ ادا کر دیا جائے تو شاید چالیس پچاس ہزار روپیہ

بچ جائے مگر نانا ابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔
ریاض۔ مجھے اس کا بالکل علم نہ تھا۔ یہ ہاجرہ کے لئے اچھا بھی ہے اور بُرا بھی۔ جو شخص اس سے محض جائداد کے لالچ میں شادی کرے گا اُسے بڑی مایوسی ہوگی۔
انصار۔ لیکن اس کی نوبت ہی کیوں آئے کہ کوئی نا اہل لالچی شخص اس کا شوہر بنے۔ تم بھی اقرار کر چکے ہو کہ ہاجرہ تمھیں بہت پسند ہے۔ پھر کیوں پیام نہیں دیتے۔ نانا ابا مجھ سے تو نا امید ہو ہی چکے۔ تمھیں وہ بہت پسند کرتے ہیں۔ یقیناً اس رشتے کو منظور کرلیں گے۔
ریاض۔ لیکن انصار کیا تم کہہ سکتے ہو کہ ہاجرہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟
انصار۔ ریاض بھائی تم ہو کس خیال میں۔ تم جیسا دولہا کسی قسمت والی لڑکی کو مل سکتا ہے۔ جس لڑکی کی بھی تم سے شادی ہوگی وہ اپنی قسمت پر ناز کرے گی۔ تمھیں معلوم نہیں خان بہادر تم پر بہت ریجھے ہوئے تھے اور رضیہ نے تو تمھیں پیڈ لفافے تک تحفے میں دئے تھے مگر تم ایسے بے وفا نکلے کہ اس غریب کو ایک بھی خط نہ لکھا۔
ریاض۔ تم احمق ہو۔
انصار۔ رہی ہاجرہ تو اس کا یہ حال ہے کہ تمھارے سارے گھر کی گرویدہ ہے۔ آپا کو وہ ماں سے بڑھ کر سمجھتی ہے، عذرا میں اُس کی جان اٹکی ہوئی ہے اور (مسکرا کر) میرا خیال ہے کہ عذرا کے بھائی کو بھی وہ ناپسند نہیں کرتی۔
ریاض۔ (بے ساختہ) سچ؟
انصار۔ (ہنس کر) ہاں بالکل سچ، حضرت ہم قیافہ شناس، غیب داں،

خدا کے برگزیدہ بندے دل کا حال چہرہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں۔
ریاض۔ جی ہاں کیا کہنے آپ تو پورے ولی اللہ ہیں۔
انصار۔ میں تو مدت سے سمجھے ہوئے تھا کہ جناب ہاجرہ کو دل بھینٹ کر چکے ہیں۔
ریاض۔ خیر اگر تمھاری رائے ہے تو میں اماں سے ذکر کر دوں ـــ وہ جب سے میں آیا ہوں میرے سر ہیں کہ کسی لڑکی کا انتخاب کر دو میں جلدی سے بہو بیاہ لاؤں۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ نانا ابا نامنظور نہ کر دیں۔
انصار۔ عشق نے تمھیں وہمی بنا دیا ہے۔ میں شرط کرتا ہوں کہ وہ فوراً منظور کر لیں گے۔
ریاض۔ خیر دیکھا جائے گا۔ مگر اب سچ سچ بتا دو کہ وہ کون پرکالہ آفت ہے جس نے تم جیسے نٹ کھٹ کو اپنے بس میں کیا ہے؟
انصار۔ اب تم بدلہ لینے کے لئے خواہ مخواہ چھیڑنے لگے۔
ریاض۔ ہنو نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے ورنہ تم اس قدر سختی سے انکار نہ کرتے۔
انصار۔ اگر ہے بھی تو تم سے چھپی نہ رہے گی۔ اس وقت تو تم مجھے یہ مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟
ریاض۔ تم کچھ اپنا ارادہ بھی تو بتاؤ۔
انصار۔ دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں کسی اخبار میں نوکری کر لوں۔ کامریڈ اور ہمدرد میں کام کر چکا ہوں۔ کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی اور پیٹ بھرنے کا سہارا ہو جائے گا۔
ریاض۔ دوسری کیا ہے؟

انصار۔ حیدر آباد میں میرے والد مرحوم کا کچھ روپیہ جمع ہے۔ کوئی دس گیارہ ہزار کے قریب ہو گا۔ میرا ارادہ اس روپیہ سے والد مرحوم کی غیر مطبوعہ تصانیف چھپوانے کا تھا۔ مگر اب معاملہ دوسرا آپڑا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اسے لے کر یورپ چلا جاؤں اور جرنلزم کی تعلیم حاصل کروں۔ پہلے پی۔ ایچ۔ ڈی کا خیال تھا مگر اب میں نے اس کا ارادہ ترک کر دیا ہے اس میں زیادہ وقت لگے گا اور زیادہ روپے کی ضرورت ہو گی۔

ریاض۔ یہی ٹھیک ہے۔ یہاں کوئی چھوٹی موٹی جگہ ملی بھی تو ترقی کی بہت کم گنجائش ہو گی۔ تم خدا کا نام لے کر جلد یورپ روانہ ہو جاؤ واپس آکر ذاتی اخبار نکال لینا۔ اس عرصے میں میری پریکٹس بھی جم جائے گی تمھیں جب روپیہ کی ضرورت ہو مجھے بے تکلف لکھ دینا۔

انصار۔ نہیں روپے کی ضرورت کیا ہو گی۔ ریاض بھائی اب میں وہ فضول خرچ اور لاابالی انصار نہیں رہا جو حیدر آباد میں سیکڑوں روپیہ ماہوار خرچ کر دیتا تھا۔ تم دیکھنا میں کیسی کفایت شعاری سے خرچ کروں گا اور کیسی ذمہ داری اور مستعدی سے کام کروں گا۔

ریاض۔ انشاء اللہ مجھے پورا یقین ہے کہ تم جس بات کا ارادہ کر لو وہ کر کے چھوڑو گے۔ مگر روپیہ کے معاملہ میں زیادہ تکلیف نہ اٹھانا۔ میں اپنا روپیہ بنیئے کی طرح سختی سے وصول کر لوں گا۔ تم اس کا خیال نہ کرنا۔

انصار۔ اگر ضرورت ہوئی تو تمھارے سوا کون ہے جس سے مدد مانگوں گا؟ تو کب تک چلا جاؤں؟

ریاض۔ پہلے روپیہ اور پاسپورٹ کا انتظام کر لو پھر جانے کی تاریخ مقرر ہو جائے گی۔ شاید اس عرصے میں نانا ابا سے وہ بات بھی

طے ہو جائے گی۔
انصار۔ (ہنس کر) ہاں ٹھیک ہے۔ میں تو بھول ہی گیا تھا مگر دوست تم تو ابھی سے بے قرار ہو گئے۔
ریاض۔ (مُسکراکر) مگر تم نے کچھ نہ بتایا؟
یکایک ایک موتی سی بوند انصار کی ناک پر پڑی اور ساتھ ہی تیز ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ دونوں دوست گھبراکر کھڑے ہو گئے چند قدم گئے تھے کہ تیز بارش نے آلیا اور یہ دونوں بھیگتے ترتے گھر پہنچے اور انصار وریاض کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔

اُنیسواں باب

نسیمہ۔ خدا کا شکر ہے کہ حبیب نانا اس رشتے پر تیار ہو گئے۔ پہلے تو بہت ٹالنے کی باتیں کیں مگر احسان کے آگے اُن کی ایک نہ چلی۔ احسان نے کہا میں رسم رسوم کا قائل نہیں اگر لڑکا آپ کو پسند ہے تو ابھی ہاں کر لیجئے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ "کپڑے پھٹیں اور جوتیاں ٹوٹیں۔"

فرخ۔ یا اللہ تیرا ہزار ہزار شکر۔ کسے امید تھی کہ وہ ہمیں یہ دن بھی دکھائے گا۔

عذرا۔ (بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر) بھائی جان میں بہت خوش ہوں سب سے زیادہ خوش۔

ریاض۔ (مُسکرا کر) اس لئے کہ ماجدہ تمھاری سہیلی ہے؟

نسیمہ۔ (ہنس کر) اے میاں اب تو کچھ دن شرم کرو۔ کیا بے دھڑک

نام لے رہے ہو۔
ریاض۔ (مسکرا کر سر جھکا لیتا ہے) بہت خوب۔
ساری بہنیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔
صغرا۔ چچی اماں اب میرے سامنے ہی جلدی سے شادی بھی کر دیجئے۔
نسیمہ۔ بیٹی بھلا یوں ہتھیلی پر سرسوں کیسے جم سکتی ہے۔ آخر کچھ دن تو مجھے اور انھیں دونوں کو تیاری کے لئے چاہئیں گے۔
فرخ۔ اچھا اماں امام ضامن کی رسم تو کر دیں۔
نسیمہ۔ تمھارے چچا جان ضرور مخالفت کریں گے کہ ان رسم رسوم کی کوئی ضرورت نہیں۔
صغرا۔ ابا میاں تو ہر بات میں روڑا اٹکا دیتے ہیں۔ نہیں چچی اماں کچھ بھی ہو منگنی کی رسم تو ہم ضرور کریں گے۔
فرخ۔ ہمیں کوئی ساری برادری کو تھوڑا ہی جمع کرنا ہے۔ اپنی خوشی کے لئے معمولی سی رسم کرلیں گے۔ ہم یہاں سے امام ضامن انگوٹھی، مہندی جوڑی اور مٹھائی لے جائیں گے۔ وہاں سے نانا ابا مٹھائی دیدیں گے تاکہ کنبے میں بانٹ کر اعلان کر دیا جائے۔
ریاض۔ اور ہمارے لئے نہ امام ضامن نہ انگوٹھی؟
فرخ۔ آپ گھبرائیے نہیں نانا ابا سے انگوٹھی بھی دلوا دیں گے اور امام ضامن بھی بندھوا دیں گے۔
ریاض۔ تم لوگوں کی زبان بھی خوب ہوتی ہے۔ امام ضامن (معاذاللہ) باندھے جاتے ہیں۔
صغرا۔ خیر آپ اپنی منطق رہنے دیجئے۔ ہمارے ہاں محاورے میں جو کہا

جاتا ہے وہی کہیں گے۔

سیدہ۔ بچاری ہاجرہ آپا کی طرف سے یہ سب کون کرے گا نانا ابا تو مرد ہیں۔

عذرا۔ بھئی میں ہاجرہ کی طرف ہو جاؤں گی۔

فرخ۔ اور کیا تم تو سب رسم رسوم سے واقف ہو نا۔

نسیمہ۔ یہ نہ سمجھو حبیب نانا عورتوں سے زیادہ سب باتوں سے واقف ہیں۔ دوسرے انھوں نے ہاجرہ کی خالہ اور حمانی کو حیدر آباد سے بلوایا ہے۔

عذرا۔ میں ذرا ہاجرہ کے پاس جا رہی ہوں۔

ریاض۔ (آہستہ سے مسکرا کر) دیکھو بچاری کو زیادہ تنگ نہ کرنا۔

فرخ۔ (ہنس کر) اخاہ بھائی جان کو ابھی سے ہم سب سے زیادہ اس کا خیال ہو گیا۔

عذرا۔ ہاجرہ میری دوست ہے میں اسے جو چاہے کہوں آپ منع نہیں کر سکتے۔

صغرا۔ چچی اماں دیکھئے بھائی جان تو ابھی سے بے قرار ہیں۔ اب جلدی سے شادی کر ہی دیجئے۔

ریاض۔ اوہو آج تو بی صغرا بھی خوب چہک رہی ہیں۔

صغرا۔ آج بھی نہ چہکوں۔ اس سے زیادہ خوشی کا دن اور کون ہوگا۔ ہاں تو چچی اماں پھر کب ارادہ ہے؟

نسیمہ۔ میرا خیال ہے کہ شب برات کی پندرہ کو خیر سے عقد ہو جائے۔

فرخ۔ دو مہینے بعد!!

نسیمہ۔ تو اس سے جلدی بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔
صغرا۔ میں چلی گئی تو آنا مشکل ہو جائے گا۔
فرخ۔ میرے بھی بلاوے کے خط پر خط آ رہے ہیں۔
عذرا۔ بس ان دونوں کو جانے کی پڑ گئی۔ ایسی بھی کیا بے قراری۔
ریاض۔ بھئی کیا کریں دل سے مجبور ہیں۔
نسیمہ۔ جب میں جانے دوں گی تب نا؟ مجال ہے نسیم یا مجید کی کہ میری بغیر اجازت لے جائیں۔

فرخ مسکرا کر چپ ہو رہی۔ صغرا نے جلدی سے کہا۔ "میری چچی اماں آپ ضرور لکھوا دیجئے کہ ابھی پانچ چھ مہینے صغرا نہیں آئے گی (منہ بنا کر) اتنی دور جا کر ایک ایک کی صورت کو ترس جاتی ہوں۔ سب سے دور مجھی کو پھینک دیا۔
نسیمہ۔ بیٹی یہ تو نصیب کی بات ہے۔ جس کا جہاں ہونا تھا وہاں ہوا۔
عذرا۔ دل میں کچھ اور ہے، ظاہر کرتی ہیں کہ جیسے بچاری بالکل جانا نہیں چاہتیں۔
صغرا۔ تم اعتراض کرنے اور طعنے دینے سے کبھی باز نہ آؤ گی۔
فرخ۔ عادت سے مجبور ہیں۔

عذرا ہنستی ہوئی اٹھی اور سیدہ کو لے کر ہاجرہ کے ہاں چلی گئی۔ صغرا کی بچی رونے لگی تو وہ دودھ پلانے سہ دری میں چلی گئی۔ نسیمہ نے تنہائی دیکھ کر کہا "ریاض میاں میں چاہتی ہوں کہ عذرا کی نسبت بھی جلدی ہو جائے۔"

ریاض۔ اماں ایسی کیا جلدی ہے۔ اطمینان سے دیکھ بھال کر طے کریں گے ابھی تو وہ انیس برس کی بھی نہیں۔

نسیمہ۔ اب خیر سے شب برات میں بیسویں میں لگ جائے گی یہی عمر بیاہ کی ہوتی ہے۔ فرخ کی تو اٹھارھواں اُترتے ہی کردی گئی تھی۔

فرخ۔ (مسکرا کر) میں تو اماں کو بہت بھاری تھی۔

ریاض۔ پیام کس کس کا ہے۔

نسیمہ۔ دو تین پیام تو کہیں باہر کے ہیں جن کے متعلق شاید احسان کچھ بتا سکیں گے۔ ان میں سے مجھے تو کوئی جچا نہیں۔ کسی کی ذات ٹھیک نہیں، کسی کے بچے موجود ہیں۔ ایک پیام صغرا کے دیور کا ہے۔ مگر لڑکا صرف دسویں تک پڑھا ہے۔ "انجنیری" کی تعلیم پائی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو کا نوکر ہے۔

ریاض۔ نہیں اس کی تعلیم بہت کم ہے۔ اور حیدر آباد دور بھی بہت ہے۔

نسیمہ۔ فرحت کے لئے کئی مرتبہ باتوں باتوں میں محمدی بھابی کہہ چکی ہیں۔

ریاض۔ فرحت ویسے تو بہت معقول آدمی ہیں مگر مغرب زدہ بہت ہو گئے ہیں۔ سوٹ کے سوا کچھ پہنتے نہیں۔ چمچے کانٹے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے اور میز کرسی نہ ہو تو شاید کھڑے ہی رہیں۔ پورے صاحب بہادر ہیں۔ عذرا کی اور ان کی طبیعت نہیں مل سکتی۔

فرخ۔ محمدی چچی کا مزاج بھی بہت خراب ہے اور دماغ تو گھر بھر کا عرشِ معلے پر رہتا ہے۔ اپنے اور بجمہ کے بھونڈے حسن کے سامنے وہ

ہر کسی کو بدصورت سمجھتی ہیں۔ کئی مرتبہ مذاق میں عذرا کو کالی، بدصورت اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔ جیسے وہ خود بڑی حسین ہیں۔

نسیمہ۔ تم بہن بھائی ہر ایک میں عیب نکال دو گے تو کیسے کام چلے گا۔

ریاض۔ مگر اماں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لڑکا عذرا کے قابل نہ ہو اسے ہم پسند کر لیں۔

نسیمہ۔ ایک پیام اور ہے اور بڑے زور شور کا۔ سب سے زیادہ مجھے اسی طرف سے ڈر ہے۔

ریاض۔ وہ کس کا؟

فرخ۔ جمیل بھائی کا ہو گا۔

نسیمہ۔ ہاں آپا مدت سے پیچھے پڑی ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے اب تک ٹال ٹال دیا ہے۔

ریاض۔ سُبحان اللہ عذرا اور جمیل کا کیا جوڑ؟

نسیمہ۔ میں خود بھی اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی مگر کروں کیا؟ فرخ کی دفعہ بھی انھوں نے بہت زور لگایا تھا مگر اس وقت احسان نے یہ عذر کر دیا کہ لڑکا ایف۔ اے پاس بھی نہیں۔ میں نے بھی ٹالنے کو کہہ دیا تھا کہ اور لڑکیاں بھی تو ہیں اس وقت دیکھا جائے گا۔ اب وہ پیچھے پڑی ہیں کہ وعدہ پورا کرو۔ حالانکہ میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

فرخ۔ آپ نے بھلا کا ہے کو یہ کہہ دیا تھا۔ صاف انکار کر دیتیں۔

نسیمہ۔ بھئی مجھے کیا خبر تھی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ کچھ دن بعد یہ خود ہی ذکیہ سے کر لیں گی اور سچی بات یہ ہے کہ آپا نے بہت چاہا کہ جمیل کا ذکیہ

سے ہو جائے مگر اس نے مانا ہی نہیں اور اب اس پہ اڑا ہے کہ عذرا سے بیاہ ہو۔

فرخ۔ عجیب تماشا ہے۔ پہلے تو انھیں عذرا بالکل ناپسند تھی۔ ماں بیٹے دونوں اُسے کالی اور بد صورت کہتے تھے۔ ہمیشہ اس کی تعلیم کی، مضمون نگاری کی مخالفت کی۔ اس کی "آزادی" اور "فیشن" کو برا بھلا کہا اور ہزاروں عیب نکالے۔ اب اُس میں کون سی خوبی پیدا ہو گئی۔

ریاض۔ ان کے خیالات، مزاج، معاشرت سب ہم سے مختلف ہے وہ عورتوں کی ہر قسم کی آزادی کے مخالف اور حد سے زیادہ قدامت پرست ہیں۔ میری بہن تو کسی طرح ان کے ہاں نہیں کھپ سکتی۔ ہر بات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ انھیں اس قدر اصرار کیوں ہے؟

نسیمہ۔ آپا کہتی ہیں کہ اس نے اب تو بی۔ اے بھی کر لیا۔ نوکر بھی ہو گیا اب تم کیا بہانہ بناؤ گی، اتنا ضرور ہے کہ اگر یہ رشتہ نہ ہوا تو آپا مجھ سے عمر بھر کو چھوٹ جائیں گی۔ پہلے فرخ سے انکار ہوا، پھر ریاض اور ذکیہ کی نسبت نہیں ہوئی۔ ان دونوں باتوں ہی سے وہ بہت ناراض ہیں اگر یہ رشتہ بھی نہ ہوا تو وہ بالکل قطع تعلق کر لیں گی۔

ریاض۔ (ناگواری سے) خالہ جان تعلق رکھیں یا قطع کر لیں، خفا ہوں یا خوش ہوں بہر حال یہ رشتہ تو نہیں ہو سکتا۔ ہم ان کی خوشی کے لئے اپنی لڑکی کی ساری زندگی تو نہیں خراب کر سکتے؟

نسیمہ۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر میں آخر کیا کروں کس طرح ان سے کہوں۔

ریاض۔ آپ سارا الزام میرے اوپر رکھ دیجئے کہ اس کا بھائی خلاف ہے اور آپ کہتی گھبراتی ہیں تو میں کہے دیتا ہوں۔ اگر وہ بحث پر اتر آئیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔

نسیمہ۔ مگر اس طرح نہ کہنا کہ آپا اور زیادہ ناراض ہو جائیں۔

ریاض۔ اپنی طرف سے تو یہی کوشش کروں گا لیکن اس پر بھی وہ ناراض ہو جائیں تو میں مجبور ہوں۔

نسیمہ۔ بڑی مشکل ہے۔ تمھیں کوئی رشتہ پسند ہی نہیں آتا۔ فرحت، جمیل صغرا کے دیور سب میں عیب نکال دیئے۔ آخر سوچا کیا ہے؟

فرخ۔ اماں آپ گھبراتی کیوں ہیں۔ انشاء اللہ اور اچھے رشتے آئیں گے۔

نسیمہ۔ میری صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے سامنے عذرا اور ریاض دونوں کو اپنے گھر بار کا کردوں۔ ورنہ میرے بعد نہ جانے ان کا کیا حال ہو۔

فرخ۔ (بے تاب ہوکر) اماں خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔

ریاض۔ اماں آپ بے وجہ پریشان ہوتی ہیں۔ آپ تو انشاء اللہ تعالیٰ شمیم کی بھی شادی کریں گی۔

نسیمہ۔ ارے میاں یہ سب دل خوش کرنے کی باتیں ہیں۔

ریاض۔ اچھا یہ بتائیے انصار کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

فرخ۔ انصار؟ کیا ان کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے؟

نسیمہ۔ کیا حبیب نانا نے تم سے کچھ کہا؟

ریاض۔ جی نہیں۔ میں تو صرف آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ ممکن ہو تو انصار کو آپ پسند کریں گی؟

نسیمہ یہ سُن کر سوچ میں پڑ گئیں لیکن فرخ کے چہرے پر بشاشت آگئی اور وہ چپکے چپکے بھائی سے باتیں کرنے لگی۔

ریاض۔ اماں آپ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

نسیمہ۔ یوں تو انصار ہزاروں میں ایک لڑکا ہے مگر اس کی طبیعت میں ذرا خودسری اور ضد ہے۔ اب دیکھو اس نے نانا کو ناراض کر ہی دیا۔

فرخ۔ عیب سے بَری تو بس اللہ کی ذات ہے۔ کوئی نہ کوئی کمزوری تو ہر انسان میں ہوتی ہے۔

نسیمہ۔ حبیب نانا اس سے سخت ناراض ہیں اور کیا عجب ہے کہ جائداد سے بھی محروم کر دیں۔

ریاض۔ اماں وہ انصار کو محروم کر دیں تب بھی اس میں یہ صلاحیت اور قابلیت موجود ہے کہ وہ اتنا کما لے گا کہ اپنی بیوی کے ساتھ آرام سے گزارہ کر سکے۔ ہاں دولت نہیں ہوگی لیکن عذرا بہت مستغنی مزاج اور قانع لڑکی ہے وہ کبھی روپے کی ہوس نہ کرے گی۔

نسیمہ۔ مگر میاں لڑکی دیتے وقت ہر کوئی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ دے جہاں کچھ تھوڑی بہت جائداد وغیرہ ہو۔

فرخ۔ اماں آپ یہ بھی تو سوچیئے کہ عذرا کہاں خوش رہ سکے گی۔ دولت اور جائداد کو لے کر کیا کرے گی اگر مزاج نہ ملے۔

ریاض۔ اس کے اور انصار کے خیالات، مزاج، مذاق اور طبیعت بہت ملتی جلتی ہے۔

نسیمہ۔ تم دونوں بہن بھائی تو ایسی وکالت کر رہے ہو جیسے پیام آ ہی گیا ہے۔

ریاض۔ ہاں اماں انصار نے مجھ سے عذرا کے لئے درخواست کی ہے۔ یہ بات اس نے صاف صاف کہہ دی ہے کہ نانا ابا مجھے محروم کر چکے ہیں اور میری حیثیت بس یہی ہے کہ اپنے قوتِ بازو سے کچھ کما سکوں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انصار سے زیادہ قدر داں، چاہنے والا اور ہم مذاق دولہا عذرا کو نہیں مل سکتا۔

نسیمہ۔ (سوچ میں پڑ جاتی ہے) ابھی وہ نانا ابا سے ہاجرہ کے لئے سختی سے انکار کر چکا ہے۔ اب وہ سمجھیں گے کہ ہم نے ہی بہکا لیا تھا۔

فرخ۔ واہ ہم کیوں بہکاتے۔

نسیمہ۔ تم ابھی ناتجربہ کار ہو دنیا کی باتیں نہیں جانتیں۔ ایک حبیب نانا کیا سب یہی کہیں گے۔ سب سے پہلے تو تمھاری خالہ ہی کہیں گی کہ لڑکے کو بہکا سکھا کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا تاکہ لڑکا لڑکی دونوں اپنے ہاں بیاہیں اور جائداد پر قبضہ کر لیں۔

ریاض۔ افسوس ہے ایسے لوگوں کی زبان بند کرنے کا کوئی طریقہ آج تک ایجاد نہ ہو سکا۔ آپ کہاں تک ان جہلا کی باتوں کی پروا کریں گی۔ آپ تو مجھے یہ بتائیے کہ خود آپ اس رشتے کو پسند کریں گی یا نہیں؟

نسیمہ۔ میں پہلے تمھارے چچا سے مشورہ کر لوں پھر بتاؤں گی۔ یہ ضرور ہے کہ انصار بچپن سے میرے پاس رہا، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور مجھے اس سے ریاض کے برابر ہی محبت ہے مگر احسان اور حبیب نانا نے اس رشتے کو پسند نہ کیا تو میں بھی راضی نہ ہوں گی۔

یہ کہہ کر نسیمہ نماز کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

ریاض۔ ادھر آؤ فرخ ایک بات سُنو۔

فرخ۔ (پاس آکر) کہیئے۔
ریاض۔ میں چاہتا ہوں عذرا کا عندیہ بھی معلوم کیا جائے۔
فرخ۔ میرے خیال میں عذرا ناپسند نہیں کرے گی۔
ریاض۔ میں محض قیاسات سے کام لینا نہیں چاہتا۔
فرخ۔ بھائی جان وہ بڑی گھنّی ہے اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔
ریاض۔ ایک تو میری خود یہ رائے ہے کہ لڑکی کو اپنے شوہر کے انتخاب کا ورنہ کم از کم اپنی پسند اور ناپسندیدگی کے اظہار کا پورا موقع دیا جائے دوسرے انصار کا اصرار ہے کہ عذرا سے صاف صاف دریافت کر لیا جائے کہ وہ اس رشتے کو دل سے پسند کرتی ہے یا نہیں۔ یہ بات تم کسی نہ کسی طرح عذرا سے پوچھ کر بتاؤ۔
فرخ۔ یہ میرے بس کا کام نہیں (مُسکرا کر) اسے تو ہاجرہ، وہ تو بہ، دلھن بھابی ہی کر سکتی ہیں، عذرا کی صرف ان سے ایسی بے تکلفی اور گہری دوستی ہے کہ دل کا حال بتا دے۔
ریاض۔ (مُسکرا کر) تو یوں کہو کہ ابھی دو مہینے تک انتظار کرنا پڑے گا تب عذرا کی رائے معلوم ہو سکے گی۔
فرخ۔ جی ہاں۔
عذرا مُسکراتی ہوئی اوپر سے آئی اور بولی کیا باتیں ہو رہی تھیں۔
ریاض۔ تمھارا ہی ذکر تھا۔ بڑی عمر ہے ذکر کے ساتھ آ پہنچیں۔
عذرا ریاض کے پاس بیٹھ گئی۔ ریاض نے کہا "ایک بات پوچھیں بتاؤ گی؟"
فرخ نے حیرت سے بھائی کی طرف دیکھا اور یہ سمجھ کر سہم گئی کہ بھائی جان خود

عذرا سے اس کی رائے دریافت کریں گے۔ ریاض مسکرائے۔ عذرا نے کہا "پوچھئے"۔

ریاض۔ تمہاری اور ہاجرہ کی بہت گہری دوستی ہے نا؟

عذرا۔ کیا آپ کو اس میں شبہ ہے؟

ریاض۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے دل کے حال سے واقف ہو گی۔

عذرا۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہیں۔

ریاض۔ تو سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری دوست اس رشتے کو پسند کرتی ہے؟

عذرا جواب دینے میں ہچکچائی۔

ریاض۔ راز داری کی شرط نہیں۔ میرا اصول یہ ہے کہ شادی ہمیشہ لڑکے لڑکی کی پسند سے ہونی چاہیئے۔ ہاجرہ کی رائے معلوم نہ ہو سکی تو مجھے اطمینان نہ ہو گا۔

عذرا۔ اچھا میں صرف آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ باجی تم یہاں سے چلی جاؤ۔

فرخ۔ بڑی اترائیں۔ میں کیوں چلی جاؤں۔ بڑی آئیں بھائی بھاوج کی راز دار۔

ریاض۔ کہہ بھی دو عذرا۔ یہ بھی تو اپنی ہی ہیں۔

فرخ۔ بھائی جان نے اور اسے سر پہ چڑھا لیا ہے۔

عذرا۔ اپنی کہاں ہیں۔ یہ تو خان بہادر کے خاندان کی ہیں۔

فرخ۔ جیسے تم اپنی سسرال کی بن جاؤ گی۔

ریاض۔ ہاں عذرا بتاؤ پھر۔

عذرا۔ (مسکراکر) دوست کا راز ظاہر تو نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر خیر جانیئے آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی سخی ....

فرخ۔ تو بس اب اتنا نہ اِتراؤ۔

ریاض۔ ہاں ہاں کہو۔

عذرا۔ (سنجیدگی سے) میرا اندازہ تو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سے ہاجرہ کو پسند ہیں۔ جب آپ ولایت سِدھارے ہیں تو اس پر بہت زیادہ اثر تھا۔ اور جب آپ کے آنے کی خبر سُنی تو کیا بتاؤں وہ کیسی خوش تھی اور اگرچہ وہ خود اچھی طرح اس بات کو نہیں سمجھتی تھی مگر اسے مُدّت سے آپ سے ـــ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کو ....

ریاض۔ (مُسکراکر) چاہتی تھی؟

عذرا۔ (سر جُھکا کر) جی ہاں۔ تب ہی تو وہ انصار ماموں کو ناپسند کرتی تھی۔

ریاض۔ کیا انصار ہاجرہ کو ناپسند تھے؟

عذرا۔ جب حبیب نانا اور انصار ماموں کا جھگڑا ہوا تو میں نے ہاجرہ سے پوچھا تھا۔ اس نے کہا یوں وہ میرے بھائی ہیں مجھے ان سے بہت محبت ہے لیکن کسی اور رشتہ کے لئے میں ہرگز تیار نہیں ـــ کیونکہ ـــ کیونکہ ـــ

ریاض۔ کیونکہ؟

عذرا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شادی کے لئے دوسری قسم کے سیرت کے آدمی کو پسند کرتی ہے۔

ریاض۔ تو تمھارا خیال یہ ہے کہ وہ مجھے پسند کرسکتی ہے۔

عذرا۔ صرف خیال نہیں بلکہ یقین ہے، اور وہ آپ کو صرف پسند نہیں کرتی بلکہ —— آپ کی پرستش کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سب سے پہلے میں اس رشتے کی مخالفت کرتی۔

ریاض پر یہ سُن کر ایک خاص اثر ہوا اور ان کا چہرہ چمکنے لگا۔

فرخ۔ عذرا یہ تم نے اپنے دوست سے غدّاری کی۔

ریاض۔ (مسکرا کر) نہیں بھئی غدّاری نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھا کیا، کیونکہ اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا تو ممکن ہے میں شادی سے انکار کر دیتا۔

عذرا۔ بات تو ٹھیک ہے مجھے کہنا نہیں چاہیئے تھا۔ بھائی جان یہ بات سوا آپ کے اور باجی کے کسی تیسرے کے کان میں نہ پہنچے۔ اور ہاجرہ سے تو ہرگز نہ کہیئے گا۔ وہ مجھے مار ڈالے گی۔

ریاض مسکرائے جُھک کر بہن کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا خیر فکر نہ کرو ہم بچالیں گے۔

بیسواں باب

آج ریاض کی شادی کی گھما گھمی ہے۔ کمرے اور دالان میں فرش پر گاؤ تکیوں سے لگی بیویوں کی متعدد ٹولیاں باتوں میں مشغول ہیں۔ دوسروں کی عیب جوئی، لڑکیوں پر اعتراض، اپنی تعریفیں، پان چھالیہ کھانے وغیرہ میں برائیاں نکالنے، دوسروں کے کپڑوں پر فقرے کسنے اور ایک دوسرے کے زیورات اور ملبوسات کے متعلق استفسارات وغیرہ قسم کے مفید اور ضروری موضوع زیرِ بحث ہیں۔ بچوں کی گریہ وزاری اور ماؤں کی ڈانٹ پھٹکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ زیوروں کی جھنکار گونج رہی ہے۔ مسز نعیم کے دونوں طرف ان کی لڑکیاں قیمتی ساڑیوں اور جڑاؤ زیوروں میں جگمگا رہی ہیں۔ اندر سہ دری میں فرخ، صغرا اور نجمہ (جس کی اسی مہینے شادی ہوئی ہے)

اپنی اپنی بری کے بھاری جوڑے پہنے بناؤ سنگار میں مصروف ہیں۔ فرخ پاؤڈر اور سُرخی کے بعد آنکھوں میں کاجل لگا رہی ہے صغرا کانوں میں جڑاؤ بالی پتے پہننے کی کوشش کر رہی ہے۔ باریک سوراخ ہونے کی وجہ سے کان کی لَو اور مُنہ دونوں سرخ ہو گئے ہیں۔ سب سے زیادہ بھاری جوڑا نجمہ کا ہے۔ تین تھان کا چھبیس کلی کا زربفت کا فرشی پائچوں کا پاجامہ، کارچوبی کام سے لِپا ہوا دوپٹہ اور کرتی سر پر جھومر، کانوں میں لمبی لمبی جھلنیاں، ناک میں بھاری سی نتھ پور پور چھلّے، پاؤں میں چار چار زیور۔ بچاری لڑکی کو ہلنا دشوار ہے۔

نجمہ۔ فرخ تم نے جھومر کیوں نہیں لگایا اور کانوں میں بھی یہ ہلکے بندے پہنے ہیں۔ بھئی یہ بات نہیں۔ جھلنیاں پہنو۔

فرخ۔ اے بہن میں بڈھی ہوئی کیا اچھی لگوں گی۔ اب تمھارے پہننے اوڑھنے کے دن ہیں۔

نجمہ۔ اللہ رے آپ کا بڑھاپا۔ کیوں نانی اماں غدر میں آپ کی کیا عمر تھی؟

فرخ۔ (ہنس کر) پندرہ برس۔

صغرا۔ فرخ باجی آپ جھومر نہیں لگائیں گی تو میں بھی نہیں لگا سکتی اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے جھومر کتنا پسند ہے۔

فرخ۔ تم شوق سے لگاؤ۔ کون منع کرتا ہے۔ پر مجھے اب شرم آتی ہے۔

نجمہ۔ آج بھی نہ لگاؤ گی تو کیا شمیم کے بیاہ میں جھومر لگا کر سمدھنوں میں جاؤ گی؟

نسیمہ خاتون۔ (باہر سے) لڑکیو! باہر آؤ بری آنے والی ہے۔

(اندر آ کر) تم لوگ اب تک تیار نہیں ہوئیں۔
نجمہ۔ چچی اماں دیکھئے صغرا اور فرخ جھومر نہیں لگاتیں۔ فرخ کہتی ہیں میں بڈھی ہو گئی۔
نسیمہ۔ لڑکی ہوش کی دوا کر۔ خدا کا شکر نہیں ادا کرتی کہ اس نے یہ دن دکھایا کہ بھائی کو بیاہنے جا رہی ہے۔ آج بھی پورا زیور نہ پہنو گی تو پھر کب پہنو گی۔ چلو تم دونوں اٹھو نکالو جھومر اور نتھ۔
صغرا۔ نتھ بھی؟ نہیں چچی اماں نتھ سے تو شرم آئے گی اور بُری بھی لگتی ہے۔
نسیمہ۔ اللہ نہ کرے بُری کیوں لگنے لگی۔ اور فرخ تم بھی چاند پتے، جھومر اور نتھ پہنو۔ یہ فیشن کے زیور اپنی نند کے بیاہ میں پہننا — اور جلدی سے تم دونوں باہر آؤ — آخر سمدھنیں کب جانا شروع ہونگی؟
نسیمہ کے جانے کے بعد نجمہ خوب ہنسی دیکھا کیسی ڈانٹ پڑی۔
اب پہنئے سیدھی طرح سب بھاری چیزیں۔
صغرا اور فرخ نے جھومر لگائے، سی سی کر کے نتھیں پہنیں اور بن ٹھن کر لجاتی ہوئی باہر نکلیں۔ نجمہ کو ایک چھوکری گود میں اُٹھا کر باہر لائی۔ رضیہ اور یاسمین ان تینوں کو دیکھ کر مسکرائیں۔
رضیہ۔ واہ بھابی واہ تم نے بھی ان لوگوں کی ریس میں اپنی گت بنا ڈالی۔
مسز نعیم۔ گت کیسی! خیر سے بھائی کا بیاہ ہے۔ بھاری جوڑے اور بھاری زیور ہوتا ہی اس لئے ہے کہ شادی بیاہ میں پہنا جائے۔ دلھن تم نے بہت اچھا کیا پہن لیا۔
فرخ۔ خالہ جان میں تو نہیں پہن رہی تھی مگر اماں کا حکم تھا اس لئے پہننا پڑا۔

یاسمین۔ مگر ہماری بھابی ماشاءاللہ اس دھج میں بھی پیاری لگتی ہیں۔ بس عین مین ملکہ نور جہاں معلوم ہوتی ہیں۔

فرخ۔ (شرما کر) لو بس بناؤ نہیں۔

رضیہ۔ اس میں تو شک نہیں کہ ہماری بھابی کی صورت سب سے زیادہ پیاری ہے۔

فرخ۔ مجھے تو اپنی بھاوج اچھی لگتی ہے۔ تمھاری بھاوج کی سی بھونڈی صورت نہیں۔

رضیہ۔ جی ذرا دل سے پوچھئے۔

یاسمین۔ یا آئینہ سے۔

رضیہ۔ اور بھائی جان سے!

عذرا صبح سے کام میں بے حد مصروف تھی۔ کسی کام سے دالان میں آئی تو ان تینوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ "ماشاءاللہ بیگمات ٹھاٹ سے بیٹھی ہیں۔ باندیاں، چھوکریاں، کام کرتی پھر رہی ہیں۔" فرخ اور صغرا شرمندہ ہوگئیں۔ "ہاں بھئی معاف کرو کپڑے بدلنے میں دیر ہو گئی۔ سارا کام تم پر پڑ گیا۔ چلو اب تم جا کر کپڑے بدلو جو کام ہوگا ہم دیکھ لیں گے۔"

عذرا۔ اس زیور اور لباس میں آپ کام کے قابل رہ بھی گئی ہیں؟ معاف کیجئے آپ جا کر اپنی ساسوں کے پہلوؤں میں جلوہ افروز ہو جائیے کام سب ہو جائے گا۔

فرخ۔ بس دینے لگی طعنے ـــ اللہ وہ دن کرے کہ تم اسی طرح کاہل بن کر بیٹھو اور میں کام کروں۔

صغرا۔ آمین ثم آمین۔

عذرا۔ ایک بچاری لومڑی کی کہیں دُم کٹ گئی تھی اس نے خدا سے دعا کی یا اللہ سب لومڑیاں لنڈوری ہو جائیں۔
صغرا۔ وہ تو ایک دن ہو گی ہی۔ اچھا جاؤ جلدی سے کپڑے بدل آؤ آج بھی یہ سوتی کپڑے پہنے پھر رہی ہو شرم نہیں آتی۔
عذرا۔ شرم کی کیا بات ہے سب سے زیادہ آرام دہ اور عمدہ لباس تو یہی ہے۔
فرخ۔ اچھا بس قابلیت نہ چھانٹو۔ برّی آنے والی ہے۔ اس کے فوراً بعد سمدھنیں جانا شروع ہو جائیں گی تم ابھی تک یونہی سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی ہو۔
عذرا۔ میں کپڑے وپڑے نہیں بدلتی۔ خالہ جان کہہ رہی ہیں لڑکیاں سمدھنوں میں نہیں جایا کرتیں۔ انھیں تو گھٹ کر مر جانا چاہیے۔
فرخ۔ واہ بڑی آئیں خالہ جان کہنے دو اُنھیں۔
عذرا۔ ایک تو ہمارے بھائی۔ کب سے ان کے بیاہ کا ارمان دل میں تھا اور اب یوں ہر بات میں بھانجی مارنی جاتی ہے۔
فرخ۔ تم کیوں خواہ مخواہ اپنا دل کڑھا رہی ہو۔ تم ضرور جاؤ گی اور تم دونوں نہ گئیں تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔ سیّدہ کہاں گئی؟
عذرا۔ سیّدہ کو انھوں نے منع تھوڑا ہی کیا ہے۔ مجھے اور ذکیہ کو کہا ہے۔
صغرا۔ تم پر ان کا کوئی زور نہیں۔ ذکیہ کو نہ جانے دیں۔
فرخ۔ ذکیہ بچاری کو تو ان کا بس چلے تو گھونٹ کر مار دیں۔
سامنے کی سہ دری سے سیّدہ باہر آئی۔ گلنار ریشم کا دوپٹہ، قمیص سفید سلک کی شلوار، پاؤں میں ریاض کے لائے ہوئے اونچی

ایڑی کے جوتے۔ ہلکا ہلکا زیور، ہاتھوں میں مہندی، اس کا سفید رنگ دوپٹے کے عکس سے جگمگا اٹھا تھا۔ بہنیں دیکھ کر مسکرائیں اور صغرا نے گلے سے لپٹا کر پیار کیا۔

فرخ نے زبردستی عذرا کو کوٹھری میں ڈھکیلا کہ جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ۔ وہ اُدھر گئی اِدھر بری آگئی۔ ایک جوڑا مع اور سب سامان کے دولہا کا اور تیس جوڑے مردانے زنانے پہناؤنی کے۔ سب بیویاں دیکھنے کے لئے ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔

نسیمہ۔ فرخ یہ سب سامان نکال لو اور دلھن کے جوڑے اور بری کا میوہ ان ہی خوانوں میں رکھ دو تاکہ بری جلدی سے چلی جائے۔

فرخ کے ساتھ صغرا، ذکیہ اور یاسمین وغیرہ لگ گئیں کھیلوں بتاشوں سے بھرے ہوئے جھوٹے میں دلھن کا ریت کا جوڑا جو سُرخ ٹول کا تھا، اس کے اوپر بھاری جوڑا، سُرخ جالی کا کارچوبی دوپٹہ۔ سُرخ بنارسی قمیص اور زربفت کا غرارہ، رومال، چوٹی، ازاربند موزے، بنیان وغیرہ جو سب سُرخ ریشمی تھے، چاندی کی سرمہ دانی تیل کی کٹوری، کنگھی، عطردانی، دہلی کی سُرخ مخمل کی جوتی میں عطر کی شیشی اور مسّی کی پڑیا۔ بہنوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا کارچوبی سہاگ پڑا اور سوا من بری کا میوہ متعدد خوانوں میں سجایا گیا۔ ایک مخملی ڈبہ میں سچے موتیوں کی نتھ، سُرخ نگ کی انگوٹھی اور سونے کی اکیس ٹکلی کی سراسری۔

عذرا نے اندر جاکر کاسنی ساٹن کا غرارہ، دھانی ریشمی قمیص دوپٹہ پہنا جس پر سلمہ ستارہ کا کام خود اس نے اپنے ہاتھ

سے بنایا تھا۔ ہاتھوں میں کڑے اور چوہے دنتیاں، کانوں میں کرن پھول جھمکے گلے میں گلوبند اور چمپا کلی، پاؤں میں نئی وضع کی چاندی کی سبک پازیب اور سفید سینڈل پہنے، چہرے پہ کریم ملی آنکھوں میں سُرمہ لگایا، سیدھی مانگ نکال کر چوٹی گوندھی جس میں کلا بتون کی بڑوں کی سیاہ چوٹی ڈالی اور آئینہ میں ذرا پسندیدگی کی نظر سے اپنے کو دیکھا، کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور بری جانے کا شور سُن کر جلدی سے باہر نکل آئی اور عورتوں کے مجمع کو چیر کر اندر گھس کر سجی سجائی بری دیکھنے لگی۔ نسیمہ پسینے میں شرابور انتظام میں پھر رہی تھیں۔ فرخ اور صغرا عذرا کو دیکھ کر مسکرائیں اور آنکھ ماری عذرا جھیپ گئی۔

نسیمہ۔ لڑکیو! اب تم سب تیار ہو چکیں۔ جاؤ چچا جان سے کہو ریاض میاں کو دولھا بنائیں تاکہ سویرے سویرے برات چلی جائے۔

عذرا نے جا کر چچا سے کہا وہ آکر سب سامان باہر لوا لے گئے۔ نائی نے ریاض کو بری کا جوڑا پہنایا۔ اعلےٰ درجہ کا لٹھے کا آڑا پاجامہ، عمدہ سلک کی فیروزی قمیص، زربفت کی شیروانی، بنارسی صافہ، بنارسی دوپٹہ کمر میں بندھا ہوا۔ ہاتھ میں ریشمی رومال، پاؤں میں ڈیلی کی جوتی۔

شور ہوا کہ دولھا اندر آرہا ہے۔ پردے والیاں آڑ میں ہو کر جھانکنے لگیں، ریاض، محمد احسان، اصغر، نسیم، جمیل وغیرہ کے ساتھ اندر آئے۔ عذرا اور فرخ دروازے سے بھائی کے سر پہ آنچل ڈال کر لائیں اور دالان میں فرش پہ کھڑا کر دیا۔ ماں، خالہ، چچی بہنوں نے آکر سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر صدقہ اتارا۔

نسیمہ۔ لڑکیو! بسم اللہ کرو اور بھائی کے سہرا باندھو۔

محمدی بیگم۔ اسے نہیں سہرا بہنوئی باندھے گا۔
سُنہرا سہرا دُلھن کے ہاں سے آیا تھا، پھولوں کا بہنوں نے خود گوندھا تھا۔ نسیم نے سہرا ہاتھ میں اُٹھایا۔ سب بہنوں نے باری باری اسے ہاتھ لگایا۔ نسیم سہرا باندھنے کو تھے کہ فرخ نے روک دیا۔ اے یوں نہیں پہلے نیگ تو لے لو۔ ساری لڑکیاں نسیم کے سر ہو گئیں کہ نیگ لائیے نیگ دلوائیے۔ نسیم نے کہا احسان ریاض کے باپ ہیں وہ دیں گے۔
اب سب کی سب خصوصاً سیّدہ اور صغرا احسان سے جھگڑنے لگیں انھوں نے پچاس روپے نکال کر دیئے۔ سب کی سب چیخ اٹھیں۔ دولھا بھائی ہرگز نہ لینا۔ واہ بس پچاس روپے، ہم سب میں تو یہ چٹنی ہو جائیں گے اپنا حق مانگ رہے ہیں خیرات نہیں، محمد احسان مُسکرا مُسکرا کر دو دو چار چار روپے بڑھاتے رہے اور لڑکیاں جھگڑتی رہیں۔ جیسے ہی نسیم سہرا باندھنے کو ہاتھ بڑھاتے عذرا اور صغرا ہاتھ پکڑ لیتیں۔ آخر میں سو روپے پر سمجھوتہ ہوا۔ محمد احسان نے ہنس کر کہا اچھا لو میرے بچّے کا صدقہ، فرخ نے ہنس کر کہا خیر ہم بھائی جان کا صدقہ بھی لینے کو تیار ہیں۔ نسیم نے سہرا باندھا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور ہونے لگا ڈومنیاں پہلے ہی سے سہرا گا رہی تھیں۔ نسیمہ نے آگے بڑھ کر سر سے پیر تک بیٹے کی بلائیں لیں اور کلیجہ سے لگا لیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ریاض جو پہلے ہی سے بہت متاثر تھے بے اختیار رونے لگے۔ عذرا فرخ اور سیدہ کی تو ہچکی بندھ گئی۔ اور سب لوگ بھی آب دیدہ ہو گئے۔ محمد احسان پر بھی بہت اثر تھا۔ مگر انھوں نے بہت ضبط سے کام لیا اور نسیمہ سے کہا" بھابی اب اجازت دیجئے کہ ریاض

باہر جائے اور بارات روانہ ہو۔" نسیمہ نے آنسو پونچھ کر کہا " جاؤ سدھارو"
ریاض نے فرخ اور عذرا کو پاس بُلا کر گلے سے لگایا۔ سیدہ کو پیار کیا تھوڑی
دیر بعد برات روانہ ہو گئی۔ دولہا سجے سجائے گھوڑے پر سوار اور باقی
سب براتی پیدل۔ تھوڑا سا چل کر کھاکر حبیب الٰہی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔
سمدھنیں روانہ ہونے لگیں۔ باوجود سب کے اصرار کے جمیلہ خاتون
نہ خود گئیں نہ ذکیہ کو جانے دیا۔ نسیمہ کو بہت رنج ہوا مگر وہ بہن کو راضی نہ کر سکیں۔
ہاجرہ کی خالہ، ممانی اور ان کی بہو اور بیٹی اور بعض اور رشتے کی عورتیں
آئی ہوئی تھیں۔ قاعدے کے مطابق سمدھنوں کی پیشوائی کی گئی ڈومنیوں
نے گالیاں دینی شروع کیں تو نسیمہ نے روک دیا کہ تمھارا حق تمھیں مل
جائے گا۔ بے ہودہ بکواس کی ضرورت نہیں لڑکیاں میرے ساتھ ہیں
انھوں نے منھ تو بہت بنایا مگر نسیمہ کا رُعب اس قدر تھا کہ ان کا حکم
نہ ٹال سکیں۔
مغرب عشا کے درمیان عقد ہوا۔ مہر پر ہاجرہ کی خالہ وغیرہ نے
بہت شور مچایا کہ دس ہزار کیوں بندھے اس کی ماں کا سوا لاکھ تھا اتنا
ہی بندھنا چاہیئے مگر حبیب الٰہی صاحب نے ڈانٹ دیا کہ میرا جتنا جی
چاہے گا بندھواؤں گا۔ رات کو دولہا اور اس کے دو چار دوست
دلھن کے یہاں رہے باقی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔
عقد سے فراغت پا کر لوگ اپنے اپنے مقام پر سو رہے۔ ہاجرہ
نکاح کا سُرخ جوڑا پہنے چاروں ہاتھ پاؤں میں مہندی، ناک میں نتھ
سُرخ رومال سے منھ چھپائے مسہری پر آب دیدہ و افسردہ لیٹی ہوئی
تھی۔ کوئی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ ہاجرہ چونک پڑی۔ ذرا سا

پلّو اُٹھا کر دیکھا مگر اندھیرے میں پہچان نہ سکی۔ گھبرا کر اُٹھ بیٹھیں۔ آنے والا آڑ میں ہوگیا۔ ہاجرہ سمجھی کہ محض اس کا وہم تھا۔ اس نے ہاتھ پاؤں کا تکلیف دہ زیور اتار کر سرہانے رکھا اور ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرنے لگی کہ کسی نے پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کرلیں۔ ہاجرہ نے ہاتھ ہٹانا چاہا تو دوسرا ہاتھ اس کے گلے میں ڈال دیا۔ ہاجرہ کے منہ سے دبی چیخ نکلی اور اس نے زور لگا کر ہاتھ ہٹا دیا تو دیکھا۔ عذرا کھڑی مسکرا رہی ہے۔ ہاجرہ جلدی سے جھک گئی اور منہ چھپا لیا۔ عذرا ہاجرہ سے لپٹ کر اس سے لڑنے لگی۔

"بڑی بچاری شرم والی۔ بس ساری شرم مجھی سے رہ گئی۔ میں بس نند ہی تو ہوں اور تو کوئی واسطہ نہیں؟ اچھا دیکھیں گے۔ یہ شرم بھائی جان کے لئے اٹھا رکھو" ہاجرہ اور زیادہ جھک گئی۔ عذرا نے خفا ہو کر کہا "اچھا نہ بولو — میں جاتی ہوں۔ ہاں ہاں اب مجھ سے کیوں بولو گی — اب تو بھائی جان مل گئے نا؟" یہ کہہ کر عذرا اُٹھنے لگی تو ہاجرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر جو ہاجرہ نے منہ چھپانا چاہا تو عذرا نے اسے گدگدا گدگدا کر بے دم کر دیا۔ ذرا دیر میں ساری رسمی شرم ختم ہوگئی اور پھر وہی عذرا اور ہاجرہ ایک جان دو قالب دوست ہوگئیں۔ صبح کو ہاجرہ کی بھاوج اور خالہ جب اسے اٹھانے کے لئے آئیں تو یہ دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبا لی کہ دلہن اپنی نند کے گلے میں باہیں ڈالے سو رہی ہے اور عذرا کا سر اسکے سینے پر ہے — توبہ توبہ آج کل کی لڑکیوں کی شرم غیرت بالکل اڑ گئی دو دن بھی دلھن بن کر شرم نہیں کی جاتی۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر جہیز باہر نکلا۔ بہت قیمتی اور عمدہ جوڑے اور زیور دیا گیا تھا اور دنیا بھر کا گھرداری کا ساز و سامان تھا۔ جہیز کا

چھیڑ کھوٹ باہر بچھا یا گیا۔ ہاجرہ ابھی کمرے ہی میں تھی کہ انصار کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ انصار لٹھے کا آڑا پاجامہ اور حیدر آبادی حاشیہ دار کی شیروانی پہنے کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازے پر سیّدہ سے مڈبھیڑ ہوئی "اوہو بی سیدہ آج تو بڑے ٹھاٹ ہیں پرستان کی پری لگ رہی ہو" سیّدہ شرما گئی" انصار ماموں آپ چھیڑا نہ کیجئے۔"

ہاجرہ سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی تھی اور اس کے برابر عذرا بیٹھی ہوئی تھی۔ انصار کی نظر منٹ بھر کے لئے عذرا کے چہرے پر جم کر رہ گئی۔ عذرا کی پیشانی پر پسینہ موتیوں کی طرح چمکنے لگا۔

انصار۔ آہا عذرا آپ تو آج کئی دن میں نظر آئیں۔

عذرا۔ آپ ہمارے ہاں آئے ہی نہیں تو نظر کیسے آتی۔

انصار۔ مجھے آج شبہ ہو رہا ہے کہ میں دھوکے سے کسی پرستان میں تو نہیں آگیا جو ہے وہ رشکِ ______

عذرا۔ (بات کاٹ کر) بس رہنے دیجئے جانتے ہیں آپ کی لسانی کو۔

انصار۔ آج تو دماغ عرشِ معلےٰ پر ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔

عذرا۔ (ناز سے) کیوں نہ ہو۔ جسے دنیا کی سب سے قیمتی اور پیاری چیز ملی اس کا دماغ عرشِ معلےٰ پر کیوں نہ ہو اپنی اپنی قسمت ہے۔

انصار۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ ہمارے خاندان کا قیمتی ہیرا لئے جا رہی ہو۔ جتنا بھی غرور کرو کم ہے۔ رہے کنکر پتھر، ان کو کون پوچھتا ہے۔

عذرا نے ہاجرہ کے گھونگٹ میں منہ ڈال کہا "سن رہی ہو دلہن اپنے بھائی کی لسانی۔"

انصار۔ ہاجرہ یہ تمھاری دوست خواہ مخواہ مجھ سے جلی کٹی کر رہی ہیں۔ ہم بقول بڑی بوڑھیوں کے اپنے جگر کا ٹکڑا ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ انھیں ہم سے ہمدردی اور ہمارے دل کی حالت کا احساس ہونا چاہیئے تھا۔

عذرا۔ (چشم نیم باز سے انصار کی طرف دیکھ کر) یہ تم نے کیسے سمجھا کہ ہمیں اس کا احساس نہیں؟

فرخ اور سیدہ کمرے میں آئیں تو دیکھا انصار پیار سے ہاجرہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں "ہاجرہ میری پیاری بہن خدا تمھیں خوش و خرم رکھے۔ میرا دنیا میں اب سوا تمھارے اور کون ہے نانا ابا مجھ سے بیزار ہو چکے ہیں۔ میں چند دن بعد تم سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ نہ جانے پھر کب ملنا ہو مگر مجھے یہ خوشی رہے گی کہ وطن میں کم سے کم میری ایک بہن مجھے یاد کرنے والی موجود ہے۔ نئی زندگی کی دلچسپیوں میں کہیں مجھے بھلا تو نہ دو گی؟"

ہاجرہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کبھی کبھی سسکی بھی نکل جاتی تھی۔

فرخ۔ (بات کا رخ بدلنے کے لئے) عذرا تم نے سنا انصار بھائی کیا کہہ رہے ہیں۔

عذرا۔ جی؟ کیا؟

فرخ۔ کہتے ہیں دنیا میں صرف ایک ہاجرہ میری عزیز ہے۔ ہم سب نے جو ہمیشہ ان پر جان دی انھیں بھائی جان کے برابر سمجھا۔ اماں انھیں بیٹے کی طرح چاہتی ہیں وہ کچھ بھی نہیں۔ یہ ہمیں غیر ہی سمجھتے ہیں۔

انصار۔ (شرمندہ ہو کر) تم نے تو خواہ مخواہ بات پکڑ لی میرا یہ مطلب تو نہ تھا۔

فرخ۔ اور کیا مطلب تھا؟ آپ سدھار جائیں گے تو سوا ہاجرہ کے آپ کو کوئی یاد نہ کرے گا؟

انصار۔ اندیشہ تو یہی ہے۔

فرخ۔ جیسے خود آپ ہیں۔

عذرا۔ اور کیا انسان اپنا جیسا دوسروں کو بھی سمجھتا ہے۔

انصار نے دبی نظر سے عذرا کی طرف دیکھا "کیا واقعی تمھیں ــــ آپ لوگوں کو یاد آؤں گا؟ پھر تو میں بڑا خوش قسمت ہوں۔" عذرا نے کچھ جواب نہ دیا ــــ فرخ ہنسنے لگی۔ ہاجرہ مسکرائی۔ باہر سے شور ہوا کہ دلہن کو باہر لاؤ۔ فرخ نے گود میں اٹھا کر ہاجرہ کو باہر چھپر کھٹ پر لا کر بٹھا دیا۔ باہر سے حبیب الٰہی ریاض اور انصار اندر آئے۔ ریاض بری کا جوڑا پہنے تھے اور سہرے کی لڑیاں صافے پر لپیٹ دی گئی تھیں۔ حبیب الٰہی لکڑی کے سہارے اندر آئے۔ ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ ہاجرہ کے پاس بیٹھ کر انھوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور رُک رُک کر کانپتی آواز میں بولے "بیٹی جاؤ اپنے گھر سدھارو۔ خدا تمھیں شاد آباد رکھے۔ تم سدھار جاؤ گی اور اپنے بڈھے باپ کو اکیلا چھوڑ جاؤ گی....... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اکیلی نہیں بلکہ سارا خاندان ــــ جو بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔ مجھ سے بچھڑ رہا ہے۔ تم مجھے اپنی ماں اور باپ، اپنے چچا اور پھوپی سب کا بدل تھیں آج تمھارا دادا دنیا میں اکیلا رہ گیا ــــ مگر خدا تمھیں اور تمھارے دولھا کو زندہ سلامت رکھے ــــ میں اسی میں خوش ہوں۔" ہاجرہ کا سر دادا کی گود میں رکھا تھا۔ باوجود ضبط کی کوشش کے اس کی چیخیں نکل گئیں ــــ

کھڑے بیٹھے سب لوگ رو رہے تھے۔ ریاض کی آنکھوں میں بھی آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ڈومنیاں اپنا فرسودہ مگر پُر اثر گیت "کاہے کو بیاہی بدیس رے لکھی بابل مورے" الاپ رہی تھیں۔ حبیب الٰہی صاحب کی دُھندلی بوڑھی آنکھوں سے ہاجرہ کے سر پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی جس کی خنکی اور اثر اس کے زرّیں دوپٹے اور معطر بالوں کے علاوہ اس کے دل تک پہنچ رہا تھا۔

نسیمہ نے آگے بڑھ کر کہا "نانا ابا آپ کیوں دل بھاری کرتے ہیں۔ ہاجرہ کیا کہیں دور جا رہی ہے۔ ریاض آپ کا بیٹا ہے۔ میں نے تو بیٹا دے کر بیٹی لی ہے۔ دیکھئے تو بچی کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اسے تسلی دیجئے اور رخصت کی اجازت مرحمت فرمایئے"۔ حبیب الٰہی صاحب نے ہاجرہ کے سر کو پیار کیا اور زبردستی کی ہنسی ہنس کر کہا: "بیٹی دل بھاری نہ کرو۔ اچھا میری جان اب سدھارو۔ خدا کی حفظ و امان میں دیا"۔

ریاض کی نظر انصار پر پڑی جو ایک ستون سے لگے آنکھوں پر رومال رکھے ہچکیاں لے رہے تھے۔ اس سے تھوڑی دور عذرا کھڑی ہوئی پریشان نظروں سے کبھی انصار اور کبھی ہاجرہ کو دیکھ رہی تھی۔ ریاض نے انصار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "واہ میاں —— لڑکیوں کی طرح رونا دھونا شروع کر دیا۔ بھئی مرد بنو یہ کیا حماقت ہے۔ دیکھو لڑکیاں تمھیں روتا دیکھ کر بے قرار ہو رہی ہیں"۔ انصار سنبھلے ریاض ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے۔

دروازے سے پالکی لگی ہوئی تھی۔ سب سے ملنے کے بعد ہاجرہ کو

گود میں اٹھا کر پالکی میں بٹھایا گیا اس کی گود میں کلام مجید رکھا، اور محمدی بیگم اور فرخ اس کے پاس بیٹھیں۔ محمدی بیگم کھچڑی بالوں پہ لال دوپٹہ اوڑھے تھیں اور پوپلے منہ پہ بڑی سی نتھ تھی۔ (بچاری کے دانت وقت سے پہلے ٹوٹ گئے تھے مگر دولھن کے ساتھ جانے والی کو نتھ پہننی ضروری ہے) دولھن کو مسجد امام باڑے میں سلام کرایا گیا۔ گشت کرتے کراتے ایک بجے کے بعد دولہن کی پالکی سسرال پہنچی

اگلے دن صبح کے وقت بڑے دالان میں دری اور چاندنی کے فرش پر ہاجرہ کے جہیز کی کار چوبی مسند بچھی ہوئی تھی جس پہ ہاجرہ بری کا بھاری جوڑا پہنے سر جھکائے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کا سر فرخ کے گھٹنے پر تھا جو سب کو منہ دکھا رہی تھی۔ پہلے مردوں نے منہ دیکھا۔ جب وہ باہر چلے گئے تو عورتوں نے دیکھنا شروع کیا۔ نسیمہ نے جھومر، جمیلہ نے جگنی، فرخ نے لاکٹ، بنّے نے انگوٹھی اور چوڑیوں کا پورا سٹ منہ دکھائی میں دیا۔ سیدہ نے انگوٹھی اور باقی سب نے روپے دیئے اصغر نے چاندی کا عطردان تحفہ میں دیا۔ کئی گھنٹے کے بعد منہ دکھائی کا جھگڑا ختم ہوا۔ ہاجرہ کی خالہ ممانی اور رشتے کی کئی عورتیں اور انصار اسے لینے آئے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ ہاجرہ کو لے کر چلے گئے۔ ریاض بھی دولھن کے ساتھ گئے۔

دُلہن کے جانے کے بعد فرخ کو خیال آیا کہ بڑی دیر سے عذرا دکھائی نہیں دی اور اس نے دلھن بھابی کو منہ دکھائی بھی نہیں دی کہاں گئی؟ سیدہ نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے دیر سے انھیں نہیں دیکھا

بہت سی مہمان عورتیں جا چکی تھیں۔ نسیمہ ذرا دیر کو لیٹ کر آرام کر رہی تھیں۔ فرخ پریشان ہوگئی۔

منہ دکھائی کے وقت عذرا اپنا تحفہ نکالنے صندوقوں کی کوٹھری میں گھُس گئی۔ ذرا دیر بعد سہ دری میں مسز نعیم، جمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کے بولنے کی آواز آئی۔ باتیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ بغیر سُنے نہ رہ سکی۔ سانس روکے کان لگائے سُنتی رہی۔

جمیلہ۔ ہاں بہن۔ بڑا گھر۔ امیر لوگ میری لڑکی بھلا ان کا کیا مقابلہ کرتی۔

محمدی بیگم۔ ہم تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ذکیہ سے ہوگا۔

جمیلہ۔ اے میں خود کب چاہتی تھی۔ ذکیہ کے لئے مجھے ولایت کا پڑھا ہوا چاہیئے بھی نہیں جس کا نہ دین درست نہ ایمان۔

مسز نعیم۔ یہ تو نہ کہئے۔ ریاض ماشاء اللہ ہزاروں میں ایک ہیں۔ اور اب بھی مذہب کے پورے پابند ہیں۔ رضیہ کے ابا کو تو وہ بہت ہی پسند تھے مگر میں نے ہی روکا کہ ذکیہ کی موجودگی میں ہمارا ارادہ ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ جمیلہ آپا اصلی حقدار ہیں۔

جمیلہ۔ بس بوا رہنے دو۔ میں کاہے کو حقدار ہوتی۔ جب میری ٹھیکری کی مانگ تم بیاہ کرلے گئی تھیں اس وقت میں حقدار نہ تھی؟ دُنیا دولت کو دیکھتی ہے وہی نسیمہ نے کیا۔

مسز نعیم۔ یہ نہ ناراضگی کی بات ہے نہ طعن تشنیع کی۔ جہاں قسمت میں ہوتا ہے وہیں بیاہ ہوتا ہے۔ نہ میرا قصور ہے نہ نسیمہ کا۔

محمدی بیگم۔ تمھیں تو اپنی بہو سے معلوم ہوا ہوگا۔ عذرا کے لئے ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔

مسنر نعیم۔ مجھے پوری طرح علم نہیں۔
محمدی بیگم۔ میں نے فرحت کا پیام دیا تھا مگر نسیمہ برابر ٹالے جاتی ہیں۔
جمیلہ۔ عذرا کے لئے تو جمیل کا پیام گیا ہوا ہے۔ نسیمہ نے مجھ سے فرخ کی نسبت کے وقت ہی وعدہ کر لیا تھا اب وہ کیسے پھر سکتی ہے۔
مسنر نعیم۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ انصار سے کریں گی۔
جمیلہ۔ (چونک کر) انصار سے ؟ تم نے کس سے سُنا ؟
مسنر نعیم۔ میں نے کسی سے سُنا تھا۔
محمدی بیگم۔ ہوں۔ تو یہ چال تھی۔ گھر دونوں لڑکے اور لڑکی کو ہتیا لیا جائے۔ تبھی حبیب الٰہی کی ناک کا بال بنی ہوئی تھیں۔ پہلے بچپن کی نسبت چھپا کر ہاجرہ کو ریاض سے بیاہ لیا اسی طرح انصار بھی ہتھے چڑھ گیا۔ خوب ترکیب کی کہ جائداد اُن کے قبضے میں آجائے۔ دیکھنے میں بڑی نیک اور سیدھی ہیں۔ پیٹ میں جو گُن بھرے ہیں انھیں کون جانے۔
جمیلہ۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مجال ہے نسیمہ کی کہ مجھ سے وعدہ خلافی کرے۔ میں اپنا اور اس کا خون ایک کر ڈالوں گی۔ وہ بھی جانے گی کہ کسی سے سابقہ پڑا تھا۔
مسنر نعیم۔ سُنا ہے کہ ریاض کو انصار نے پیام دیا ہے۔
جمیلہ۔ کیا کہا انصار نے دیا ہے گو اس کے نانا نے ؟
مسنر نعیم۔ وہ تو انصار سے سخت ناراض ہیں کہ اس نے ہاجرہ سے شادی نہیں کی۔ یہ تو انصار کی اپنی خواہش ہے۔
محمدی بیگم۔ ہاں بوا نیا زمانہ نئی نئی باتیں۔ نسیمہ نے پہلے ہی سے یہ سب سوچ رکھا ہوگا تبھی تو سارے لڑکے لڑکیاں آپس میں ملتے جلتے

تھے۔ کھیل کود، ہنسی مذاق، سیر تماشے سب کچھ ہوتا تھا۔ ہر وقت کا ملنا جلنا تھا۔ میں نے تو سُنا ہے کہ ہاجرہ کی ریاض سے اور عذرا کی انصار سے خط و کتابت تک ہوتی تھی۔

مسز نعیم۔ آپ لوگوں کی باتیں تو حد درجہ دقیانوسی ہیں اگر کبھی کبھار انھوں نے ایک دوسرے کو خط لکھ بھی دیا ہو تو اس میں عیب کیا ہے

جمیلہ۔ (جل کر) یہ تمھاری ہی صحبت کا اثر ہے جو میری بہن بھانجیاں اتنی بے باک اور آزاد ہوگئیں۔ غضب خدا کا ایک توجوان لڑکیوں کو لڑکوں کے سامنے کیا پھر ان میں خط و کتابت ہوتی رہی اور ماں غفلت کی نیند سوتی رہی۔ آخر کو یہ نوبت پہنچی ناکہ انصار نے ہاجرہ کو چھوڑ کر عذرا کو تاکا۔ میں تو پہلے ہی دیکھا کرتی تھی کہ جہاں عذرا نے انصار کو دیکھا اور باچھیں کانوں کو پہنچیں۔

محمدی بیگم۔ اگر ہمارے لڑکے بھی ایسے شوخ اور بے باک ہوتے اور لڑکیوں سے پینگیں بڑھاتے عشق عاشقی کرتے تو ان کو بھی لڑکی پسند کرلیتی۔

وہ بچارے سیدھے سادے شریف بچے ان باتوں کو کیا جانیں۔

جمیلہ۔ (غضبناک لہجے میں) نسیمہ کی حماقت نے خاندان بھر کی ناک کاٹ دی۔ غضب خدا کا اب ساری دنیا یہ کہے گی کہ لڑکے لڑکی میں پہلے سے میل جول اور خط و کتابت تھی۔ کہیں منہ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔

محمدی بیگم۔ خدا نسیمہ کو عقل دے تو ہرگز انصار کا پیام منظور نہ کریں ورنہ جھوٹی افواہیں بھی لوگ سچ سمجھیں گے۔

جمیلہ۔ بہن کے گھر کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر ایسا جی جلتا ہے کہ نہ اس کو اپنی صورت دکھاؤں نہ اس کی دیکھوں۔ پہلے لڑکیاں میری بات مان لیتی

تھیں۔ اب تو پرواہ بھی نہیں کرتیں کہ یہ کون ہے اور کیا بک رہی ہے میں نے لاکھ سر پٹکا کہ کنواری لڑکی سمدھنوں میں نہ جائے مگر نہ لڑکی نے مانا نہ اس کی ماں نے۔ بی عذرا بن ٹھن کر وہاں پہنچیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ کنواری قہر ماری اس چھوکرے کو رجھانے کے لئے یہ سب کرتی ہے۔

مسز نعیم۔ جمیلہ آپا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنی بہن بھانجی کے لئے ایسے رکیک الفاظ کہتی ہیں۔ نسیمہ اور عذرا کی سی نیکی، شرافت اور حیاداری کسی میں ہو تو لے۔ ہاں نسیمہ صاف دل ہیں۔ اگر وہ آپ دونوں کے ہاں کے پیام منظور نہیں کرتیں تو اس کے بدلے آپ ان کی کنواری بچی کو بدنام کریں گی۔ چچی اور خالہ ہو کر؟

جمیلہ۔ اے چل عورت ہوش کی دوا کر۔ آئی ہے مجھے سبق پڑھانے۔ میری جوتی کو غرض پڑی ہے کہ کسی کو بدنام کرتی پھروں۔ جیسا دنیا دیکھے گی کہے گی۔ اور لڑکے کا رشتہ وہ کیا منظور نہیں کرتی میں خود ایسی شوخ اور بے باک لڑکی کو اپنے لڑکے سے بیاہنا کب پسند کرتی ہوں۔

محمدی بیگم۔ میں جانوں لڑکی کی مرضی دیکھ کر ہی ماں اور بھائی مجبور ہو گئے۔

مسز نعیم۔ توبہ توبہ۔ میں تو تم لوگوں سے ایک بات کہہ کر گنہ گار ہو گئی۔ دونوں اس غریب بچی کے پیچھے پڑ گئیں۔ آپ نے اپنے لڑکوں کا پیام دیا تو کچھ نہیں اور انصار کا پیام آیا تو فوراً لڑکے لڑکی اور اس کی ماں میں ہزاروں کیڑے پڑ گئے۔ بُری بات ہے آپ کے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔

مسز نعیم بھری بیٹھی وہاں سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ ذرا دیر اور جمیلہ اور محمدی کھسر پھسر کرتی رہیں۔ پھر وہ بھی باہر جا بیٹھیں۔

عذرا نے یہ سب باتیں لفظ بلفظ سنیں۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا

آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ غصے سے اس کا عجیب حال تھا۔ وہ اس وقت اپنی پوری قوت ارادی اور ضبط سے کام لے رہی تھی ورنہ خدا جانے کیا کر ڈالتی۔ ان عورتوں کے باہر جانے کے بعد وہ اپنے کو سنبھال کر جیسے تیسے چھت پر پہنچی اور کاٹھ کباڑ کے انبار میں ایک جھلنگا پلنگ پر گر پڑی۔

فرخ نے سارے گھر میں عذرا کو ڈھونڈا۔ سب سے پوچھا جب کہیں بہن نظر نہ آئی تو پریشان ہو گئی۔ خیال ہوا شاید ہاجرہ کے ساتھ چلی گئی ہو۔ سیدہ اور فرخ ڈھونڈتی ہوئی کوٹھے پر آئیں۔ کاٹھ کباڑ کے انبار پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک ٹوٹے پلنگ پر عذرا اوندھی پڑی ہے۔ فرخ نے پاس جا کر اسے بہ مشکل سیدھا کیا تو عذرا کو نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھا۔ منہ اور آنکھیں سوجی ہوئی، ہاتھ پاؤں برف اور ہچکیاں بندھی ہوئی۔ فرخ بے حد گھبرائی اور سیدہ تو بہن سے لپٹ کر خود بھی رونے لگی۔ فرخ نے عذرا کا سر گود میں رکھا منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ ہاتھ پاؤں سہلائے اپنا معطر رومال سونگھایا۔ بڑی دیر میں عذرا کے حواس کچھ درست ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر فرخ کو دیکھا تو اس کی گود میں منہ چھپا کر اور بھی زیادہ رونے لگی۔ فرخ نے سیدہ سے کہا تم چپکے سے بھائی جان کو بلا لاؤ مگر اماں کو خبر نہ ہو۔ سیدہ ادھر گئی یہاں فرخ اسے سمجھانے لگی۔ بہت پوچھا کیا ہوا؟ کہیں درد ہے، تکلیف ہے، کسی نے کچھ کہا۔ مگر عذرا نے ہر سوال پر سر ہلا کر انکار کر دیا۔ شدت گریہ سے اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔

فرخ نے بہن کا منہ دھلایا پانی پلایا اور ذرا عذرا کی حالت سنبھلی کہ اتنے میں ریاض گھبرائے ہوئے اوپر کی کھڑکی سے یہاں آ گئے۔ عذرا نے

آہستہ سے کہا باجی تم بھی عجیب ہو۔ تم نے بھائی جان کو کیوں بلالیا۔ ریاض آکر بہن کے پاس بیٹھ گئے اور اسے گلے سے لگا کر سر سہلانے لگے۔ عذرا چُپ چاپ بیٹھی رہی۔ ریاض کے بہت پوچھنے پر اس نے کہا "کچھ نہیں میرے سر میں سخت درد تھا اور دل گھبرا رہا تھا اس لئے یہاں آکر لیٹ گئی تھی۔ باجی تو بات کا بتنگڑہ بنا لیتی ہیں"

فرخ۔ میں یہ ہرگز نہیں مانوں گی۔ ضرور خالہ جان نے کچھ کہا ہے۔ سر کے درد میں کوئی اس طرح نہیں روتا ہے۔ دیکھئے تو بھائی جان اس کی حالت کیا ہو رہی ہے۔

ریاض۔ (آنکھ سے اشارہ کرکے) خیر ہو گا۔ عذرا تمھاری بھابی سخت بے قرار ہیں۔ وہ یہاں آنے کو تیار تھیں مگر میں نے کہا میں عذرا کو لئے آتا ہوں۔ چلو۔

عذرا۔ بھائی جان اس وقت نہیں ٹھیر کر آجاؤں گی۔

ریاض۔ واہ — وہاں تمھاری دوست جو رونا شروع کر دیں گی۔

ریاض عذرا کو لئے ہوئے پیچھے پیچھے فرخ اور ستیدہ، کوٹھے پر ہی سے ہاجرہ کے کمرے میں پہنچے۔ ہاجرہ پریشان بیٹھی ہوئی تھی عذرا کو دیکھ کر شرم و رمق تو رکھی بالائے طاق اور دوڑ کر عذرا کے گلے سے لپٹ گئی "اچّی کیا ہوا؟" عذرا نے زبردستی مُسکرا کر کہا "ہاجرہ تم خواہ مخواہ پریشان ہو گئیں کچھ بھی تو نہیں"

ہاجرہ۔ پھر بھی آخر کیا بات ہے۔

عذرا۔ سر میں درد ہے۔

ہاجرہ۔ تو آؤ یہاں لیٹ جاؤ میں سر دباتی ہوں۔

ہاجرہ نے عذرا کو اپنی مسہری پر لٹا دیا اور خود اس کا سر دبانے لگی فرخ اور سیدہ پاس بیٹھ گئیں۔ ریاض جو باہر چلے گئے تھے ذرا دیر بعد انصار کے ساتھ اندر آئے۔ ہاجرہ فوراً گٹھری بن گئی ـــ عذرا کے کانوں میں محمدی بیگم اور جمیلہ خاتون کی دلدوز اور شرمناک باتیں گونجنے لگیں۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

انصار۔ کیوں عذرا کیسی طبیعت ہے؟

عذرا نے بڑی مشکل سے گھٹتے ہوئے لہجے میں کہا "اچھی ہے" اور اپنا چہرہ ہاجرہ کی دُلائی سے ڈھک لیا۔ انصار اور ریاض حیران ہوئے۔ فرخ کچھ سمجھی اور اس نے بات ٹالنے کو کہا۔ بھائی جان سُنا آپ نے عذرا نے بھابی دلہن کو منہ دکھائی نہیں دی۔

ریاض۔ کیوں عذرا کیا ان کا مُنہ اس قابل نہ تھا۔

سیدہ ۔ واہ بھائی جان میری بھابی دلہن کو کچھ نہ کہئے گا ـ ان کا سامنہ کسی کا ہو تو لے۔ چھوٹی باجی نے تو ایک بڑی اچھی چیز ان کے لئے بنائی ہے۔

ریاض ۔ عذرا بھئی منہ کھولو ـ ہاں بتاؤ تو کیا چیز ہے۔

عذرا ۔ (آہستہ سے) اسے تو بولنے کا مرض ہے۔ کچھ بھی تو نہیں۔

ہاجرہ ۔ (عذرا کے کان میں) دیتی کیوں نہیں ہو۔ میں تو اشتیاق میں مری جا رہی ہوں۔

عذرا ۔ ان سب کے سامنے نہیں چپکے سے دوں گی۔

ریاض ۔ بھئی عذرا ابھی منگاؤ ـ تم اجازت دو تو سیدہ لے آئے؟

سیدہ ۔ بھائی جان میں ابھی لائی۔ یہ کہہ کر سیدہ ہوا ہو گئی اور عذرا کے صندوقچے سے ایک لپٹا ہوا پیکٹ نکال کر واپس جا رہی تھی کہ نسیمہ نے آواز دی۔

نسیمہ۔ سیدہ کہاں جا رہی ہے۔ اور فرخ اور عذرا کہاں ہیں؟
سیدہ۔ چھوٹی باجی کی طبیعت اچھی نہیں تھی سر میں بڑا درد تھا بھائی جان انھیں دلھن بھابی کے پاس لے گئے ہیں باجی بھی وہیں ہیں۔
نسیمہ۔ کیا سر میں بہت درد ہے۔ ٹھیرو میں بھی چلتی ہوں۔
سیدہ۔ اماں آپ کیوں تکلیف کریں اب تو ان کا درد جا تا رہا میں انھیں یہیں بُلا لاتی ہوں۔
نسیمہ۔ ہاں بیٹی تم لوگ آجاؤ۔ دُلھن کو سب مل کر پریشان نہ کرو۔
سیدہ۔ (ہنس کر) اماں اب کیا ہاجرہ آپا کچھ اور ہو گئیں۔ ہم تو پہلے بھی پریشان کرتے تھے اب بھی کریں گے۔ یہ کہہ کر سیدہ چلی گئی اور پیکٹ لے جا کر ریاض کے ہاتھ میں دے دیا۔ انصار، فرخ، سیدہ سب ریاض پر جھک گئے۔ ہاجرہ گھونگھٹ سے جھانکنے لگی۔ ریاض نے پیکٹ کھولا، اندر سے نرم چمڑے کی سنہری کام کی جلد کی ایک کتاب نکلی۔ کھولا تو پہلے صفحہ پہ ریاض۔ ہاجرہ اور عذرا کی تین تصویریں اس طرح لگی ہوئی تھیں:-

ریاض

اور

ہاجرہ

کی خدمت میں

عذرا

کا

ناچیز ہدیہ

ناموں کی جگہ تینوں کی چھوٹی چھوٹی تصویریں چسپاں تھیں۔
کاپی پر نہایت خوش خط اور سلیقے سے ریاض کے وہ مضمون اور افسانے جو انھوں نے طالب علمی میں لکھے تھے۔ نقل کئے ہوئے تھے۔ اور آخر میں چار پانچ افسانے خود عذرا کے لکھے ہوئے۔
سب نے تحفے کو بہت پسند کیا۔ ہاجرہ نے لے کر سینے سے لگا لیا۔ عذرا دلائی اوڑھے چپ چاپ لیٹی رہی۔ سیدہ نے کہا "اماں پریشان ہو رہی ہیں، چھوٹی باجی کو بلا رہی ہیں" یہ سن کر عذرا گھر چلی گئی۔ اس کے ساتھ سیدہ بھی۔
ریاض۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بات کیا ہے۔ میں نے کبھی عذرا کو اس قدر افسردہ نہیں دیکھا۔
فرخ۔ ضرور خالہ خان نے کچھ کہا ہے۔ وہ عذرا کے سمدھنوں میں آنے کے خلاف تھیں اور جب سے ان کا منھ پھولا ہوا ہے۔
انصار۔ جمیلہ آپا سے تو میری روح فنا ہوتی ہے۔ اور عذرا سے تو انھیں ہمیشہ سے کد ہے۔ خدا جانے کیا کیا کہا ہو گا جو عذرا اس قدر رنجیدہ ہے۔
ریاض۔ اپنی بھابی سے کہو وہ عذرا سے پوچھیں۔
فرخ۔ عذرا کسی کو بتانے والی نہیں۔ میں اور کسی سے دریافت کر دنگی اچھا بھائی جان میں تو اب جاتی ہوں۔ شمیم اٹھ گیا ہو گا۔ ذرا عذرا کا بھی دل بہلاؤں گی۔ فرخ ادھر گئی۔ انصار بھی باہر چلے گئے۔ ریاض اٹھ کر ہاجرہ کے پاس آ بیٹھے اور دوپٹہ ہٹا کر بولے "لو اب تو گھونگھٹ کھول دو۔ سب غیر آدمی چلے گئے" ہاجرہ مسکرائی۔ ریاض نے کہا "ہاجرہ عذرا کے بارے میں میں نے جو بات تم سے کہی ہے وہ یاد رکھنا۔

ہاجرہ۔ (شرمائی ہوئی ادا کے ساتھ) جی ہاں موقع دیکھ کر بات کروں گی۔

ریاض۔ کہیں کسی نے انصار کے پیام کے متعلق تو اس سے کچھ نہیں کہا؟ اس پر تو وہ اس قدر رنجیدہ نہیں ہے؟

ہاجرہ۔ (دھیمی آواز میں) میرا تو یہ خیال نہیں۔ عذرا اور انصار بھائی بچپن سے ساتھ رہے ہیں۔ عذرا بغیر کسی خاص جذبے کے انصار بھائی کو بہت پسند کرتی ہے۔ دونوں میں سچی اور بے لوث محبت ہے، عذرا کی محض رشتے کی بات سن کر ایسی حالت نہیں ہو سکتی۔ مجھے تو وہ بہت غصے میں معلوم ہوتی ہے۔

ریاض۔ تعجب ہے۔ آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

ہاجرہ۔ میں کہہ نہیں سکتی۔ شاید کسی نے ان کے ملنے جلنے پر کچھ کہہ دیا ہو۔

ریاض۔ خدا بچائے ان عورتوں کی زبان سے۔ ہاجرہ، میری جان تم جانتی ہو کہ مجھے عذرا کی بہت فکر ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ اس کا رشتہ انصار سے ہو۔

ہاجرہ۔ میری بھی آرزو یہی ہے۔

ریاض۔ مگر جب تک تم عذرا سے اس معاملے میں گفتگو کر کے اس کی رائے نہ معلوم کر لو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ عذرا کی رائے سوا تمہارے اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔

ہاجرہ۔ آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں مجھے آپ سے زیادہ فکر ہے۔ آپ نہیں جانتے مجھے عذرا سے کتنی محبت ہے۔

ریاض۔ (اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر)

سچ بتانا عذرا کو نہ یا وہ چاہتی ہو یا اس کے بھائی کو۔
ہاجرہ نے مسکرا کر آنکھیں نیچی کرلیں اور کوئی جواب نہیں دیا۔
ریاض۔ مگر ہمیں تمھاری دوست سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہمیں چاہتی ہو۔
ہاجرہ۔ عذرا نے کہا؟ بڑی جھوٹی بدتمیز ہے؟
ریاض۔ اچھا تو کیا یہ جھوٹ تھا؟ تم مجھے پسند نہیں کرتی تھیں؟ بتاؤ۔
ہاجرہ۔ ہم نہیں بتاتے۔
ریاض۔ اچھا ہم بتائے دیتے ہیں کہ ہم برسوں سے تمھیں دل دے چکے تھے۔
ہاجرہ نے ایک مرتبہ نشیلی آنکھوں سے ریاض کو دیکھا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

اکیسواں باب

ریاض۔ لائیے لائیے میم کا شعر لائیے۔

عذرا۔ ؎ میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا۔ الف لائیے۔

الضار۔ ؎ اک ہم کہ خاک ہو کے بھی تم پہ فدا رہے
اک تم کہ خاک کر کے بھی دامن کشاں رہے۔ لاؤ فرخ یے لاؤ۔

فرخ۔ ؎ یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

ہاجرہ۔ (آہستہ آواز میں) اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتہ
ورنہ ہم اور اور کسی شے کے طلبگار نہیں

لاؤ اصغر نون دو۔

اصغر۔ ؎ نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

سیّدہ۔ ؎ آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

نسیم۔ پھر میری باری آگئی۔ نون چاہئے۔ نون۔ اچھا لو یاد آگیا۔ ؎
نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں
نہ جوتی سے پیزار سے ہچکچائیں

ریاض۔ ماشاءاللہ کیا شعر دیا ہے۔ ؎
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

عذرا۔ ؎ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

انصار۔ بہت خوب۔ ؎
نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

فرخ۔ جواب باصواب ہے۔ ؎
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ہاجرہ۔ نون ہی نون آئے چلا جا رہا ہے۔ ؎
نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوۂ آذری

اصغر۔ ~~؎~~ یاس ہی یاس ہے ارماں دلِ ویراں میں نہیں
ایک سرسبز شجر میرے گلستاں میں نہیں

شیدہ۔ خدا نہ کرے ؎
نہ کردیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مزاجِ ذوقِ جنوں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے

دولھا بھائی لائیے ی ے۔
شمیم۔ (بڑی دیر سوچ کر) بھئی بڑی جلدی میری باری آجاتی ہے۔ خیر لو۔
؎ یاں دے چکی جواب امیدِ جوابِ خط
واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

ریاض۔ اس مرتبہ تو خاصا معقول شعر دے دیا۔
؎ زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

عذرا۔ ہر مرتبہ میرے حصّے میں ی ے آتی ہے۔
؎ یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو!
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

انصار۔ غ۔ بڑا غیر شاعرانہ حرف ہے۔ مگر شعر کیا اچھا یاد آیا ہے
غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

فرخ۔ پھر ی ے۔ بھئی میں تو ہاری بولے دیتی ہوں۔ شمیم اٹھ گیا ہے
آپ لوگ بیت بجئی کیجئے میں جا رہی ہوں۔
ہاجرہ۔ واہ فرخ باجی مجھے نرغے میں پھنسا کر چل دیں۔ ؎

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

انصار۔ شادی کے بعد اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔ لاؤ اصغر نون۔

اصغر۔ ؎ نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد
یہ گُر ناصح کو سکھلانا پڑے گا

سیدہ۔ ؎ ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

نسیم۔ صورت تو بہت اچھی ہے مگر ت کا شعر بہت مشکل ہے۔

انصار۔ بھئی تمھیں آسان کون سا ہے۔

ریاض۔ آئی۔ سی۔ ایس ٹھیرے شعر شاعری سے واسطہ کیا۔

نسیم۔ بات تو ٹھیک ہے۔ اچھا وہ کیا شعر ہے "تم کو بھی قلق ہوتا......

عذرا۔ جی وہ یہ ہے۔

؎ گر صاحبِ دل ہوتے سُن کر مری بیتابی
تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

مگر دولہا بھائی یہ گ کا شعر ہے شاید آپ کو تو معلوم نہ ہو۔

نسیم۔ تو آخر میں ت کہاں سے لاؤں۔ عذرا میری بہن تم میرے بدلے دے دو۔

عذرا۔ ؎ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

ریاض۔ ؎ نالہ جز حُسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

عذرا۔ لو! سے

نہ لٹتا دن کو تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

انصار۔ عذرا کو غالب کس قدر یاد ہے۔ خیر تم بھی کیا یاد کرو گی سے

واں اس کو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر ہی نہ ہو

ہاجرہ۔ سے وہ میکش ہوں فروغ مے سے خود گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراقِ ساقیِ نامہرباں تک ہے

اصغر۔ یہ بھابی دلھن اب بڑے مشکل شعر دینے لگی ہیں، ہم تو اب چلے۔

ہاجرہ۔ جی پہلے میرا شعر دیتے جائیے۔ شرم نہیں آتی بی۔اے میں پڑھ رہے ہو۔

اصغر۔ اب مجھے یاد نہ آئے تو کیا کروں۔

نسیم۔ سیّدہ دیکھو تمھیں فرخ بلا رہی ہیں۔

سیّدہ۔ آپ ہی چلے جائیے۔

نسیم۔ چلا تو جاتا مگر ان لڑکے لڑکیوں سے ڈر لگتا ہے۔

ریاض۔ دادا ابا آپ تشریف لے جائیے۔ بیٹھیں گے کبھی تو شعر کہاں سے دیں گے۔

نسیم، سیّدہ اور اصغر چلے گئے۔

انصار۔ سارے بھگوڑے بھاگ گئے۔ نسیم کو تو شعر شاعری سے ذرا سا مس نہیں۔

ریاض۔ اچھا مجھے دینا ہے؟ سے

یارب یہ جہانِ گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنر مند

ہاجرہ۔ ؎ دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

عذرا۔ ؎ آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

انصار۔ ؎ میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ریاض۔ اس طرح کی پابندی سے اچھے اچھے شعر دینے کی نوبت نہیں آتی۔ اب جس کو جو اچھا شعر یا اشعار یاد آئیں پڑھے۔

انصار۔ ہار گئے نا! جناب یہ ایک دن اور رات برابر شعر دے سکتے ہیں۔

ہاجرہ۔ آپ شاعر جو ٹھیرے۔

انصار۔ بس میاں کی طرف داری نہ کرو۔ اچھا چلو منظور۔

ریاض۔ ؎ کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ہاجرہ۔ (کنکھیوں سے ریاض کو دیکھ کر) ؎
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

عذرا۔ ؎
تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہوگئے ✦ لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اُٹھ گئے ✦ ساقیا محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہوگئی ✦ پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ ؛ صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

پھول بے پروا ہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

ہاجرہ۔ اُف کتنے پُر اثر شعر ہیں۔

انصار۔ ایسی بھی کیا مایوسی ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ؛ ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ ؛ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے ؛ سرِّ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

ریاض۔ شاباش عذرا سے بڑھ گئے۔ لو اسی کے دو شعر مجھے بھی یاد آگئے ؎

جو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

ہاجرہ ؎ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

عذرا۔ تم نے ایک ہی شعر میں سب کچھ کہہ دیا۔

ریاض۔ ہاں بھئی عذرا اب تمھاری باری آئی۔

عذرا۔ ؎

رہئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ؛ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اِک گھر بنانا چاہیئے　　کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑ یئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیمار دار　　اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ریاض۔ غرض یہ کہ "کوئی نہ ہو"

ہاجرہ۔ یہ ابھی سے ترکِ دُنیا کی کیوں ٹھان لی۔

انضار۔ ؎ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
اور بھئی عذرا! ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

(پھر عذرا کی طرف دیکھ کر پُر اثر لہجے میں) ؎
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں سر درد کی دوا
یوں ہو تو چارہ غمِ اُلفت ہی کیوں نہ ہو

عذرا انضار کی نظروں اور شعر سے گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور ہاجرہ کی طرف دیکھ کر بولی اب چلنا چاہیئے اماں پریشان ہوں گی۔

ریاض۔ تھک گئی ہو تو بیت بازی موقوف کردو۔ مگر ابھی جانے کی کیا جلدی ہے۔ اماں سے شام تک کی اجازت لے کر آئے ہیں۔ ہم تو بھئی اب سوئیں گے۔

اکبر پور سے تین میل پر حبیب الٰہی کا ایک بڑا سا باغ تھا۔ آج ریاض ماں سے اجازت لے کر بیوی بہنوں کو وہاں سیر کے لئے لائے تھے مالیوں کو ہٹا دیا گیا تھا اور پردے کا پورا انتظام تھا۔ کھانا کھانے کے بعد انضار کی تحریک سے بیت بازی شروع ہوئی جو دو گھنٹے کے قریب جاری رہی۔ بیت بازی کے بعد انضار اور ریاض تو اپنے اپنے

کوٹ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئے اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔
ہاجرہ نے عذرا کا ہاتھ پکڑا اور کہا چلو باغ کے مشرقی سرے پہ ندی سے جو چھوٹی نہر کاٹ کر لائی گئی ہے اس کے کنارے چل کر بیٹھیں گے۔
عذرا نے کہا باجی اور سیدہ کو بھی لے لیں مگر ہاجرہ نہ مانی۔ کہ بھئی باجی تو اپنے دولھا سے باتیں کر رہی ہیں اور وہ دیکھو سیدہ اور اصغر لوڈو کھیل رہے ہیں۔ ہم کیوں ان کی دلچسپی میں حائل ہوں۔
دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خراماں خراماں ندی کی طرف چلیں۔
آج ریاض اور عذرا کی زبردستی اور نسیمہ کی اجازت سے ہاجرہ نے گل انار بنارسی ساڑی پہنی تھی اور موتیوں کا ہلکا ہلکا زیور پہنے بہت خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ عذرا موسم کی مناسبت سے دھانی کُرتہ دوپٹہ اور سفید شلوار پہنے ہوئے تھی۔ دونوں سبزے کو پامال کرتی جاکر ایک درخت کے نیچے ندی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئیں ہلکی ہلکی موجیں آتیں اور ان کے سڈول پاؤں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتیں۔
عذرا۔ ہاجرہ! بھئی یہاں تو نام لے سکتی ہوں نا؟ اماں اور باجی گلا گھونٹنے کو نہیں ہیں۔
ہاجرہ۔ تم ہمیشہ ہاجرہ کہا کرو، تمھارے مُنہ سے میرا نام بڑا اچھا لگتا ہے۔
عذرا۔ مگر سب بُرا بھلا کہتے ہیں کہ بڑی بھاوج کا نام نہ لو بھابی کہو۔
ہاجرہ۔ کہنے دو لوگوں کو تم جو جی چاہے کہہ کر پکارو۔
عذرا۔ (سنجیدگی سے) یہ دنیا ہے ہاجرہ۔ لوگوں کے کہنے سننے کی پروا کرنی ہی پڑتی ہے ورنہ زندگی گذارنا دشوار ہو جائے۔
ہاجرہ۔ اتنی سی بات کے لئے تم خواہ مخواہ اداس ہوتی ہو شوق سے

میرا نام تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں عذرا مجھے تم سے اس وقت کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔
عذرا۔ (بے کل سی ہو کر) وہ ایسی کیا ضروری باتیں ہیں۔
ہاجرہ۔ تمھارے بھائی پرسوں دہلی سدھار رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے جانے سے پہلے یہ مسئلہ طے ہو جائے۔
عذرا۔ تم تو معمّوں میں باتیں کر رہی ہو۔
ہاجرہ۔ پہلے یہ طے کر لو کہ رسمی شرم اور تکلف ہماری گفتگو میں حارج نہ ہو گا۔
عذرا۔ آج تک تو میں نے تم سے کبھی تکلف کیا نہیں۔
ہاجرہ۔ یا یوں کہو کہ میں نے کبھی تم سے کوئی تکلف یا شرم نہیں کی۔ تم میرے ہر راز ہر خیال اور ہر بات سے اتنی ہی واقف رہیں جتنی میں خود مگر تم مجھ سے بہت کم کھلیں۔ لیکن اس وقت تمھیں اپنے دل کی بات ٹھیک ٹھیک بتانی ہو گی۔ بولو بتاؤ گی؟
عذرا۔ (پریشان ہو کر) میرے دل میں کوئی بات ہوئی نہیں بتاؤں گی کیا۔
ہاجرہ۔ یہ تو میرے سوال کا جواب نہ ہوا۔ اچھا تو اب صاف صاف سنو کہ تمھارے بھائی اور اماں کی خواہش یہ ہے کہ تمھاری نسبت کا معاملہ بہت جلد طے ہو جائے مگر" وہ" اس معاملے میں سب سے پہلے تمھاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔
عذرا سر جھکائے کسی گہرے سوچ میں غرق رہی۔ ہاجرہ نے گفتگو جاری رکھی۔
ہاجرہ۔ فرحت حسن، مہدی حسین اور جمیل بھائی کا پیام بہت دن سے آیا ہوا ہے۔ مہدی حسین کو تو ہم میں سے کسی نے قابلِ غور نہیں سمجھا۔

اب رہے جمیل اور فرحت تم ان دونوں میں سے کس کو قابلِ ترجیح سمجھتی ہو۔

عذرا۔ کسی کو بھی نہیں۔

ہاجرہ۔ (مسکرا کر) کیا مطلب۔ دونوں یکساں پسند ہیں؟

عذرا۔ ہاجرہ میں مار بیٹھوں گی۔ شادی کے بعد سے تم بڑی بے ہودہ ہو گئی ہو۔

ہاجرہ۔ واہ میں نے کیا کہا۔ آخر بتاؤ نا کہ تمھیں کون بہتر معلوم ہوتا ہے۔

عذرا۔ تم جانتی ہو کہ خالہ جان اور اُن کے صاحب زادے سے میری روح فنا ہوتی ہے۔

ہاجرہ۔ ٹھیک ہے اور بھی کوئی اس رشتے کو پسند نہیں کرتا۔ اب رہے فرحت۔ وہ تم جانتی ہو کہ بیرسٹر ہیں۔ ان کی پریکٹس بھی خوب چلنے لگی ہے۔ ابھی اور کافی ترقی کریں گے۔ خوب صورت ہیں خوش مزاج ہیں صاحب جائداد ہیں اُن کی ماں بڑی آرزو سے خواستگاری کر رہی ہیں۔

عذرا۔ (چہرے پر فکر و تردد کے آثار ماتھے پر شکن پڑے ہوئے) ہاجرہ افسوس ہے کہ تم بھی مجھے نہ سمجھ سکیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجھے سرکاری نوکروں اور صاحب ثروت لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے ان سے نفرت نہ سہی مگر ایسے ماحول میں سادہ زندگی نہ بسر کر سکوں گی یہ اندازہ تو تم لوگوں کو خود لگا لینا چاہیے تھا۔

ہاجرہ۔ ہم نے اندازہ ضرور لگایا تھا۔ مگر قیاس سے اس بات کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں ایک پیام اور ہے ذرا سوچ کر جواب

دینا سبب عادت فوراً کوئی عیب نہ نکال دینا۔
عذرا۔ میں نے تو کسی میں عیب نہیں نکالا۔ ہاں جب تم پوچھتی ہو تو رائے دینے کا مجھے حق ضرور ہے۔
ہاجرہ۔ بے شک ہے۔ اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں۔ یہ صاحب معمولی صورت کے آدمی ہیں۔ جائداد وغیرہ بھی نہیں۔ ابھی کہیں نوکر چاکر نہیں۔ چند دن بعد یورپ جانے کا ارادہ ہے مخلص خوش مزاج اور ملنسار طبیعت ہے ہاں ضدی اور خودسر مشہور ہیں۔
عذرا پہلے حیرت سے ہاجرہ کو دیکھتی رہی یکایک اس کی نظریں جھک گئیں اور پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ وہ بار بار ہاتھ کے رومال کو انگلی پر لپیٹ اور کھول رہی تھی۔ ہاجرہ دلچسپی سے عذرا کی کیفیت کو دیکھتی رہی کچھ دیر بعد بولی۔
ہاجرہ۔ کہو تو نام بھی بتا دوں اگرچہ نام سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اصل چیز حالات اور صفات ہیں وہ میں نے تمھیں بتا دیئے۔
عذرا۔ پھر بھی آخر ——
ہاجرہ۔ فرض کر لو ان کا نام رنبیر ہے۔
عذرا۔ (چونک کر) رنبیر؟
ہاجرہ۔ (ہنس کر) میں نے کہا تھا کہ فرض کر لو۔ کوئی سچ مچ کسی ہندو کا پیام تھوڑا ہی ہے۔ ہاں تو ان کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔
عذرا۔ (خبر نبیر ہو کر) جس کے متعلق انسان کچھ جانتا ہی نہ ہو اس کے لئے کیا رائے دے سکتا ہے۔
ہاجرہ۔ نہیں تم سب کچھ جانتی ہو۔ خفا نہ ہو بتائے دیتی ہوں۔ اس

امیدوار کا نام ہے ــــ انصار ــــ

عذرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اس نے اپنا مُنھ دوسری طرف پھیر لیا کہ ہاجرہ اس کی کیفیت نہ دیکھے۔ ہاجرہ نے اس کا چہرہ ہاتھ سے اپنی طرف کرتے ہوئے کہا "اچھا تم ابھی سے مجھ سے شرمانے لگیں" عذرا خاموش زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی رہی۔

ہاجرہ۔ عذرا مذاق ختم۔ سچی بات یہ ہے کہ انصار بھائی، تمھارے بھائی چچا، ماں، بہن سب کو پسند ہیں ــ رہی میں، تو میں اس دن کے انتظار میں مری جا رہی ہوں جس دن میری اچھی پیری بھاوج بنے گی۔ لیکن اصل چیز تمھاری رائے اور پسند ہے ــــ اب تم بتاؤ کہ تمھیں یہ رشتہ پسند ہے یا خدانخواستہ کسی وجہ سے ناپسند۔

عذرا اب بھی خاموش رہی اور گہری سوچ میں غرق۔

ہاجرہ۔ تمھیں شاید معلوم نہ ہو۔ انصار بھائی نے اسی لئے جائداد کو خوشی سے تج دیا۔ نانا کی ناراضگی کی پروا نہ کی۔ وہ خدا جانے کب سے دل ہی دل میں تمھاری پرستش کر رہے ہیں۔ اس پریشانی اور فکر میں آدھے نہیں رہے کہ نہ جانے ان کا پیام منظور کیا جائے گا یا نہیں۔ ان کا ارادہ جلد سے جلد یورپ جانے کا ہے۔ مگر وہ وہاں جانے کا فیصلہ جب تک نہیں کر سکتے جب تک رشتے کا مسئلہ قطعی طور پہ طے نہ ہو جائے۔ عذرا میری بہن وہ دل و جان سے تم پہ فریفتہ ہیں۔

عذرا کے چہرے پر اس وقت ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا وہ سخت اندرونی کش مکش میں مبتلا تھی۔ آج پہلی مرتبہ وہ اپنے دل کا جائزہ لے کر یہ اندازہ کر رہی تھی کہ خود اسے انصار سے والہانہ

محبت ہے۔۔۔۔ یہ سُن کر کہ انصار بھی اسے چاہتا بلکہ اس کی پرستش کرتا ہے (جس کا تھوڑا بہت اندازہ کچھ دن سے اُسے خود بھی ہوا تھا) اس کے پیٹ میں بات جاگ گئے۔۔۔۔ وہ ایک خاص قسم کی خوشی اور ساتھ ہی سخت شرم محسوس کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا لبوں پر ہلکی سی دل فریب مسکراہٹ کھیلنے لگی ۔۔۔۔ مگر فوراً ہی جمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کی باتیں یاد آگئیں۔ اس کا سارا جسم کانپنے لگا آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں اور اس نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹ لیا۔ اس کا دل انتہائی کش مکش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف انصار کی محبت تھی (جس کی دبی ہوئی چنگاری غیر محسوس طور پر سالہا سال سے سلگ رہی تھی اور آج یکایک زور شور سے بھڑک اُٹھی تھی) اور اس جیسے ہم خیال، ہم مذاق جاں نثار کے ساتھ بقیہ عمر بسر کرنے کی دل خوش کن آرزو اس کا دامن کھینچتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ہاجرہ سے اپنی پسند اور محبت کا اقرار کر لے ۔۔۔ شادی تو بہر حال ہونی ہے۔ اماں اور بہن بھائیوں کی جدائی برداشت کرنی ہی ہوگی۔ ہندوستانی لڑکی کے لئے شادی موت کی طرح اٹل ہے۔ پھر انصار کے پیام کو جس سے بہتر پیام آ نہیں سکتا وہ کیوں نہ منظور کر لے؟ دوسری طرف محمدی بیگم اور جمیلہ خاتون کی زہر میں بجھی ہوئی باتیں اس کے دل کو برما رہی تھیں۔ انھوں نے اس کے متعلق کیسی کیسی بُری باتیں کہیں۔ دوستی۔ خط و کتابت ۔۔ اماں پر رکیک الزامات ۔۔۔۔ لڑکا لڑکی کو قبضے میں اس لئے کیا کہ جائداد ہاتھ لگ جائے۔ لڑکی سے عشق و عاشقی ۔۔ شادی ہوئی تو سب الزامات کی تصدیق ہو جائے گی وہ سوچ رہی تھی

"آہ میرا معصوم اور انجان دل جس میں کبھی کسی سے محبت کا خیال ہی پیدا نہ ہوا۔ میں نے تو ہمیشہ سب سے بھائی جان کی طرح محبت کی یہ خیال ہی نہ آیا کہ اس کے کوئی اور معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ مجھے تو لوگوں کے خیالات کا ذرا سا احساس نہ تھا۔ بہن بھائی آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں خط و کتابت بھی کرتے ہیں اس میں برائی کی کیا بات ہو سکتی ہے؟ یہ کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ یا اللہ میں اتنے قصے کہانیاں ناول غزلیں، سب کچھ پڑھتی تھی لیکن کبھی بھولے سے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اس قسم کی باتیں حقیقت میں بھی پیش آسکتی ہیں۔ انصار ——— نے اگر دل ہی دل میں مجھے چاہا تو اس میں میرا کیا قصور۔ کبھی میں نے ان کے طرز عمل سے یہ نہ سمجھا کہ ان کی محبت کا کوئی اور مطلب بھی ہے۔ پہلی مرتبہ بھائی جان کی شادی میں کھٹکی ضرور تھی مگر ——— مگر میں تو انھیں ماموں سمجھتی تھی جس سے کوئی اور رشتہ ——— توبہ میں بھی کیسی احمق ہوں۔ آہ اس پر بھی خالہ جان نے میرے اوپر کیسے کیسے شرمناک الزام لگائے مجھ جیسی سیدھی اور معصوم طبیعت والی پر ——— ہائے ان لوگوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ یا اللہ یہ بد گمان لوگ تو نے کس شیطانی مٹی کے بنائے ہیں۔ انھیں کسی پاک دامن شریف لڑکی پر جھوٹے بہتان رکھتے شرم نہیں آتی، دل نہیں لرزتا؟ ہائے میں کیا کروں اگر یہ رشتہ ہو گیا تو جیسا کہ خالہ جان کہہ رہی تھیں لوگ کہیں گے کہ لڑکے لڑکی میں پہلے سے دوستی تھی۔ نہیں نہیں ——— ایسا نہیں ہونا چاہیئے ——— میں اپنی قربانی دوں گی۔ اپنی زندگی برباد کر ڈالوں گی۔ مگر اماں پر اور اپنے پر ایسے الزام نہ آنے دوں گی ———" مجبور غصّے نے جب نکلنے کی اور کوئی

راہ نہ پائی تو عذرا کی سُرخ آنکھوں سے آنسو بن کر ٹپکنے لگا۔

ہاجرہ بڑے غور اور صبر سے عذرا کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی اور اس خیال سے خاموش بیٹھی تھی کہ وہ اچھی طرح سوچ لے تب جواب دے گی۔ لیکن اسے روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئی اور گلے سے لگا کر بولی وہ کیوں میری اچھی ——— خدا نہ کرے روئیں تمھارے دشمن۔ کیوں رو رہی ہو؟ آخر منھ سے تو کچھ بولو یہ چُپ بیر کا روزہ کیسا"۔

عذرا ذرا دیر تک ہاجرہ کے کندھے پر سر رکھے چُپ چاپ روتی رہی۔ جب ذرا دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس نے آنسو پونچھے۔ نہر میں جُھک کر مُنھ دھویا۔

ہاجرہ۔ عذرا میری جان خدا کے لئے بتاؤ کہ تم اس قدر رنجیدہ کیوں رہتی ہو۔ اگر انصار بھائی کسی وجہ سے تمھیں ناپسند ہیں تو خدا کے لئے صاف صاف بتا دو۔ تمھیں کوئی مجبور نہیں کرے گا۔

عذرا۔ ہاجرہ یہ بات نہیں۔

ہاجرہ۔ تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے ——— عذرا کیا تم بھول گئیں کہ جب دادا آبا انصار بھائی سے میرا رشتہ کرنا چاہتے تھے، اس وقت تم نے کہا تھا کہ انصار جیسی صفات کے لڑکے بہت کم ہوتے ہیں تم انھیں کیوں ناپسند کرتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں نے ان کو اس لئے ناپسند کیا تھا کہ میرے دل میں کوئی اور بسا ہوا تھا۔ لیکن اب میں تم سے تمہارے ہی لفظوں میں پوچھتی ہوں کہ تم انصار جیسی صفات کے انسان کو کیوں ناپسند کرتی ہو۔

عذرا۔ (رُک رُک کر) یہ میں نے کب کہا کہ میں ناپسند کرتی ہوں۔ ہاجرہ

اگر تم نے مجھے کچھ بھی سمجھا ہے تو تمھیں یہ اندازہ ہوگا کہ میں ان کی کتنی قدر اور عزت اور ان سے کس قدر ــــ کتنا خیال کرتی ہوں. اگرچہ اس بات کا مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ممکن ہے۔

ہاجرہ۔ (عذرا سے لپٹ کر) ہاں ہاں میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ تم انھیں ناپسند نہ کرو گی۔ آخر انصار بھائی کی سچی محبت کا اثر کہاں تک تمہارے دل پر نہ ہوتا۔ تم بے شک انھیں پسند کرتی ہو ــ انھیں چاہتی ہو۔ لو کہہ دو نا مجھ سے کیا شرم۔

عذرا۔ (سر جھکائے ہوئے) میں نہیں جانتی چاہنا. اسے کسے کہتے ہیں اور نہ میں نے کبھی اس مسئلے پر غور کیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انصار جیسے ــــ یعنی ــــ یہ کہ ــــ ان کی سی طبیعت اور خیالات والے کے ساتھ ــــ نباہنا ــ آسان تھا۔ مگر ہاجرہ یہ ممکن نہیں ــ

ہاجرہ۔ (گھبرا کر) کیوں ؟

عذرا۔ تم نہیں جانتی ہو ــ خالہ جان اور محمدی چچی میرے اور ــــ انصار کے متعلق کیسی ذلیل باتیں کہتی ہیں۔

ہاجرہ۔ اچھا وہ باتیں تم نے سُنی تھیں تب ہی تم اس دن اس قدر روئی دھوئی تھیں ــــ مجھے بھی فرخ باجی کی ساس نے کچھ باتیں سُنائی تھیں۔ خدا سمجھے ان عورتوں کو جو شریف لڑکیوں کے بارے میں ایسی باتیں سوچیں ــ میری بہن تم ان جاہل بے وقوف عورتوں کے کہنے کا ذرا سا خیال نہ کرو۔ ان کے خیالات اور دماغ میں وسعت نہیں۔ ہر بات کا برا پہلو لیتی ہیں ــ خیر کوئی بات نہیں شادی کے بعد سب کی زبان بند ہو جائے گی۔ مجال ہے جو کوئی کچھ کہے۔

عذرا۔ نہیں ہاجرہ تمھارا یہ خیال غلط ہے۔ ساری دنیا یہ کہے گی کہ لڑکی لڑکے میں پہلے سے خط و کتابت تھی۔ دوستی تھی (غصّے میں آواز کانپنے لگی) ہاجرہ تم کیا جانو کہ ان باتوں کا خیال کرکے میرا خون کس طرح کھولنے لگتا ہے۔ میرے دل کی کیسی عجیب حالت ہو جاتی ہے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا اور ان لوگوں کا خون ایک کر ڈالوں۔ پھر ان کا کہنا بالکل، لفظاً غلط بھی نہیں۔ بے شک ہم میں دوستی بھی تھی اور خط و کتابت بھی ــــ مگر ایسی جیسی کسی حقیقی بہن بھائی میں ہوتی ہے مگر ہماری سوسائٹی گندے اور جاہلانہ خیالات رکھتی ہے۔ ہر پاک صاف بات میں ہر شریف لڑکے لڑکی میں عیب نکالنا اور الزام رکھنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور اس طرح بظاہر اپنی نیکی اور دراصل اپنی پست ذہنیت کا اظہار کرتی ہے ــــ ہائے ہندوستانی لڑکی تیری بے بسی! جب خود میری چچی اور خالہ نے مجھے اور میری فرشتہ صفت ماں کو ایسی ایسی باتیں کہیں تو تم ہی کہو غیر لوگ جو ہم سے اور ہمارے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں کیا کچھ حاشیہ آرائیاں نہ کریں گے نہیں ہاجرہ نہیں۔ میرے دل میں اتنی طاقت نہیں کہ یہ سب باتیں سُن سکوں گی۔

ہاجرہ۔ (جو عذرا کا غصّہ دیکھ کر سہمی جا رہی تھی) تم احمق ہو۔ جذباتی لڑکی ذرا سی بات کو اتنا نہیں بڑھایا کرتے۔ تم حد سے زیادہ حساس اور نازک مزاج واقع ہوئی ہو۔ کتّے بھونکتے رہتے ہیں، بھونکنے دو۔ چاند پر خاک ڈالنے سے اس پر پڑ تو نہیں سکتی ــــ آسمان کا تھوکا حلق میں آتا ہے ــــ جاننے والے جانتے ہیں کہ

حوران بہشتی تمھارے دامن پر سجدہ کریں. بے وقوف تم نہیں سمجھتی ہو کہ یہ لوگ محض حسد سے یہ سب باتیں کہہ رہے ہیں ورنہ وہ خود تمھیں اپنی بہو بنانے کے لئے بے قرار نہ ہوتے۔

عذرا۔ ہاجرہ دنیا کے کہنے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے میری اماں کو کوئی ایسی بات سننی پڑے جس سے انھیں صدمہ ہو۔

ہاجرہ۔ تم یہ بتاؤ کہ انصار بھائی کو دل سے چاہتی ہو؟

عذرا۔ کیا واہیات باتیں کرتی ہو۔

ہاجرہ۔ اگر انصار بھائی سے لوگوں کے کہنے سننے کے خیال سے انکار کرتی ہو تو پھر کسے انتخاب کیا جائے؟

عذرا۔ کسی کو نہیں۔

ہاجرہ۔ خوب تو تمھارا خیال ہے کہ اماں تمھیں نن بنائیں گی۔

عذرا۔ میں آزاد زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی تعلیم کی تکمیل کروں گی. اپنے ادبی ذوق کو پورا کروں گی۔ اس کے بعد اپنی ہم جنسوں کی خدمت میں زندگی گزار دوں گی۔

ہاجرہ۔ جی اور اسے اماں اور چچا جان منظور بھی کرلیں گے؟

عذرا۔ اگر انھیں مجھ سے محبت ہے اور میری خوشی کے طالب ہیں تو ضرور منظور کرلیں گے۔ آخر سب کی شادی ہوتی ہے اگر ایک کی نہ بھی ہو تو قیامت نہیں آجائے گی۔

ہاجرہ۔ جی ہاں اور اس بارے میں لوگ جو باتیں بنائیں گے اس کی تمھیں پروا نہ ہوگی؟ تم کیا جانو ہماری سوسائٹی میں لڑکیوں کو کنوارا بٹھانا کتنا بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ذرا لڑکی

جوان ہوئی اور لوگوں نے جان عذاب میں کرنی شروع کردی کسی کی شادی نہ ہو تو یہ لوگ لڑکی اور اس کے بزرگوں کو جینا دشوار کر دیتے ہیں۔ ابھی ہمارے ہاں وہ وقت نہیں آیا کہ کنواری لڑکی نیک نامی کی زندگی بسر کر سکے۔ ممکن ہے کچھ عرصے بعد جب لوگوں کے خیالات سُدھر یں، ان میں زیادہ وسعت پیدا ہو تو ایسا ہونے لگے۔ ابھی تو محال ہے۔ کیا اس وقت ان لوگوں کے خدا نخواستہ بدنام کرنے کا تمھیں صدمہ نہ ہو گا۔

عذرا۔ انسان کا اپنا دل پاک صاف ہونا چاہیے۔ کسی کے بکنے سے کیا ہوتا ہے۔

ہاجرہ۔ بس یہی تو میں بھی کہتی ہوں اس معاملے میں بھی لوگوں کو بکنے دو۔ جانتی ہو اس انکار کا کیا نتیجہ ہو گا؟ انصار بھائی دل شکستہ ہو کر یورپ چلے جائیں گے اور پھر اماں اور دوسرے بزرگ تمھاری رائے کو بچوں کی ضد سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور کسی ایسے لڑکے سے جسے شاید تم پسند بھی نہ کرتی ہو اور جو تمھارے قابل بھی نہ ہو زبردستی تمھاری شادی کر دی جائے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کر لو گی مگر تمھارے اونچے ارادے، ادبی ذوق، تعلیمی شوق سب خاک میں مل جائے گا اور تم معمولی بس بچے پیدا کرنے والی عورت ہو کر رہ جاؤ گی شاید اس گڑبڑ میں انصار بھائی کو بھول بھی جاؤ۔ مگر میرے بھائی کی ساری زندگی ناکام اور نامراد گزرے گی انھیں تم سے وہ محبت نہیں جو وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ گیارہ سال سے جب تم اور وہ اس نام سے بھی ناآشنا تھے، یہ محبت نشوونما

پا رہی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم انھیں نہ صرف پسند کرتی ہو بلکہ دل و جان سے چاہتی ہو۔ لیکن لوگوں کی حاسدانہ باتیں سُن کر اپنی احمقانہ خودداری اور غصے کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔ ذرا ایک بار پھر سوچو یہ انجام تمھیں پسند ہے۔

عذرا پہلے دور خلا میں نظریں جمائے کچھ سوچتی رہی۔

عذرا۔ ہاجرہ تمھارا خیال درست ہے ہم غریب لڑکیوں کو نہ یوں چین لینے دیا جاتا ہے نہ ووں۔ ہر طرح مشکل ہی مشکل ہے۔ میں نے ایک آخری فیصلہ کر لیا ہے اور اب اس پر اماں وغیرہ کو راضی کرنا تمھارا کام ہے۔ انصار یورپ جانے والے ہیں۔ پھر آخر — انھیں — اس کی — کیا جلدی ہے۔ وہ فی الحال یورپ جاکر اپنی تعلیم کی تکمیل کریں۔ اس عرصے میں جمیل بھائی اور فرحت بھائی کی شادیاں ہو جائیں گی۔ اور شاید مخالفت اور دل آزاری کا یہ طوفان گزر جائے پھر اگر وہاں سے آنے کے بعد بھی — ان کی رائے برقرار رہی پھر — پھر دیکھا جائے گا۔

ہاجرہ۔ مگر منگنی کی رسم تو ادا کر دی جائے؟

عذرا۔ نہیں۔ اس کا بھی وہی نتیجہ نکلے گا جو دوسری بات کا — کیا ضرورت ہے کہ اعلان ہی کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ یہ خیال ہے کہ نہ جانے نانا ابا کیا سمجھیں گے۔ وہ ہمارے محسن ہیں مجھے یہ گوارا نہیں کہ انھیں میری وجہ سے صدمہ پہنچے۔ دو ڈھائی سال میں ان کا غصہ بھی دھیما پڑ جائے گا اور عذرا — یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انصار کا یہ جذبہ اور خیال وقتی ہے یا دل تمھارے

اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ جب وہ اس امتحان میں پورے اُتریں گے تب ان کے پیام کا جواب دوں گی۔ بس یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔ رہی میں تو تم اطمینان رکھو کہ یا تو یوں ہی عمر بھر خلقِ خدا کی خدمت کروں گی اور اگر — اگر —

ہاجرہ۔ (جملہ پورا کر دیتی ہے) شادی کی تو صرف انصار سے کروں گی۔

عذرا۔ (شرما کر) ہاں۔ مگر خدا کے لئے کسی سے یہ بات کہہ نہ دینا۔

ہاجرہ۔ اور کسی سے نہ سہی پر انصار بھائی سے تو ضرور کہوں گی ورنہ وہ کس امید پر اتنا زمانہ کاٹیں گے۔

عذرا۔ تمھیں میری قسم جو کسی سے کہو۔

ہاجرہ۔ واہ میں ایسی قسموں کی قائل نہیں اور اگر تمھارے بھائی کو یہ باتیں نہ بتائیں تو کام کیسے چلے گا۔

عذرا۔ ہائے اللہ میں کیسے بھائی جان کو مُنھ دکھاؤں گی — اچھا یہ آخری بات نہ کہنا۔

ہاجرہ۔ میں تو ضرور کہوں گی۔

عذرا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم ہر بات اپنے میاں سے کہہ دیتی ہو ورنہ کیوں تمھیں اپنا رازداں سمجھ کر دل کی بات کہتی۔

ہاجرہ۔ اب کیا ہو سکتا ہے اب تو کہہ چکیں۔

عذرا۔ خدا کی قسم اب میں بھائی جان کو منھ نہ دکھاؤں گی۔

ہاجرہ۔ اور انصار بھائی کو۔

عذرا۔ (کھسیانی ہو کر ایک تھپڑ مارتی ہے) چلو ہٹو میں نہیں بولتی۔

ہاجرہ (ہنس پڑتی ہے) تم بڑی عقلمند بنتی ہو مگر ہو بڑی بھولی بھلا

کہیں مردوں سے سب باتیں کہی جاتی ہیں۔ میں اپنے طریقہ سے سمجھا کر کہوں گی۔
عذرا۔ ہاں میری بھابی دلہن تم بڑی عقلمند ہو۔
ہاجرہ۔ مگر میرا بھائی بچارا جو پریشان رہے گا۔ ان سے تو ضرور کہوں گی۔
عذرا۔ جو تمھارا جی چاہے کرو میں نہیں جانتی۔

ہاجرہ نے گھڑی دیکھی تو باتوں میں دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے بولی تو یہ بڑی دیر ہو گئی اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔ لو وہ سارا قافلہ ہمیں ڈھونڈتا آرہا ہے۔

ریاض۔ (پاس آکر) سارے باغ میں تلاش کر ڈالا کہیں تم دونوں کا پتہ ہی نہیں تھا۔ یہاں خلوت میں کیا راز و نیاز ہو رہے تھے؟

ہاجرہ مسکرائی۔ عذرا شرمندہ ہو کر رہ گئی۔ یہاں سے سب باغ کے اندرونی حصے میں گئے جہاں سیدہ اور اصغر چائے تیار کئے بیٹھے تھے سب نے چائے پی آم کھائے۔ عذرا اس دوران میں بالکل خاموش رہی۔

چائے کے بعد سب چلنے کو تیار ہوئے۔ باہر گاڑی کھڑی تھی۔ ایک گاڑی میں فرخ نسیم اور اصغر بیٹھے۔ دوسری میں ہاجرہ سیدہ اور عذرا۔ ریاض اور انصار نے کہا ہم پیدل جائیں گے۔

گاڑی روانہ ہونے کو تھی کہ اللہ رکھا ہاجرہ کے سامنے آکھڑے ہوئے "دیکھیوں ہاجرہ مجھ سے کیا قصور ہو گیا عذرا کس بات پر منہ پھلائے ہیں؟"

ہاجرہ ہنسنے لگی، عذرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ سیدہ نے حیران ہو کر بہن کو دیکھا۔ کوچوان نے گھوڑے کے چابک لگایا۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

بائیسواں باب

انصار کا سب اسباب باہر تانگوں پر رکھا جا چکا تھا۔ ریاض انصار سے باتیں کر رہے تھے۔ ہاجرہ ڈبیہ میں پان بنا بنا کر رکھ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے جنھیں وہ انصار اور ریاض کی نظر بچا کر پونچھ لیتی تھی۔

انصار نے نوکر سے پوچھا "کیا نانا ابا بیدار ہو گئے" ملازم گیا اور آیا۔ "چھوٹے میاں کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ آج سرکار ابھی تک بیدار نہیں ہوئے" انصار نے ریاض کی طرف دیکھا اور افسردگی کے لہجے میں کہا "نانا ابا آج جان بوجھ کر نہیں اٹھے تاکہ اس وقت بھی میری منحوس صورت نہ دیکھیں"۔ ہاجرہ نے آنسو پونچھ کر کہا "انصار بھائی آپ جا کر اماں جان وغیرہ سے مل آئیے اتنے میں شاید دادا ابا بھی اٹھ جائیں"۔

نسیمہ خاتون رضائی اوڑھے دالان میں لیٹی ہوئی تھیں سیدہ ان کا سر دبا رہی تھی۔ انصار نے جا کر سلام کیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ سرہانے سے امام ضامن نکال کر انصار کے بازو پر باندھا اور دعائیں پڑھ کر دم کیں۔ انصار نے جھک کر اپنا سر ان کے سینے سے لگا دیا۔ انھوں نے بڑی شفقت سے اُسے گلے سے لگایا اور بے اختیار رونے لگیں۔ انصار کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ نسیمہ نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا اور کہا "جاؤ میاں خدا کے سپرد کیا۔ خیر سے جاؤ خیر سے واپس آؤ۔ خط برابر لکھتے رہنا ورنہ ہم سب فکرمند رہیں گے۔ اپنی صحت کا بہت خیال رکھنا۔ اور میاں مذہب کی پابندی کا خیال رکھنا ریاض کی طرح وہاں سے ایسے ہی واپس آنا جیسے گئے تھے۔

انصار۔ آپا جان آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی تو میں بخیریت واپس آجاؤں گا اور آپ مجھے ایسا ہی پائیں گی جیسا اب ہوں۔

نسیمہ۔ ہاں میاں بس میری یہی دعا ہے کہ خدا تم سب کو شاد و آباد رکھے اور سچا مسلمان بنائے۔ اللہ جانے اب ہمیں ملنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ صحت روز بروز جواب دے رہی ہے۔

انصار۔ (بے قرار ہو کر) آپا جان خدا آپ کو جلد صحت دے اور ہمارے سروں پر قائم رکھے میں بہت جلد آ کر پھر آپ کی قدم بوسی کروں گا۔ آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ میری ماں نہیں تھی۔ مگر آپ نے مجھے ماں کی محبت سے آشنا کیا۔ آپ کو چھوڑتے ہوئے میرا دل اسی طرح تڑپ رہا ہے جیسے کہ ماں سے چھٹتے ہوئے۔ میرا جی آپ کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا خصوصاً جب کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ مگر ریاض بھائی کا

اصرار ہے کہ سب انتظام ہو چکا ہے چلے جاؤ۔
نسیمہ۔ ہاں میاں گھبراؤ نہیں۔ اپنا سفر کھوٹا نہ کرو میں اچھی ہو جاؤں گی۔
انصار۔ انشاء اللہ۔

ریاض نے چاروں طرف دیکھا۔ عذرا کہیں نظر نہ آئی۔ وہ چاہتے تھے کہ جاتے ہوئے انصار اور عذرا ایک دوسرے سے ضرور مل لیں۔ اُٹھ کر چبوترے والے کمرے میں گئے جو عذرا کے لئے مخصوص تھا۔ دیکھا عذرا بڑے انہماک سے ایک کتاب پڑھ رہی ہے۔ ریاض نے کہا "عذرا انصار روانہ ہو رہے ہیں۔ ملنے آئے ہیں چلو باہر آ کر ان سے مل لو" ریاض یہ کہہ رہے تھے کہ انصار بھی وہاں آ گئے۔ عذرا نے ہاتھ سے انصار کو سلام کیا اور چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اس کی بوجھل پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ سے کرسی کا ہتھا زور سے پکڑ رکھا تھا۔ دوسرا ہاتھ کانپ رہا تھا، نچلا ہونٹ دانتوں سے بھینچ رکھا تھا۔ انصار کا چہرہ خود جذبات سے سُرخ تھا، ماتھے کی رگیں اُبھر آئی تھیں، اور وہ بُت بنے کھڑے عذرا کو دیکھ رہے تھے۔ ریاض نے ان دونوں کی کیفیت دیکھی تو کمرے سے باہر چلے گئے۔ انصار آگے بڑھے۔ گلا صاف کر کے صرف اتنا کہا "تو عذرا اب ہم جا رہے ہیں۔ زندہ رہے تو پھر آ ملیں گے"۔ عذرا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو زمین پر گرنے لگے مگر وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی۔ انصار نے عذرا کا سرد اور کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور گلوگیر آواز میں بولے "عذرا۔ اتنی خاموش کیوں ہو۔ کوئی بات تو کرو"۔ عذرا نے کچھ بولنا چاہا مگر مُنہ سے آواز نہ نکلی۔ انصار نے پھر کہا "عذرا۔ مجھے بُھلاؤ گی تو نہیں۔ میری ہی رہو گی نا؟" عذرا ساری کانپنے لگی۔ اس نے پلکیں

اُٹھا کر انصار کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنسو بھری آنکھیں ایک لمحے کے لئے ملیں اور پھر عذرا نے نظریں جھکا لیں۔ انصار کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ انصار نے اسی لہجے میں کہا "عذرا ـــ میری اپنی عذرا ـــ اب دیر ہو رہی ہے مجھے رخصت کی اجازت دو۔ مگر دیکھو یاد رکھنا کہ صرف تمھاری یاد اور تمھاری محبت مجھے وہاں تقویت دے گی۔ ورنہ میں دنیا میں تنہا ہوں۔" عذرا کا جواب چند گرم گرم آنسو تھے جو انصار کے ہاتھ پر گرے۔ انصار نے چند لمحے آبگوں آنکھوں سے عذرا کی طرف دیکھا ـــ ایک مرتبہ پھر دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ انصار نے عذرا کا ہاتھ ایک مرتبہ زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور واپس جانے کو مڑے۔ اسی وقت ریاض کمرے میں داخل ہوئے۔ بہن کو دیکھا کہ مثل تصویر کے ساکت کھڑی ہے۔ چپ چاپ انصار کو لے کر باہر آگئے۔

نسیمہ خاتون نے دوبارہ انصار کو گلے لگایا۔ سیدہ کی روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ انصار نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا: "دیکھو سیدہ بی بی ہمیں بھلانا نہیں۔ خط لکھتی رہنا ـــ" سیدہ نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا "انصار بھائی آپ بہت یاد آئیں گے" انصار نے مڑ کر عذرا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ عذرا کواڑ کی آڑ میں کھڑی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور لب کانپ رہے تھے۔ انصار نے ہاتھ سے رخصتی اشارہ کیا اور جلدی سے باہر نکل گئے۔

گھر جا کر انصار کو معلوم ہوا کہ باوجود ہاجرہ کے سخت اصرار کے حبیب الٰہی انصار سے ملنے پر راضی نہیں ہوئے بلکہ ہاجرہ کو ڈانٹ دیا

اور اندر سے دروازہ بند کر لیا انصار کو بے حد صدمہ ہوا بولا "ہاجرہ میری بدقسمتی ہے کہ نانا ابا مجھ سے اس درجہ ناراض اور بیزار ہیں۔ تم ان سے میرا آداب کہہ دینا اور یہ کہ میں بہر حال ان کا خادم اور جاں نثار ہوں۔" ہاجرہ نے بھائی کے امام ضامن باندھا۔ انصار نے اسے گلے سے لگا لیا اور ہاجرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بڑی مشکل سے ریاض اور سیدہ نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا اور انصار باہر آئے۔ سارے نوکر چاکر انصار کے جانے سے رنجیدہ اور آب دیدہ تھے۔ انصار کے والد کے وقت کا ملازم رحمو کا تو روتے روتے بُرا حال تھا۔ انصار اس کے گلے سے لپٹ گئے۔ ریاض، انصار، رحمو گاڑی میں اور دوسرے ملازم تانگوں میں سوار ہوئے کوچوان نے چابک لگایا گاڑی روانہ ہوئی۔ گھر کی ایک کھڑکی سے سیدہ دوسری سے ہاجرہ جھکی دیکھ رہی تھیں مگر بعد ازاں نظر نہیں آئی۔

ریاض نے دہلی میں ڈاکٹر انصاری کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ صبح کو تین چار گھنٹے وہ ان کے ساتھ کام کرتے۔ شام کو اپنا مطب کرتے تھے انھوں نے قرول باغ میں ایک مکان اور فتحپوری پہ دوکان لے لی تھی اور وہیں پریکٹس کرتے تھے۔ ریاض کا ارادہ تھا کہ ماں بہنوں اور بیوی کو ساتھ دہلی لے جائیں۔ نسیمہ خاتون کی طبیعت صاف نہیں تھی اس لئے وہ اور بھی چاہتے تھے کہ ماں کو اپنے ساتھ رکھیں مگر نسیمہ نے کہا کہ جب طبیعت سنبھل جائے گی تب دہلی آؤں گی۔ اس حالت میں سفر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ریاض مجبوراً اکیلے دہلی چلے گئے۔

اگرچہ انھیں بیوی اور بہن کی اداسی کا بڑا خیال تھا۔ وہ دونوں انصار کے جانے سے بہت رنجیدہ تھیں۔ ہاجرہ اکثر روتی رہتی تھی اور عذرا چپ چاپ اپنے دل پر سب کچھ سہہ رہی تھی۔ ریاض نے ایک ڈاکٹر کو مقرر کیا کہ وہ روز آکر نسیمہ کو دیکھ جایا کرے۔ بیوی اور بہنوں کو دلاسا دیا کہ میں جلدی جلدی آتا رہوں گا۔

چند دن بعد نسیمہ خاتون کی طبیعت سنبھل گئی۔ بخار کسی کسی دن ہوتا کھانسی بھی کم تھی۔ کمزوری البتہ باقی تھی اور خیال تھا کہ ذرا طاقت آجائے تو دہلی چلی جائیں۔

ایک دن نسیمہ کی مزاج پرسی کے بہانے محمدی بیگم آئیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے فرحت کا ذکر چھیڑا کہ اب ماشاء اللہ پانچ چھ سو روپیہ ماہوار کما رہا ہے۔ پھر عذرا کی نسبت کا ذکر کیا اور بہت اصرار سے فرحت کے پیام کا اعادہ کیا۔ بڑی مشکل سے نسیمہ خاتون نے انھیں ٹالا۔ کہ بھابی اصل مرضی خدا کی ہے۔ میرے تمھارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جہاں اس کو منظور ہو گا وہاں ہو گا۔ محمدی بیگم چلتے چلتے بھی اصرار کرتی گئیں اور کہا عذرا میری ہے میں تم سے لوں گی۔ جمیلہ خاتون کو بھی محمدی بیگم کے آنے کی سُن گُن مل گئی۔ آتی تو روز رہی تھیں مگر ایک دن خاص اس ارادے سے آدھمکیں۔ عذرا اور سیّدہ یوں تو ہمیشہ سے ان سے گھبراتی تھیں مگر اب توجب سے عذرا نے ان کی وہ باتیں سُنی تھیں ان کے سایہ سے بھی بھاگنے لگی تھی۔ دونوں بہنیں سلام کر کے اِدھر اُدھر ہو گئیں۔ ہاجرہ گھر کے کام کاج میں مصروف تھی۔ انھوں نے موقع دیکھ کر بہن سے کہا تم کہاں تک ٹالے جاؤ گی۔ اب مجھے

جواب شافی دو اور نیک دن نیک تاریخ دیکھ کر اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔ نسیمہ نے ٹالنا چاہا تو وہ سر ہو گئیں کہ تم تو امیروں میں کرو گی۔ میں اور میرا لڑکا غریب ہیں اس لئے تم ہمیں ذلیل سمجھتی ہو۔ مگر یاد رکھو لامذہب اور کرنٹوں میں کر کے پچھتاؤ گی۔ فرخ کو دیکھو کیسی لامذہب بے پردہ اور بے حیا ہو گئی ہے ــــ اشارتاً انصار اور فرحت کی کچھ برائیاں بھی کیں نسیمہ خاتون صبر سے ان کی باتیں سنتی رہیں۔ آخر میں اتنا کہا آپا کیا تم قسمت کی قائل نہیں؟ نصیب بھی تو کوئی چیز ہے۔ اگر اچھی کو تمھارے گھر ہی آنا ہے تو پھر یہ بات ہو کر رہے گی ورنہ جمیل کو لڑکیوں کی کمی نہیں۔ میں عذرا کے چچا اور بھائی کی خلاف مرضی کیسے ہاں کر سکتی ہوں۔ تم ان ہی سے بات کرو۔ وہ جانیں اور تم "جمیلہ خاتون ناراض تو ہوئیں مگر انھیں امید اب بھی تھی کہ احسان اور ریاض کو قائل کر کے راضی کر لوں گی۔

دو چار دن بعد ایک روز مسز نعیم ان سے ملنے آئیں۔ نسیمہ بچاری ان دنوں عذرا کی طرف سے بہت پریشان رہتی تھیں انھیں کوئی ایسا دکھائی نہ دیتا تھا جس سے مشورہ لیں۔ ہاجرہ لاکھ کچھ ہو آخر انصار کی بہن تھی اور بھائی ہی کی سی کہتی۔ سیدہ بچی، فرخ دور تھی۔ احسان کو فرحت، جمیل، انصار، کوئی بھی پسند نہیں تھا۔ ریاض انصار پر لٹو تھے ــــ مشورہ کریں تو کس سے۔ اور فیصلہ کریں تو کیا؟ مسز نعیم انھیں غیر جانبدار نظر آئیں باتوں باتوں میں ان سے ذکر کیا۔

مسز نعیم۔ تم خود کسے پسند کرتی ہو۔

نسیمہ۔ کیا بتاؤں میرا دل کہیں بھی نہیں ٹھکتا۔ ایک طرف آپا کی ناراضگی کا خیال ہے دوسری طرف محمدی بھابی جان گھائے جاتی ہیں ریاض تو انصار کو پسند کرتا ہے۔

مسز نعیم۔ بہن اصلی مرضی ماں کی ہوتی ہے۔ ماں بیٹی کی پسند الگ الگ نہیں ہو سکتی جس لڑکے کو تم خود پسند کرو اللہ کا نام لے کر اسی سے کر ڈالو۔

نسیمہ۔ جمیل ہے تو میرا بھانجا اور اللہ نہ کرے اس میں کوئی خاص عیب بھی نہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کا اور آپا دونوں کا مزاج ایسا ہے کہ میری لڑکی کی ان لوگوں سے نبھنی بہت مشکل ہے۔ انصار سے خود مجھے بیٹوں کی طرح محبت ہے مگر اس کے مزاج میں کچھ خود سری اور ضد ہے جس سے میں ڈرتی ہوں۔ دوسرے حبیب نانا کا خیال ہے۔ وہ انصار سے ناراض ہیں۔ یورپ سدھارا تو جاتے ہوئے اس سے ملے تک نہیں نانا ابا میرے محسن ہیں انھیں ناراض کرنا نہیں چاہتی۔ اگر یہ نسبت ہو گئی تو کہیں وہ مجھ سے بد گمان نہ ہو جائیں۔ ابھی سے لوگ باتیں بنا رہے ہیں کہ اسی لئے میل جول بڑھایا تھا کہ لڑکا لڑکی دونوں کو اپنا کر لیں۔

مسز نعیم۔ ہاں بہن مارنے کا ہاتھ پکڑ لے کہنے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی دنیا کے کہنے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ انصار باوجود بہت سی خوبیوں کے ضدی اور خود رائے ہے۔ جس نے اپنی ضد کے آگے باپ سے زیادہ چاہنے والے نانا کی پرواہ نہ کی وہ بیوی کا کیا خیال کرے گا۔ عذرا اور انصار کا جوڑ تو میں بھی مناسب نہیں سمجھتی۔ پھر رشتہ بھی تو ماموں بھانجی کا ہے۔ بد نما سا لگتا ہے۔

نسیمہ۔ خیر یہ تو کوئی بات نہیں۔ آخر ہاجرہ اور ریاض کا جو ہوا؟ ہاں

نانا ابّا کا خیال ہے۔ رہا فرحت وہ مجھے خاصا پسند ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ مزاج بھی بُرا نہیں۔ پانسو کی آمدنی ہے اور مہدی بھابی زود بھی بہت لگا رہی ہیں۔
مسز نعیم۔ پھر کیا تامل ہے کر کیوں نہیں دیتیں۔ بہت اچھا رشتہ ہے۔
نسیمہ۔ مہدی بھابی کا مزاج بڑا تیز ہے اور ان لوگوں میں امیری کی بو اور تکبر ہے جسے نہ میں پسند کرتی ہوں نہ میری لڑکیاں۔ بس اس سے گھبراتی ہوں۔ دوسرے ریاض کو فرحت سے زیادہ انصار پسند ہے۔
مسز نعیم۔ انھیں انصار کیوں پسند نہ ہوں گے بیوی کے بھائی ہیں۔
نسیمہ۔ اب خیر سے رضیہ کا رشتہ کب کرو گی ماشاءاللہ کافی عمر ہو گئی۔
مسز نعیم۔ پیام تو دسیوں جگہ سے آرہے ہیں مگر اس کے پاپا کی نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں۔ اس سال خیر سے بی اے تو اس نے کر لیا ہے اب اپنے باپ کے ساتھ ولایت جانے کی ضد کر رہی ہے۔
نسیمہ۔ (حیرت سے) ولایت جائے گی؟ اے بہن شاباش ہے تمہاری ہمّت کو۔ اپنے سے الگ جوان لڑکی کو اتنی دُور کیسے بھیج دو گی۔
مسز نعیم۔ میرا جی خود نہیں چاہتا مگر تم جانتی ہو ان باپ بیٹی کی ضد کے آگے میری کبھی بھی چلی ہے؟ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں اسی لئے دخل نہیں دیتی کہ کیوں کہہ کر بھی اپنی بات کھوؤں۔ ڈپٹی صاحب کی طبیعت عرصے سے خراب رہتی ہے اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ ولایت جا کر علاج کرائیں۔ بیٹی سدا کی باوا کی لاڈلی ہیں۔ اس نے ساتھ جانے پر ضد کی۔ وہ لے جانے پر راضی ہو گئے۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں۔
نسیمہ۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کنواری لڑکی اور ایسی خود سر؟

مسز نعیم۔ میں نے کہا۔ بھائی نے منع کیا بہن نے سمجھایا مگر وہ بھلا کسی کی سُنتی ہے یا سمیں تو میرا کہنا مان بھی لیتی ہے بلکہ بہت خیال کرتی ہے اور اللہ رکھے نسیم کو وہ تو میرا ایسا کہنا مانتا ہے کہ کیا بیٹیاں مانیں گی بس یہی ایک ایسی نکل گئی باپ نے بگاڑا ہے۔ جب سے یہ سُنا ہے کہ وہ اتنی دور جارہی ہے کچھ نہ پوچھو دل کا کیا حال ہے مگر کیا کروں بے بس ہوں۔

نسیمہ۔ یہ ڈپٹی صاحب کی بڑی نا زیبا بات ہے کہ تمھاری مرضی کے خلاف لڑکی کو اُکساتے ہیں۔

عذرا اور ہاجرہ بھی آکر بیٹھ گئیں مسز نعیم نے نسیمہ سے پوچھا "دلہن کو کچھ ہے؟" ہاجرہ نے آنکھیں جھکالیں۔ نسیمہ نے کہا ابھی تو نہیں۔

مسز نعیم۔ اب دہلی جانے کا کب تک ارادہ ہے؟

نسیمہ۔ دیکھو ذرا طاقت آجائے تو پھر کچھ طے کروں گی۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مسز نعیم رخصت ہوئیں۔

تیسرا حصّہ

سنہ ۱۹۲۹ء سے سنہ ۱۹۳۱ء تک

تیئیسواں باب

نسیمہ خاتون دو مہینے سے دہلی میں زیرِ علاج ہیں۔ ریاض نے دہلی کے بہترین ڈاکٹروں کو جمع کیا اور مشورہ کر کے مناسب دوا غذا کا انتظام کیا گیا۔ اکبر پور سے آنے کے بعد پہلے تو ان کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی لیکن ڈاکٹر انصاری کے علاج سے رفتہ رفتہ فائدہ محسوس ہونے لگا۔ محمد احسان کو جو چھٹی لے کر آ گئے تھے کچھ اطمینان ہوا تو وہ واپس نوکری پر چلے گئے۔ فرخ کو پہلے تو نسیمہ خاتون نے منع کر دیا تھا کہ میری بیماری کی اطلاع نہ دی جائے کیونکہ پیٹ میں بچہ ہے فکر سے بُرا اثر پڑے گا۔ مگر عذرا کا جی نہ مانا اُس نے چپکے سے بہن کو لکھ دیا۔ فرخ خط پڑھ کر بے قرار ہو گئی اور باوجود میاں کے منع کرنے کے اُسی وقت نوکر کو لے کر دہلی روانہ ہو گئی۔ جمیلہ خاتون بہن کی بیماری سے بے حد پریشان تھیں اور ان کے ساتھ دہلی آئی ہوئی تھیں۔ جب

نسیمہ کی طبیعت سنبھلی تو وہ بھی اکبر پور چلی گئیں۔

مہینہ بھر تک نسیمہ خاتون کو افاقہ رہا لیکن ایک دن اچانک طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ ریاض اس قدر بدحواس تھے کہ ان کی عقل کام نہ کرتی تھی۔ انھوں نے دہلی کے سارے بڑے بڑے ڈاکٹر بلا کر جمع کر لئے۔ نسیمہ کو انجکشن دیئے گئے طاقت کی دوائیں دی گئیں اور کئی دن بعد جا کر طبیعت سنبھلی مگر دو چار دن بعد پھر بخار تیز ہو گیا۔ محمد احسان نے لمبی چھٹی لی اور آ کر بھاوج کی تیمارداری میں مشغول ہو گئے۔ وہ سارے سارے دن اور پوری پوری رات نسیمہ خاتون کی پٹی کے پاس گزار دیتے۔ سمجھدار اور جہاں دیدہ آدمی تھے۔ انھیں نظر آ رہا تھا کہ ان کی حالت اچھی نہیں لیکن دنیا بہ امید قائم ہے۔ وہ انتہائی حد تک دوا علاج پرہیز اور تیمارداری کرنا کرنا چاہتے تھے کہ کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ اُن کی چہیتی بھاوج لاڈلی بہن غمگسار، ہمدرد، مشیر، دوست، ماں کی طرح شفیق، بہن، ان سے چھوٹ رہی تھیں۔ وہ بے بسی سے دیکھتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ ان کی تیمارداری اور دوا علاج میں اپنے کو تج دیں۔ جمیلہ خاتون کو بہن کی زیادہ بیماری کی اطلاع ملی تو وہ پھر دوڑی آئیں۔ صغرا کو معلوم ہوا تو وہ حیدرآباد سے ننھے سے بچے کو لے کر فوراً چلی آئی۔ یوں بھی کوئی نہ کوئی عزیز دوست جان پہچان والے، مرد اور عورتیں روز ہی مزاج پرسی کو آ جاتے تھے۔ ہاجرہ کے سپرد گھر کا انتظام، مہمانوں کی خاطر مدارات، پکوانا کھلوانا غرض دنیا بھر کے کام تھے اور پھر اسے نسیمہ خاتون کے پاس گئے بغیر بھی چین نہ آتا تھا۔ ایک کام کرتی اور ایک پھیرا ان کے کمرے کا کر آتی۔ ریاض ذرا دیر کے لئے مطب جاتے اور باقی تمام وقت ماں کی دیکھ بھال میں صرف کرتے۔ جمیلہ خاتون دن رات تعویذ

گنڈے، دعا درود، عمل وغیرہ کرتی رہتیں۔ عذرا اپنے ہاتھ سے ماں کے لئے پرہیزی کھانا پکاتی اور وقت پر کھلاتی۔ پھلوں کے عرق، کچا انڈا اور دودھ آش جو ہر دو گھنٹے بعد کوئی نہ کوئی چیز اپنے ہاتھ سے انھیں کھلاتی تھی۔ ماں کا بستر بدلنا، سر گوندھنا، منھ دھلانا، پیشاب پاخانہ کرانا سارے کام وہی کرتی تھی اور سیدہ اس کا ہاتھ بٹاتی۔ عذرا کو اکثر خالہ کی خفگی بھی برداشت کرنی پڑتی تھی۔ بعض کھانے پینے کی چیزیں جنھیں وہ مضر سمجھتی تھی اور بعض دوائیں، ان کا اصرار ہوتا تھا کہ چپکے سے پھینک دو اور جو میں دوں وہ کھلاؤ۔ عذرا ان کی ڈانٹ ڈپٹ خفگی سب کچھ سہتی مگر کرتی وہی تھی جس کی ہدایت ریاض نے کر رکھی تھی۔ رات کو محمد احسان تو وہیں سوتے تھے جمیلہ بھی وہیں رہتیں اور ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتیں۔ عذرا کو بھی نیند نہ آتی تھی۔ وہ چچا کے اصرار سے مجبور ہو کر برابر کے کمرے میں سوتی تھی۔ لیکن ذرا سی آہٹ پر اٹھ کر بیٹھ جاتی اور بار بار بے پاؤں جا کر ماں کو جھانک آتی۔ اس کی نیند اور بھوک دونوں اڑ گئی تھیں۔ اکثر عذرا دیکھتی کہ ریاض بھی رات میں کئی کئی مرتبہ آ کر ماں کو دیکھ جاتے ہیں۔ فرخ بچاری بچے کی بیماری سے پریشان تھی۔ اسے ماں کے پاس بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملتا تھا اگر وہ ذرا دیر کو آتی اور بچہ رونے لگتا تو سب لوگ اسے مجبور کرتے کہ جاؤ بچے کو لو۔ کیونکہ بچے کی آواز سے نسیمہ خاتون کے پریشان ہونے کا ڈر تھا۔ اس پر فرخ جھنجھلا جاتی رونے لگتی، کبھی کبھی شمیم کو پیٹ ڈالتی کہ کم بخت تو نے مجھے کسی قابل نہ رکھا۔

عذرا دن رات اس قدر مصروف رہنا چاہتی تھی کہ اسے سوچنے کا وقت ہی نہ ملے۔ ذرا دیر کو سونے لیٹتی تو بجائے نیند کے آنے والی ہولناک مصیبت کی تصویر اس کی نظروں میں پھرنے لگتی، دل دھڑکنے لگتا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے

ہو جاتے اور اس قدر گھبراہٹ ہوتی کہ اُس کا جی چاہتا کہ کپڑے پھاڑ کر گھر سے نکل جاؤں۔ وہ لاحول پڑھتی، قرآن کی سورتیں اور دُعائیں پڑھتی سوچتی شیطان مجھے بہکا رہا ہے۔ خدا کی ذات سے نا اُمید ہونا گناہِ کبیرہ ہے۔ وہ ضرور میری ماں کو تندرست کر دے گا۔ محنت میں راحت ہے۔ جب ان کی صحت کے لئے اس قدر دوڑ دھوپ ہو رہی ہے تو وہ ضرور اچھی ہو جائیں گی۔ وہ یوں ہی گھنٹوں رو رو کر ماں کی صحت کے لئے دعائیں کرتی رہتی۔ پھر جب کسی طرح چین نہ آتا تو دبے پاؤں اٹھ کر ماں کے پاس چلی جاتی اور انھیں اکثر جاگتا اور کچھ سوچتا ہوا پاتی کبھی نسیمہ عذرا کو اس حالت میں دیکھ لیتیں تو اسے پاس بُلا کر بٹھا لیتیں اور پیار کر کے سمجھاتیں "میری جان اتنی پریشان نہ ہو۔ جاؤ آرام کرو۔ میں اچھی ہوں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خدا سے دعا کرو وہ شافئ مطلق صحت دینے والا ہے۔" عذرا چُپ چاپ بیٹھ کر ماں کے پاؤں دبانے لگتی یا کوئی دعا پڑھ کر دم کرتی۔ اگر محمد احسان جاگ جاتے تو ڈانٹ کر زبردستی اسے سونے کے لئے بھیج دیتے۔ سیدہ اپنی کم عمری اور ناسمجھی کی وجہ سے ماں کی حالت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتی تھی اُسے ماں کی بیماری اور تکلیف سے پریشانی اور صدمہ تو بہت تھا لیکن ساتھ ہی یہ یقین واثق بھی تھا کہ میری اماں ضرور تندرست ہو جائیں گی وہ ماں کو لافانی ہستی سمجھتی تھی۔

غرض ان کی بیماری نے سارے خاندان کو بے کل اور بدحواس کر رکھا تھا ہر شخص اپنی اپنی جگہ جان توڑ محنت اور کوشش کر رہا تھا کہ ان کو آرام پہنچائے اور انھیں موت کے ظالم ہاتھ سے بچا لے۔ مگر نتیجہ خدا کے سوا کون جان سکتا تھا۔

ایک دن نسیمہ خاتون کی طبیعت ذرا بحال تھی۔ بخار بھی کم تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں آج غسل کروں گی۔ لاکھ سب نے منع کیا مگر وہ نہ مانیں۔ ناچار ریاض نے اجازت دے دی کہ بند کمرے میں لیٹے لیٹے نہلا دیا جائے۔ عذرا سیدہ ہاجرہ اور

جمیلہ خاتون نے بہت احتیاط اور آرام سے انھیں غسل کرایا۔ صاف ستھرا پاکیزہ لباس پہن کر اور نئے اور صاف بستر پر لیٹ کر نسیمہ خاتون بہت خوش ہوئیں۔ وضو کر کے لیٹے لیٹے اشارے سے نماز پڑھی اور اس کے بعد سب کو پاس بٹھا کر دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ ریاض نے کچھ دیر بعد کہا "اماں آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے تکان ہو جائے گا" نسیمہ نے پیار کی نظروں سے بیٹے کو دیکھ کر حسرت بھرے لہجے میں کہا "میاں آج میرا تم سب سے دل کھول کر باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے ــ آج منع نہ کرو پھر خدا جانے تم لوگوں سے کچھ کہہ سکوں یا نہ کہہ سکوں؟" ریاض سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ عذرا ماں کا سر دبا رہی تھی اور فرخ اور راجرہ ٹانگیں۔ سیدہ ماں کا ہاتھ ہاتھ میں لئے ٹکٹکی لگائے ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

نسیمہ نے محمد احسان کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا "احسان بھائی اب یہ سب بچے تمھارے حوالے ہیں۔ آج تک تم ان کے باپ کی جگہ تھے اب ماں بھی تمھیں ہو اور باپ بھی۔ کہنے کو یہ جوان ہیں مگر انھیں ہمیشہ تمہاری رہبری نصیحت، سرپرستی اور دلدہی کی ضرورت رہے گی۔ میری آرزو تھی کہ اپنی زندگی میں عذرا اور سیدہ کے فرض سے سبکدوش ہو جاتی مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔ عذرا کے لئے تم دونوں چچا بھتیجے سوچ کر اس کی بہبودی کا خیال رکھ کر مناسب فیصلہ کر دینا۔ رہی سیدہ اس کے لئے تمہاری بیوی کی آرزو تھی کہ اصغر سے ہو۔ صغرا بھی چاہتی ہے ــ تمھاری اور اصغر کی رائے بھی یہی ہو تو جلد سے جلد دونوں کی شادی کر دینا۔ یہ فکر مجھے چین نہیں لینے دیتی کہ نہ جانے میرے بعد اچھی اور سیدی کا صدمہ سے کیا حال ہو گا۔ بیاہ ہو گیا تو ان کا غم پیچھے پڑ جائے گا ــ اصغر کو آج ہی تار دے کر بلا کر۔ میرا دل اس کے

دیکھنے کو تڑپ رہا ہے۔" محمد احسان اس سے زیادہ نہ سُن سکے بیتاب ہو کر باہر نکل گئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ بچوں کے سامنے رو کر ان کو اور زیادہ ہراساں کریں۔ ریاض نے ماں کو سنترے کا عرق پلایا۔ نسیمہ خاتون نے ذرا دیر سستا کر کہا۔" فرخ بیٹی مجھے تم سے یہی کہنا ہے کہ اپنی سسرال کے رنگ میں ایسی نہ رنگ جانا کہ مذہب کو اور میری تعلیم کو بھلا دو۔ اور اپنی بھاوج کو میری جگہ سمجھنا۔ ہاجرہ بیٹی خدا تجھے شاد آباد رکھے۔ تیری گود بھرے۔ تو نے مجھے بہت سکھ دیا۔ دیکھو دلہن ریاض کی صحت کا بہت خیال رکھنا۔ ہر سال اس پر سے صدقہ دیتی رہنا اور میری ساری منتیں پوری کیا کرنا۔ بیٹی مرد کا دل بڑا نازک ہوتا ہے۔ میرے بعد اس کو نہ جانے کتنا سخت صدمہ ہو۔ جہاں تک ہو سکے اس کا دل بہلانا۔ کہیں دشمنوں کی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے۔ اب اجّی اور سَدّی تمھارے حوالے ہیں مجھے اطمینان ہے کہ تم دونوں بھائی بھاوج ان کے دل میلے نہ ہونے دو گے۔ انصار کو پھر نہ دیکھ سکی اس کا صدمہ میرے دل پر ہے۔ تم اسے لکھ دینا کہ تمھاری آپا مرتے دم تک تمھیں یاد کرتی رہیں۔ صغرا، فرخ، سیدہ، ہاجرہ چاروں کی روتے روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ عذرا خاموش بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ گلا گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ مگر وہ انھیں اندر ہی اندر پی جاتی تھی۔ ریاض جن کا چہرہ ضبط کی وجہ سے سُرخ ہو گیا تھا اب برداشت نہ کر سکے۔ اُٹھے اور آ کر ماں کے سینے پر سر رکھ دیا۔ نسیمہ خاتون کا سینہ ریاض کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ ماں نے دونوں ہاتھ بیٹے کے گرد حائل کر دیئے اور آہستہ آہستہ کہنے لگیں "میری جان مرد بنو۔ اپنی بیوی اور بہنوں کو سنبھالنا اور تقویت دینا اب تمھارا فرض ہے۔ اب تم اپنے کنبے کے سرپرست اور بزرگ ہو۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر احسان ہے کہ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے گھر بار کے ہو گئے۔ میری دُلھن کی ہمیشہ قدر کرنا ایسی بیوی نصیب والے ہی کو ملتی ہے۔ بہنوں کے لئے کیا کہوں۔ تمھاری اپنی بہنیں ہیں۔ ہاں اس کا ہمیشہ خیال رہے کہ ان کے دکھے دلوں کو رنج نہ پہنچے۔ بلکہ یہ تقویت رہے کہ اللہ رکھے بھائی بھاوج کے دم سے میکہ آباد ہے۔ اور وہ دونوں ماں باپ کی جگہ ہیں — ریاض میاں رو ؤ نہیں — تم نے تو ماں کے علاج دوا میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مگر خدا کی مشیت میں تو کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اب تک مجھے زندہ رکھا ورنہ تمہاری ماں تو اسی دن ختم ہو جاتی جس دن تمہارے باپ دنیا سے سدھارے تھے۔ شکر ہے کہ اب یہ کٹھن زمانہ ختم ہو رہا ہے۔ ہاں تم لوگوں کی جدائی کے خیال سے میرا دل ضرور دکھتا ہے لیکن اگر تم نے۔ میرے بچوں — نیکی شرافت، خدا ترسی اور دینداری کی زندگی بسر کی — تو تمہاری ماں کی روح ہمیشہ شاد اور تم سے قریب رہے گی۔ میری بس یہی آرزو ہے کہ میری اولاد مخلص، ہمدرد، دیندار اور خدا پرست ہو —"

ریاض ماں کے سینے سے الگ ہوئے تو نسیمہ کی نظر عذرا پر پڑی جو تصویر کی صورت بنی بیٹھی تھی۔ انھوں نے اشارے سے اُسے پاس بُلا کر گلے سے لگا لیا۔ "اچّی تو نے میری بہت خدمت کی۔ میرا بہت خیال رکھا۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ بیٹی ماں باپ کی خدمت کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ میرا دل کہتا ہے کہ تو دنیا میں شاد آباد رہے گی۔ میں نہ ہوں گی مگر میری روح ہمیشہ ساتھ ہو گی۔ عذرا۔ چھوٹی بہن اور بھائی کے دل کا خیال رکھیو۔ ان کے دل بہت چھوٹے ہیں۔ اور ماں کے غم میں اپنی صحت نہ برباد کیجیو" عذرا کے مُنھ سے بے اختیار چیخ نکل گئی — محمد احسان اللہ جمیلہ خاتون نے سب روتی ہوئی لڑکیوں کو

وہاں سے ہٹایا۔

رات کو اصغر، جمیل اور نسیم بھی آگئے مسز نعیم اور محمدی بیگم بھی آئیں۔ رات گئے تک یہ سب لوگ نسیمہ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بارہ بجے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے پلنگوں پر جا کر سو گئے۔ دو بجے کے قریب ریاض دبے پاؤں ماں کے پلنگ کے پاس آئے اور جھک کر نبض دیکھنے لگے۔ محمد احسان کی ابھی ابھی آرام کرسی پر لیٹے لیٹے ذرا آنکھ جھپکی تھی۔ عذرا نے بھائی کے پاؤں کی چاپ سُنی تو وہ بھی آکر بیٹھ گئی۔ نسیمہ خاتون پلنگ پر ساکت اور چت لیٹی ہوئی تھیں۔ سانس آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ ایک ہاتھ سینے پر رکھا تھا دوسرا پہلو میں پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف بیٹھے محمد احسان حسرت اور مایوسی سے بھاوج کا منہ تک رہے تھے۔ دوسری طرف ریاض بار بار ماں کی نبض دیکھتے اور بے قرار ہو کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگتے۔ عذرا ماں کے سرہانے ان کے سر پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت بیٹھی ان کی محبوب اور دلکش صورت کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوائے قوتِ باصرہ کے اس کی تمام حسیں ختم ہو چکی تھیں۔ ایک گھنٹہ۔ دو گھنٹے۔ تین گھنٹے۔ اسی طرح گزر گئے۔ ریاض بار بار نبض دیکھتے اور ماں کے حلق میں دوا ٹپکاتے محمد احسان بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے اور عذرا اُسی طرح پتھر کے بُت کی مانند ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

گھڑی نے پانچ بجائے ــ محمد احسان بھاوج کے سرہانے آکھڑے ہوئے اور دلدوز، بھرائی ہوئی آواز میں یاسین پڑھنے لگے ــ پڑوس کی مسجد سے صبح کی اذاں کی آواز آئی۔ اللہ اکبر ــ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ ایک مرتبہ نسیمہ خاتون نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بڑی بڑی دلکش آنکھیں جن میں

سکون اور طمانیت جھلک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ ان کے لب ہلے: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ؔ کی خفیف آواز ان کے منہ سے نکلی۔ آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں دو شفاف آنسو اِدھر اُدھر ڈھلک گئے اور انھوں نے نہایت سکون سے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ریاض کے ہاتھ سے ماں کا ہاتھ چھوٹ گیا اور لڑکھڑا کر گر پڑے۔ عذرا کی بے حسی ختم ہو گئی۔ ایک فلک شگاف چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلی۔ وہ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ جھک کر ماں کو دیکھے مگر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عذرا کی چیخ سے سارا گھر جاگ اٹھا اور سب کے سب بدحواس ننگے پاؤں دوڑے۔ دیکھا ایک طرف عذرا بے ہوش پڑی ہے دوسری طرف محمد احسان بھتیجے کو گلے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ سارے گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ سیدہ ماں کے منہ پر منہ رکھ کر تڑپنے لگی۔ فرخ، جمیلہ خاتون اور ہاجرہ نسیمہ کی پٹی پکڑے دل خراش بین کر رہی تھیں نسیم، جمیل، اصغر سب کی روتے روتے ہچکی بندھی ہوئی تھی صغرا اپنا سر اور سینہ پیٹ رہی تھی۔ کچھ دیر یہی حالت رہی۔ آخر محمد احسان نے اپنے کو سنبھالا۔ ریاض کو باہر لے گئے اور اس کے پاس نسیم اور اصغر کو بٹھایا خود دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ آناً فاناً یہ خبر مشہور ہو گئی۔ دوست احباب سب جمع ہو گئے۔ آٹھ بجے نسیمہ خاتون کا جنازہ لاری سے اکبر پور روانہ ہوا اور ساڑھے دس بجے تک وہاں پہنچ گیا۔ جس وقت اکبر پور میں یہ خبر پہنچی سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ کیا اپنے کیا غیر سب اس نیک سیرت شریف بی بی کے لئے اشکبار تھے۔ سارا گھر عورتوں سے اور تمام گلی اور سڑک مردوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سینکڑوں بوڑھی

جوان، امیر، غریب، محلے پڑوس کنبے برادری کی عورتیں اس طرح بین کر کر کے تڑپ رہی تھیں جیسے ان کا کوئی قریبی عزیز گزر گیا ہو۔ ہر ایک زبان پہ ان کی صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ پسندیدہ کا بیان تھا۔ محتاج اور بیوہ غریب اور بے کس عورتیں ان کی بے غرض خدمت اور فیاضی کا بیان کر کر کے رو رہی تھیں۔ کنبے برادری کی عورتیں ان کی ہمدردی، غم گساری اور محبت کا ذکر کر کر کے تڑپ رہی تھیں۔ باہر مردان کی مستقل مزاجی، جواں ہمتی اور فہم و فراست کی تعریفیں کر رہے تھے۔

کوئی ایسا نہ تھا جس کا دل سچے غم سے بھرا ہوا نہ ہو۔ جب غیروں کا یہ حال تھا تو اپنوں کا کیا ذکر۔ اصغر اور صغرا تڑپ رہے تھے کہ آج ہم دوبارہ بے ماں کے ہو گئے۔ جمیلہ خاتون اپنی اکلوتی بہن کی جدائی میں دل خراش بین کر کے اپنا سر و سینہ پیٹ رہی تھیں۔ حبیب الٰہی ضعف اور صدمے سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بچوں کو سمجھانا چاہتے تھے مگر منھ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ ہاجرہ کی تڑپ، سیدہ فرخ اور عذرا کی بے قراری ناقابلِ بیان تھی۔ ان چاروں کے بین سے سننے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ ریاض اور محمد احسان مرد تھے ضبط کی انتہائی کوشش کر رہے تھے۔ مگر نسیمہ جیسی بے مثل ہستی کی جدائی جنھیں بھائی اور بیٹیا دونوں جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ناقابلِ برداشت تھی۔

شام ہوتے ہوتے ہزاروں آدمیوں کے جلوس کے ساتھ ریاض اور محمد احسان نے اپنے خاندانی قبرستان میں، محسن کے پہلو میں، اپنی عاشقِ زار، جاں نثار، عزیز ترین ہستی کو سپردِ خاک کر دیا۔

چوبیسواں باب

نیمہ خاتون کا دسواں بیسواں ہوچکا اگلی جمعرات کو چالیسواں ہونے والا ہے فاتحہ درود، دینا دلانا، کنبے برادری کی دیکھ بھال وغیرہ سب کچھ اکیلی ہاجرہ کو کرنا پڑی فرخ کی اپنی صحت ٹھیک نہ تھی، پیٹ میں بچہ، ماں کا صدمہ بچے کی بیماری اسے اپنی پریشانیوں سے فرصت نہ تھی، صغرا بھی چھوٹے بچے والی تھی۔ سیدہ اور عذرا کی حالت کسی کام کے قابل نہ تھی سارے دن منہ لپیٹے پڑی روتی رہتیں۔ یوں سارا کنبہ گھر میں بھرا ہوا تھا مگر کوئی ایسا نہ تھا جو ہاجرہ کو صحیح مشورہ اور صلاح دے ہاں اعتراض کرنے کو سب موجود تھے۔ میاں سسر دونوں کا حکم تھا کہ محض دکھاوے اور رسم رسوم کی خاطر کچھ نہ کرو۔ جو لوگ گھر میں ہیں انھیں کھلاؤ دباتی جو کچھ بھیجنا ہو غریبوں کو کھلاؤ اور دیسا رے کنبے برادری میں حصے بخرے بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہاجرہ غریب پر سب نے بہت لے دے کی منھ پر اور پیٹھ پیچھے خوب خوب اعتراض ہوئے۔ کنجوسی کا طعنہ دیا ساس سے

محبت نہ تھی۔ سسرال والوں کا لحاظ پاس نہیں۔ فرخ سے کہا کہ تم خود دخل کیوں نہیں دیتیں بھاوج کو کیا پروا کہ تمہارے کنبے کا خیال کرے۔ فرخ نے کہا میں خود اپنی حالت میں گرفتار ہوں۔ ان کا جو جی چاہے کریں گھر بار اُن کا ہے میں تو مہمان ہوں کیوں دخل دے کر بُری بنوں۔ عذرا تو بھاوج کے خلاف ایک لفظ بھی نہ سنتی تھی اگرچہ جمیلہ اور محمدی دونوں طرح طرح سے اس سے ہمدردی اور اظہارِ محبت کرتیں۔ جمیلہ خاتون ساتھ ہی لکچر بھی دیتی رہتیں کہ ماں کی روح کو خوش کرنے کا یہ طریقہ ہے اور وہ طریقہ ہے۔ باتوں باتوں میں یہ بھی سُناتیں کہ محمدی بیگم جاہل اور ان کا لڑکا لامذہب ہے اور جو بھی ولایت گیا وہ لامذہب اور دہریہ ہو کر آتا ہے۔ عذرا ان دونوں کی ہمدردیوں نصیحتوں اور اعتراضوں کو اور اس کے سبب کو خوب سمجھتی تھی۔ خالہ اور چچی کو دیکھ کر اس کی روح فنا ہونے لگتی اور جہاں تک بن پڑتا ان سے الگ تھلگ کہیں اکیلے میں پڑی رہتی۔ وہ مہینہ بھر میں آدھی نہ رہی تھی۔ گھر کا کام کاج، بچوں سے دلچسپی ہم عمروں میں گپ شپ، لکھنا پڑھنا اس نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ سب کی سُنتی اور مُنہ سے کچھ نہ کہتی۔ یا تو منہ لپیٹے پڑی رہتی یا نماز کے بعد گھنٹوں کلام پاک کی تلاوت کر کے ماں کی روح کو بخشتی۔ ماں کا خیال ایک منٹ کو دل سے دور نہ ہوتا۔ ماں کی محبت شفقت نصیحت اور تنبیہہ، ان کی بے مثل صفات، بے پایاں خوبیاں یاد آتیں۔ ان کی بیماری، تکلیف اور اس میں ان کی برداشت صبر اور ہمت اپنی تکلیف بھول کر تیمارداروں کا خیال۔ پھر ان کی آخری گفتگو۔ اور موت کا وقت، وہ آخری دیدار اور ہمیشہ کی جُدائی۔ یہ سب مناظر سینما کی تصویروں کی طرح اس کے دماغ کے پردے پر یکے بعد دیگرے اُبھرتے۔ بعض وقت وفور جذبات سے اسے ایسا محسوس ہوتا کہ سینہ شق ہو جائے گا ماں کے بغیر اسے بھرے گھر میں سناٹا بھیانک سناٹا۔ ہیبت ناک، روح فرسا تنہائی محسوس ہوتی۔ وہ سوچتی میری محبت

کرنے والی، بیماری میں تیماردار، پریشانی میں مونس و غمگسار، غلطی پر نصیحت اور تنبیہ کرنے والی، قصوروں کو درگزر کرنے والی میری مشیر اور دوست، میری عاشق اور محبوب۔ میری عزیز ترین ہستی دنیا سے رخصت ہو گئی اور میں اس وسیع دنیا میں تنہا ۔ اکیلی ۔ رہ گئی ۔ اب کیوں اور کس کے سہارے زندہ رہوں مجھے موت کیوں نہیں آتی ۔ اماں کے بغیر زندہ رہنا ؟ یہ خیال ہی اسے ہولناک معلوم ہوتا ۔ کاش موت آ کر ان الجھنوں سے، اماں کی فرقت سے نجات دیدے ۔ اس وقت موت اسے ایسی شیریں، دلفریب اور پیاری معلوم ہوتی کہ کبھی زندگی بھی ایسی دلکش نہ معلوم ہوئی تھی۔ کبھی کبھی ریاض اور انصار کا خیال آتا میرے مرنے کا ان دونوں کو صدمہ ہو گا اونہہ ۔ بھائی جان بھابی سے، سیدہ اور فرخ سے، اپنے بچوں سے بہل جائیں گے ۔ سیدہ کا بیاہ ہو جائے گا۔ وہ بھی مجھے بھول جائے گی ۔ مگر انصار ۔۔۔ وہ میرے بغیر کیسے زندگی گزاریں گے ؟ اس کا دل ڈوبنے لگتا مگر وہ پھر سوچتی ۔ مرد کا کیا اعتبار ۔ برسوں کی رفیق کو بھول جاتا ہے ۔۔ وہ بھی مجھے آسانی سے بھول سکتے ہیں ۔ شادی کر لیں گے ۔ پھر کون جانے ان کے آنے تک کیا ہو ؟ خالہ جان اور محمدی چچی بے طرح پیچھے پڑی ہیں ۔ اگر کہیں چچا جان اور بھائی جان ان کے کہنے میں آ گئے تو کیا ہو گا ؟ مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ صاف صاف انکار کر سکوں گی ۔ آہ اماں تم چل بسیں اور مجھے ان سب الجھنوں میں گرفتار کر گئیں ۔ اگر کہیں انصار کے سوا ۔ اور کسی کے ساتھ ؟ اس خیال ہی سے اس کی روح کانپ جاتی ۔ نہیں نہیں اماں اور انصار کے بغیر اس دنیا میں رہنا بے کار ہے ۔ تکلیف دہ ہے ۔۔ روح فرسا ہے ۔ موت ۔۔ اے موت تو کتنی دل کش ہے ۔۔

ماں کی تیمارداری، فکر اور صدمہ سے پہلے ہی کمزور اور بے حد حساس ہو گئی تھی اب جو کھانا پینا چھوڑ دیا ۔ گم صم رہنے لگی ۔ زندگی کی رسی پکڑے رہنے کی خواہش

چھوڑ دی تو صحت اور بگڑنے لگی۔ روز بروز دُبلی اور کمزور ہوتی جاتی۔ حرارت رہنے لگی۔ کبھی سر اور بدن میں درد طبیعت گری گری مگر اس کا وہ کسی سے ذکر نہ کرتی۔ ہاجرہ اندر اور ریاض اور محمد احسان باہر کے کاموں میں اس قدر مصروف تھے کہ انھیں اس کی طرف توجہ کرنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ چہلم کے بعد اندر سے عورتوں کا ہجوم کم ہوا تو محمد احسان اور ریاض نے عذرا کی حالت دیکھی تو ڈر گئے۔ ماں تو دق کی بھینٹ چڑھ ہی گئیں کہیں خدانخواستہ بیٹی بھی اس مرض کا شکار نہ ہو جائے۔ محمد احسان اب اپنی نوکری پر جانا چاہتے تھے۔ ریاض کو بھی جانا تھا مگر دونوں عذرا اور سیدہ کی طرف سے پریشان تھے۔ سیدہ غریب منھ سے کچھ نہ کہتی مگر سہمی سہمی اور بے حد اُداس رہتی تھی۔ کونوں میں چھپ چھپ کر روتی اور حتی المقدور ہاجرہ کا ہاتھ بٹاتی مگر اس کی صورت پر ایسی یتیمی، اسیری اور بے کسی برستی تھی کہ اُسے دیکھ کر ہر ایک کو رونا آ جاتا۔

چہلم سے اگلے دن محمد احسان نے سب لڑکے لڑکیوں کو اپنے پاس بُلایا۔ پہلے بڑی دیر تک نسیمہ خاتون کے صبر و استقلال کا ذکر کرتے رہے کہ انھوں نے کس طرح اپنی ماں اور باپ اپنے جوان بھائی اور آخر میں شوہر کا صدمہ ہمت کے ساتھ سہا اور صبر سے کام لیا۔ کس استقلال سے اپنی ذمہ داریوں کو نباہا اور کس خوبی سے اپنے فرائض ادا کیئے۔ ان کا دل ہم سب سے زیادہ حساس تھا مگر وہ خدا کی مشیت پر راضی تھیں اور اپنی صحت کی طرف سے غفلت برتنے کو خودکشی کے مترادف سمجھتی تھیں۔ پھر بہت دیر تک دلجوئی کرتے رہے اور سمجھاتے رہے کہ ماں کی روح کو خوش کرنے کا بہترین طریقہ اور ان کی محبت کا اعتراف یہی ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلو اور نیکی کے کام انجام دو۔ رونا پیٹنا، کھانا پینا چھوڑنا سب لاحاصل ہے۔ اگر اس سے اپنی گم شدہ ہستی مل جایا کرتی تو انسان زندگی بھر روتا رہتا۔ مگر جو خدا صدمہ ڈالتا ہے وہ صبر بھی عطا کرتا ہے۔ اگر تم لوگ شدتِ غم میں روزمرہ کے کاموں سے بے پروائی برتنے لگے اور اپنی صحت کو

غفلت کر کے برباد کر لیا تو اس سے ماں کا دیدار تو نصیب ہو گا ہاں ساری زندگی برباد ہو جائے گی۔ دُلہن سے میں بہت خوش ہوں انھوں نے باوجود انتہائی صدمہ کے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری طرح اور خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ فرخ نے بھی اپنی سی پوری کوشش برداشت کی کی ہے۔ فرخ میرا خیال ہے کہ اب تم نسیم کے ساتھ چلی جاؤ وہاں تمہاری طبیعت بہلے گی۔ لیکن عذرا تم سے مجھے بہت شکایت ہے۔ میں تو تمھیں سب سے زیادہ باہمت سمجھتا تھا لیکن تم نے تو بالکل ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے۔ تمہاری صحت گر رہی ہے۔ دیکھو کس قدر دُبلی اور زرد ہو گئی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے کھانا پینا بھی برائے نام کر دیا ہے۔ پڑھنا لکھنا، گھر کا کام کاج یہاں تک کہ بات کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ بھاوج بچاری کا ذرا سا ہاتھ نہیں بٹاتیں چھوٹی بہن کی دلدہی نہیں کرتیں۔ تم تو بڑی ہو اس کا خیال کرنا چاہیئے وہ ہر وقت تمہاری فکر میں گھلی جاتی ہے۔ تم شاید سمجھتی ہو کہ اس طرح کرنے سے اپنی زندگی ختم کر لو گی؟ مگر پیاری بیٹی (عذرا کو گلے سے لگا کر) زندگی کو اس طرح ٹھکرانا کفرانِ نعمت ہے اور خودکشی گناہِ کبیرہ ہے اور اپنی صحت برباد کر لینے سے لازمی نہیں کہ انسان مر ہی جائے۔ ہاں زندگی بھر کے لئے اپاہج اور مریض ہو کر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے عذابِ جان ضرور ہو جاتا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اس قسم کی حرکتوں سے کیا حاصل؟ تمہاری ماں ایک بے مثل ہستی تھیں وہ بھولنے والی چیز نہیں۔ جب تک ہم سب زندہ ہیں ان کی بیش بہا یاد ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کی یاد اور صفات تمہارے لئے رہنما کا کام دے گی۔ ان کی روح کو اب بھی تم سے تعلق باقی ہو گا جیسے تم ان کی مرضی اور خوشی کا خیال کرتی تھیں اسی طرح اب بھی کرو اور یہ سمجھو کہ وہ غیر مرئی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ اپنی چھوٹی بہن اور بھائی کی دلجوئی کرو۔ اپنا لکھنا پڑھنا دوبارہ شروع کرو اور دوسرے مشاغل میں اپنے کو بہلاؤ۔

عذرا تم یہ سوچو کہ سیدہ کے ننھے سے دل کا کیا حال ہوگا تمہیں اب اس کی ماں بن کر دکھانا چاہیے۔ تم اپنے بھائی کا تو خیال کرو جس سے تمہیں اتنی محبت ہے اس کا صدمہ تم سب سے زیادہ سخت ہے اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، فکریں بڑھ گئی ہیں تم بجائے انھیں کم کرانے کے اور بڑھاتی ہو جس کے لیے چاہنے والے بخلاف ہوتے ہیں اور کیا چاہیے!

عذرا کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی ریاض نے اٹھ کر بہن کو گلے سے لگایا تو وہ اور بھی بے قرار ہو گئی اور اس کے منہ سے نکلا "ہائے بھائی جان میری ماں" اس پر ریاض اور سب لوگ زیادہ رونے لگے۔ ذرا دیر بعد عذرا نے اپنی طبیعت کو قابو میں کیا آنسو پونچھ کر سسکیوں کے درمیان اتنا کہا "چچا جان آپ صحیح فرماتے ہیں واقعی میں سخت نالائق ہوں لیکن اب آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی"

محمد احسان۔ میاں ریاض اب تم ان سب کو لے کر دہلی چلے جاؤ وہاں سیدہ اور عذرا کو ڈاکٹر کو دکھا کر دوا وغیرہ تجویز کرانا ان کی غذا کا خیال رکھنا اور ان کی تفریح کا انتظام کرنا تم بھی کام میں لگو گے تو طبیعت بہلے گی۔

ہاجرہ۔ (دبی زبان سے) چچا جان سب لوگ اعتراض کریں گے کہ چھ ماہی سے پہلے گھر بند کر کے چلی گئیں۔

احسان۔ (سخت لہجے میں) بکنے دو۔ ہم لوگوں کے کہنے کی پروا کریں یا اپنے بچوں کی صحت کی۔

چار پانچ روز بعد فرخ اپنے میاں کے پاس چلی گئی اور ریاض، ہاجرہ سیدہ اور عذرا کو لے کر دہلی آ گئے۔ دہلی آنے کے تیسرے دن اکبر پور سے ہوتا ہوا الفت کا تعزیتی خط آیا۔ ایک ریاض کے نام ایک عذرا کے نام۔ عذرا خط لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کر کے پڑھنے لگی۔

عذرا ــــ ریاض بھائی کے تار سے اس روح فرسا سانحہ کا حال معلوم ہوا ــ

سارے دن پاگلوں کی سی حالت رہی۔ کوئی ایسا نہ تھا جو مجھے سمجھاتا یا تسلی دیتا یا جس سے ذکر کر کے۔ جس کے سامنے دل کھول کر رو کے میں دل کی بھڑاس نکالتا۔ کئی دن تک میری حالت ایسی رہی کہ خط تک نہ لکھا آج تین چار دن کے بعد اس قابل ہوا ہوں۔

عذرا۔ میں تم سے کس طرح اظہار تعزیت کروں۔۔ کیا لکھوں۔ کیسے سمجھاؤں؟ آہ میری آپا جان بے مثل صفات کی حامل اور سراپا محبت تھیں جنھوں نے غیروں اور دشمنوں کو بھی اپنا لیا تھا۔ ان کا صدمہ چند لوگوں تک محدود نہیں بلکہ جو ایک بار بھی ان سے ملا ہے انھیں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ تو پھر ان کے غم کی کیا انتہا ہو سکتی ہے جن کی وہ ماں تھیں یا جن کو ماں کی طرح چاہتی تھیں۔ جس وقت میں نانا ابا کے ساتھ حیدر آباد سے آیا تو یتیم و لیسیر بے ماں کا بچہ اور محبت کا بھوکا تھا۔۔۔ میں نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ ماں کیا ہوتی ہے؟ لیکن آپا جان کے سایہ عاطفت میں آنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ ماں کیسی شفیق، غم گسار، کیسی چاہنے والی کتنی پیاری اور انمول چیز ہے۔۔ مجھے آپا جان کے روپ میں ایک ماں مل گئی جس نے مجھے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ میری حقیقی ماں نہیں ہے۔

عذرا۔۔ ان کی سیرت کی سب سے جامع تعریف یہی ہے کہ وہ ماں تھیں۔ اصلی، حقیقی، صحیح اور وسیع معنوں میں۔ جو صرف اپنے بچوں ہی کی نہیں بلکہ ساری دنیا کے بچوں کی ماں تھیں۔ جس عورت کے دل میں ساری دنیا کی ماں بننے کی صلاحیت موجود ہو اس میں دنیا کی سب بہترین خوبیاں اور نیکیاں موجود ہو سکتی ہیں۔۔ اس دل کی وسعت کتنی ہو گی جس میں ہر ایک کے لئے جگہ تھی۔ ہر ایک کی خدمت اور ہمدردی کا

جذبہ تھا جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ بے دریغ دیتی تھیں کسی کو روپیہ، کسی کو صلاح مشورہ، کسی کو خدمت اور ہمدردی اور کسی کو محبت اور شفقت۔

ایسی انمول ہستی کا صدمہ اس کی اولاد کو جتنا بھی ہو کم ہے اور پھر تم جو اپنی ماں کو سب سے زیادہ چاہتی تھیں ۔۔ دنیا کی ہر چیز اور ہر ہستی سے زیادہ ان کو عزیز رکھتی تھیں۔ میں یہ خیال کر کے کانپ جاتا ہوں کہ تمہارے دل کی کیا حالت ہو گی۔ جس کا دل اتنا نازک، اتنا حساس اور اتنا پُر محبّت ہو وہ کیسے اس جاں فرسا صدمہ کو سہے گی۔ کاش میں اس وقت وہاں ہوتا اور اپنی عذرا کی کچھ دلجوئی کر سکتا۔ میری جان عذرا ۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت تم اپنی سیرت کی پختگی دکھاؤ گی، اپنی قوتِ برداشت اور قوتِ ارادی سے کام لے کر اس صدمہ کو جھیل لوگی اور اپنی صحت کو بحال رکھو گی۔ تمھیں اس سے تقویت اور روحانی مسرّت ہونی چاہئیے کہ تمہاری ماں ایسی ہستی تھیں جن کا صدمہ ہزاروں آدمیوں کو ہے۔ مبارک ہیں وہ مرنے والے جن کا غم سچے دل سے اتنے آدمی کریں۔ تم اکیلی نہیں تمہارے غم کے بہت سے شریک ہیں۔ جس کی ایسی زندگی اور ایسی موت ہو اس کی اولاد کے لئے غم کی نہیں خوشی کی بات ہے۔ وہ مری نہیں۔ مر ہی نہیں سکتیں ۔۔ ان کی خوبیاں دلوں پہ ثبت رہیں گی ۔ وہ زندہ رہیں گی ۔ اپنی نیکیوں کی شکل میں، اپنی نیک اور سعادت مند اولاد کی صورت میں ۔ اور ہزاروں دلوں میں۔ خدا اور اس کی مخلوق سے سچی محبت کرنے والی ہستی بھلا مر سکتی ہے؟ اسی چیز کے سہارے ہم یہ غم سہار سکتے ہیں ۔

عذرا۔ ایک غریب الوطن، جس کی وہ ماں بھی اس سے رخصت ہو گئی جس کو اس نے دوبارہ پا یا تھا' اور جسے اب کوئی سمجھا چاہنے والا نظر نہیں آتا، صرف تمہاری یاد اور محبت کے سہارے زندگی گذار رہا ہے۔ تمہیں اپنی صحت اور زندگی اپنے لئے نہیں تو اس کے لئے ضرور عزیز ہونی چاہیئے۔

نہ جانے تم میرے خط لکھنے کی جرأت کو پسند بھی کرو گی یا نہیں۔ ریاض بھائی کی طرف سے مجھے اطمینان ہے کہ وہ اسے نازیبا نہ سمجھیں گے مگر تمہاری طبیعت سے ڈرتا ہوں۔ بہرحال یہ ارادل نہ مانا کہ اس موقع پر اپنی عذرا کے غم میں شریک نہ ہوں۔ جواب مل گیا تو اپنی قسمت پر ناز کروں گا اور نہ ملا تب بھی مایوس نہ ہوں گا۔

شریک غم

صرف تمہارا انصار

عذرا نے بار بار خط پڑھا اور ہر مرتبہ اس کی آنکھوں سے اشک باری ہونے لگی۔ آخر اٹھی آنسو خشک کئے منہ دھویا اور خط لاکر ہاجرہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہاجرہ نے اس کا منہ دیکھ کر کہا "پڑھ لوں؟" عذرا نے کہا "ہاں ضرور" ہاجرہ خط پڑھنے لگی اور عذرا کو ریاض کے نام والا خط دیا۔ عذرا نے پڑھا تو قریب قریب وہی مضمون تھا جو عذرا کے خط کا۔ اتنا اور لکھا تھا کہ مجھے عذرا کی صحت کی طرف سے بڑی فکر ہے۔ وہ پہلے ہی سے اس طرف سے لاپرواہ رہتی تھیں۔ اب خدا جانے کیا حال ہو۔ آپ سے کہنے کی تو ضرورت نہیں۔ ان کے دل بہلانے کا کوئی انتظام ضرور کیجئے۔ آخر میں تھا کہ سنا ہے ڈپٹی نعیم احمد اپنی صاحبزادی کو لے کر یورپ آئے ہیں اور عنقریب انگلستان آنے والے ہیں۔

ہاجرہ۔ عذرا انصار بھائی کے خط کا جواب لکھو تو مجھے بھی بتا دینا میں بھی ایک پرچہ بھیجوں گی۔

عذرا۔ تم خود ہی لکھ دینا۔
ہاجرہ۔ کیوں تم نہیں لکھو گی؟
عذرا۔ نہیں۔
ہاجرہ۔ انھوں نے تمھارے نام تعزیت کا خط لکھا ہے تمہیں ضرور اس کا جواب دینا چاہیئے۔ انھیں بھی اماں جان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا ہوگا۔ پردیس میں کوئی تسلی دلاسا دینے والا بھی نہیں۔ تمہارے خط سے انھیں بہت تسکین ہو گی۔
عذرا۔ ہاجرہ —— بھئی —— میں نہیں لکھ سکتی۔
ہاجرہ۔ آخر ہرج کیا ہے۔ تم ہمیشہ ان کو خط لکھتی رہی ہو اب کیوں نہ لکھو۔ تمہارے بھائی تو خود مجھ سے کہہ رہے تھے کہ عذرا سے خط کا جواب ضرور لکھانا۔
عذرا۔ کوئی بھی کچھ کہے میں خط نہیں لکھ سکتی۔
ہاجرہ۔ خواہ اس سے انصار بھائی کو کتنا ہی صدمہ ہو! تمہاری یہ باتیں تو سمجھ میں نہیں آتیں آخر ایسے دقیانوسی خیالات کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔
عذرا۔ تم خالہ جان اور محمدی چچی کی باتیں بھول گئی ہو مگر میرے دل پر نقش ہیں۔
ہاجرہ۔ ان کے کہنے سے کیا ——"
عذرا۔ بھئی میں نے کہہ جو دیا۔ خواہ مخواہ کے اصرار سے کیا فائدہ۔ تم خود میری طرف سے لکھ دینا۔
ہاجرہ۔ کیا؟
عذرا۔ جو مناسب سمجھو۔

پچیسواں باب

سیدہ کو ریاض نے اسکول میں داخل کر دیا۔ عذرا کالج میں داخل ہونا چاہتی تھی مگر وہاں پردے کا انتظام نہیں تھا اس لئے مجبوراً اسے اپنی خواہش دبانی پڑی اور گھر پر بھائی سے انگریزی فارسی پڑھتی رہی۔ ریاض لائبریری سے اردو کی عمدہ عمدہ منتخب کتابیں اور آسان انگریزی کی کتابیں ہاجرہ اور عذرا کے لئے لاتے رہتے تھے۔ عذرا لکھنے کا کام کرتی، چند گھنٹے انگریزی پڑھنے میں صرف کرتی۔ رات اور دوپہر کو مطالعہ کیا کرتی۔ باقی وقت بھاوج کے ساتھ گھر کے کام کاج اور سینے پرونے میں صرف کرتی تھی۔ دہلی میں ان کی اکثر عورتوں سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اکثر شام کو تینوں نند بھاوجیں ملنے ملانے چلی جاتیں۔ رات کے کھانے کے بعد ریاض ان تینوں کو لے کر چہل قدمی کے لئے نکل جاتے۔ کبھی کبھی عذرا اور ہاجرہ

پردہ باغ چلی جاتیں جہاں ان کی ملاقات بعض مشہور خواتین سے ہوئی۔ اتوار کو کبھی کبھی اصغر علی گڑھ سے آجاتا تھا۔ ایک بار جمیل اور دو تین بار فرحت بھی ملنے آئے۔ اب عذرا اور سیدہ کی صحت بحال تھی۔ عذرا نے لکھنے کا شغل پھر شروع کردیا تھا لیکن اس کی تحریروں میں شگفتگی اور زندہ دلی کے بجائے درد و سوز نظر آتا تھا۔ سارے دن کے مشاغل سے تھک کر رات کو جب وہ سونے کو لیٹتی تو رات گئے تک ستاروں کی طرف ٹکٹکی لگائے ماضی کے اوراق الٹتی پلٹتی رہتی۔ اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، جنھیں وہ اسی طرح بہنے دیتی اور تکیہ بھیگ جاتا۔ کبھی کبھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ۔ اور ایسے وقت عذرا گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتی کہ کسی نے اسے اس حال میں دیکھ تو نہیں لیا؟

نسیمہ خاتون مرحومہ کی چھ ماہی کا زمانہ قریب آگیا۔ فرخ پندرہ بیس دن پہلے اکبر پور آگئی تھی اور تیاری میں مصروف تھی۔ ہفتہ بھر پہلے ماجو اور تین دن پہلے ریاض بھی وہاں پہنچ گئے۔ سیدہ کا امتحان ہو رہا تھا۔ اس لئے وہ نہیں جا سکتی تھی اور اس کی وجہ سے عذرا کو رکنا پڑا یقیمین اور بڑے میاں دونوں بوڑھے معتبر اور قدیمی ملازم تھے۔ ریاض ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اس لئے وہ بغیر کسی پس و پیش کے ان دونوں کو بہنوں کے پاس چھوڑ کر اکبر پور چلے آئے۔ جمیلہ خاتون نے جب یہ سُنا کہ لڑکیاں اکیلی دہلی میں ہیں اور بھائی بھاوج چلے آئے ہیں تو انھیں بہت ناگوار گزرا۔

چھ ماہی کی فاتحہ کے تیسرے دن جمیلہ خاتون بھانجے کے پاس آئیں اور کہا مجھے تم سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ ماجرہ ان کا مطلب سمجھ کر

اپنے میکے چلی گئی۔ جمیلہ خاتون نے بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد جس میں اپنا حق وغیرہ جتایا تھا نسیمہ خاتون کے اصلی اور فرضی وعدوں کا ذکر کیا اور کہا "اب جو ہونا تھا ہو چکی مناسب یہ ہے کہ جلد سے جلد عذرا اور جمیل کی شادی ہو جائے" ریاض خاموشی سے ان کی طول طویل گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ مقطع کے بند پر پہنچیں تو بولے۔

ریاض۔ خالہ جان جہاں تک مجھے یاد ہے اماں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔

جمیلہ۔ ہرگز نہیں نسیمہ نے کبھی مجھ سے انکار نہیں کیا۔ تم چچا بھتیجے کی وجہ سے وہ صاف صاف اقرار نہیں کر سکی تھی لیکن ان کی تو دلی آرزو تھی کہ بیٹی بھانجے سے بیاہی جائے اور ہم دونوں الگ نہ ہوں۔

ریاض۔ میں آپ سے زیادہ ان کے خیالات اور رائے سے واقف تھا۔ انھیں آپ سے اور جمیل سے بے شک بہت محبت تھی لیکن رشتوں کے معاملے میں ان کی یہ پختہ رائے تھی کہ جہاں تک ہو سکے خاندان سے باہر کیا جائے۔ طبی اصول بھی یہی ہے کہ قریبی عزیزوں میں شادی نہیں کرنی چاہیئے۔

جمیلہ۔ تم مجھ سے اپنی ڈاکٹری تو چھانٹو نہیں۔ میں نے چار سال سے عذرا کا پیام دے رکھا ہے اور برسوں سے تم لوگوں نے مجھے اُدھر میں لٹکا رکھا ہے۔ ولایت جا کر اور بڑا آدمی بن کر انسان کو اپنے کو بھول نہ جانا چاہیئے۔ مانا کہ تم اور تمہاری بہن امیروں میں بیاہے ہو مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ غریب عزیزوں کی بے عزتی کی جائے۔ میں غریب ہوں مگر اللہ نہ کرے میرا لڑکا کسی کا محتاج تو نہیں۔ اپنی محنت کی روٹی

کھاتا ہے۔ پھر آخر کیوں اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہتے ہو؟

ریاض۔ (نرمی سے) خالہ جان آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں ـــ غریبی امیری کا تو کوئی سوال ہی نہیں اور نہ خدا نخواستہ کوئی آپ کو یا جمیل کو ذلیل سمجھتا ہے لیکن شادی کا معاملہ ایسا نہیں جسے محض کسی کی خوشی یا خاطر کی وجہ سے طے کر دیا جائے۔ یہ دو آدمیوں کی ساری زندگی کا سوال ہے۔ عذرا اور جمیل کی طبیعت ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ نہ جمیل عذرا سے خوش رہ سکتے ہیں نہ عذرا ان سے۔

جمیلہ۔ ہاں میرا لڑکا بے پردگی اور آزادی کا حامی نہیں فیشن نہیں کرائے گا پردے میں رکھے گا۔ تمہیں یہی اعتراض ہے نا؟ بیوی بہنوں کو بے پردہ پھرا کر ماں کی روح کو خوش کرو گے۔

ریاض۔ خالہ جان آپ ہر معاملے میں پردہ اور مذہب کیوں لے آتی ہیں۔ یہ کیسے ثابت ہوا کہ اگر عذرا کی شادی جمیل سے نہ ہوئی، تو وہ بے پردہ اور لا مذہب ہو جائے گی۔ اور اگر آپ عذرا کو اس قدر برا سمجھتی ہیں تو آخر کیوں اس رشتے پر مصر ہیں کوئی اپنی پسند کی لڑکی تلاش کیجئے۔

جمیلہ۔ ہاں ہاں عذرا میں لال نہیں لگے۔ میں تو اسی کے بھلے کو چاہتی ہوں کہ میری بھانجی میرے پاس رہ کر میرے حکموں پر چل کر دین دنیا کی سعادت حاصل کرے۔ بہرحال صاف صاف بتاؤ کہ تمھیں کرنا ہے یا نہیں۔

ریاض۔ اور کس طرح صاف صاف کہوں۔ خالہ جان آپ میری

ماں کی جگہ ہیں اور جمیل میرا بھائی ہے۔ اور آپ دونوں سے مجھے جو محبت ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس معاملے میں میری اور چچا جان کی متفقہ رائے یہ ہے کہ یہاں شادی نہیں ہوگی۔

جمیلہ۔ (غصے سے) آخر تم چچا بھتیجے کو وہ کون سا عرش کا تارا مل گیا ہے؟ کہاں کرو گے؟

ریاض۔ یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔

جمیلہ۔ فرحت سے کرو گے؟ مہدی کا مزاج بھی دیکھا ہے؟

ریاض۔ (متانت سے) میں نے تو سبھی کا مزاج دیکھا ہے۔

جمیلہ۔ اور یاد رکھنا اگر تم نے اس ۔ بے ہودہ ۔ لفنگے ۔ کرنٹے ۔ انصار سے کیا تو اچھا نہ ہوگا ۔ پھر نہ میں تمھاری خالہ نہ تم میرے کوئی۔

ریاض۔ انصار کے بارے میں آپ کو اس طرح نہیں کہنا چاہیے اس غریب نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ باقی رہا میں۔ تو ہر حال میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھوں گا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔

جمیلہ خاتون بہت بگڑیں ناراض ہوئیں۔ ریاض، انصار، فرحت سب کو برا بھلا کہتی رہیں۔ ہاجرہ بھی آگئی تھی۔ اُس نے انھیں منانا چاہا تو اور زیادہ بگڑ گئیں اور اس غریب کو بھی سینکڑوں باتیں سُنا ڈالیں آخر دونوں میاں بیوی خاموش ہو گئے۔ اور جمیلہ بک جھک کر بہن کو یاد کرتی روتی واپس چلی گئیں۔

جمیلہ خاتون کے جانے کے اگلے دن مہدی بیگم آدھمکیں اور دھرنا دے کر بیٹھ گئیں کہ میں تو آج منہ میٹھا کر کے جاؤں گی۔ ریاض نے انھیں ٹالنا چاہا مگر وہ کسی طرح نہیں مانتی تھیں آخر ریاض کو سختی سے انکار کرنا پڑا۔

ریاض۔ چچی آپ کی یہ ضد تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ دوسرے کی لڑکی کے لئے کس طرح زبردستی کر سکتی ہیں۔

محمدی۔ تم مجھے بتاؤ بھی تو کہ آخر کیوں تم لوگ نہیں مانتے۔ فرحت میں کیا عیب ہے؟ اللہ رکھے صورت شکل میں لاکھوں میں ایک! ہزاروں روپیہ کما رہا ہے صاحب جائیداد ہے۔ تم سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ اور کیا کوئی کہیں کا بادشاہ ڈھونڈا ہے؟

ریاض۔ آپ نے جو صفات گنائیں وہ سب صحیح مگر اس کا کیا علاج کہ میں صورت، دولت، تعلیم اور خاندان کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی آپ دیتی ہیں۔

محمدی۔ اوئی اللہ۔ تو وہ پھر کون سی چیز ہے جسے تم اہمیت دیتے ہو؟

ریاض۔ میں لڑکے اور لڑکی کی طبیعت کی موافقت اور پسند ناپسند کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

محمدی۔ فرحت تو دل و جان سے چاہتا ہے کہ یہاں شادی ہو۔

ریاض۔ آپ میری بات نہیں سمجھ سکتی ہیں۔

محمدی۔ (جھک کر) سمجھ کیوں نہیں سکتی خوب سمجھتی ہوں۔ اللہ بخشے تمہاری ماں میرے لڑکے کو بے حد پسند کرتی تھیں۔ تم لڑکی کی مرضی سے ناچار ہو جو اسی نگوڑے انصار پر لٹو ہے۔ یہ جو بہو بیگم منہ میں گھنگھنیاں بھرے بیٹھی ہیں انھیں نے نند کو پر چایا ہے اور میاں کے کان بھرے ہیں۔

ریاض۔ (غصے سے) آپ کو میرے گھر کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ مجھے اختیار ہے میں جہاں جی چاہے گا اپنی بہن کا بیاہ کروں گا آپ مہربانی فرما کر آئندہ عذرا، ہاجرہ یا انصار کے متعلق کوئی بات نہ کہیں۔

محمدی۔ (بھڑک کر) اوہو سے لڑکے! مجھ بچی سے یہ زباں درازی۔ بڑے ہاجرہ عفدا انصار افلاطون کے بچے ہیں کہ انھیں کوئی کچھ نہ کہے۔ پڑی ہے میری جوتی کو غرض جو کسی کے معاملے میں دخل دوں جس کا جو جی چاہے کرے ہماری بلا سے۔ نہ جانے اس چھوکرے کو اس کالی کلوٹی نک چڑھی لونڈیا میں کون سے لعل لگے نظر آتے ہیں کہ اسی پہ مٹا ہوا ہے۔ میں تو تھوکوں بھی نہیں۔ میرے لڑکے کو ایک سے ایک بڑھ کر پڑھی لکھی خوب صورت اور امیر لڑکی مل سکتی ہے۔

فرخ سہ دری میں اپنی ننھی بچی کو دودھ پلا رہی تھی اور ان کی باتیں سن کر اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اب تک تو اس نے سُنا مگر اب ضبط نہ ہو سکا، بچی کو چھوڑ کر مُنہ غصّے سے لال سہ دری سے نکل آئی۔

فرخ۔ بس چچی بس۔ بہت کہہ چکیں۔ ہماری لڑکی کالی بدصورت نک چڑھی اور بہت بُری ہے۔ آئندہ اب اس کا نام بھی نہ لیجیے گا۔ بیاہ لائیے نا خوب صورت امیر اور تعلیم یافتہ بہو منع کس نے کیا ہے۔ واہ وا یہ خوب بات ہے ایک تو زبردستی آ آکر پیام دیں اور پریشان کریں اور اوپر سے ہمارے منھ پر ہماری بہن کو ہزاروں باتیں سُنائیں۔

محمدی۔ چل چل ری لڑکی چار دن کی چھوکری مجھ سے زبان چلاتی ہے۔ میں کیا کہتی ہوں۔ ساری دنیا ایسی ایسی باتیں کہہ رہی ہے کہ خدا کی پناہ۔

فرخ۔ جو کسی پر بہتان باندھے اس پر خدا کا غضب ہی ٹوٹے۔

ریاض فرخ کو ہٹا کر لے گئے مجدی بیگم سخت ناراض واپس آ گئیں۔

شام کو فرحت ریاض کے پاس آئے۔ اپنی ماں کی باتوں کی معافی مانگتے ہوئے کہا بھائی ان کا مزاج تو ایسا ہی ہے۔ آپ میرا خیال کیجئے۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں ہمیشہ عذرا کا خیال رکھونگا اور آپ جو چاہیں وہ شرائط کرا لیجئے۔ مگر مجھے مایوس نہ کیجئے۔

ریاض۔ بھائی اس قدر اصرار کرکے مجھے شرمندہ نہ کرو۔ عذرا میں ایسی کیا خوبی ہے آپ کو اس سے بہت بہتر لڑکی مل جائے گی۔

فرحت۔ ممکن ہے۔ مگر وہ میری پسند کی نہ ہوگی۔ آپ میرے بچپن کے دوست ہیں اور میرے خیالات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مجھے تو عذرا ہی پسند ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں سات آٹھ سال سے میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ شادی کروں گا تو عذرا سے ورنہ نہیں۔ مجھ پر بہت زور ڈالے گئے۔ بہت سی لڑکیوں کو تجویز کیا گیا مگر مجھے کوئی بھی پسند نہ آئی۔ اگر آپ نے جواب دے دیا تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔

ریاض۔ تم اس قدر جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤ۔ میری بہن میں تو کوئی بھی ایسی بات نہیں جو.......

فرحت۔ (بات کاٹ کر) یہ میں آپ سے بہتر سمجھ سکتا ہوں۔

ریاض۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں مجبور ہوں اگرچہ اعلان نہیں ہوا لیکن سال بھر سے انصار اور عذرا کی نسبت ہو چکی ہے۔

فرحت۔ (بھونچکا ہو کر) اچھا؟ اور کسی کو علم نہیں۔ آپ نے انصار کا خیال کیا اور میرا نہیں میں بھی تو آپ کا بھائی اور دوست ہوں۔

ریاض۔ مجھے بھی تمہارے خیالات کا کوئی علم نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ محمدی چچی اپنی مرضی سے پیام دے رہی ہیں۔ تم میرے بھائی اور دوست ہو اور انصار کا معاملہ نہ ہوتا تو میں تمہارا پیام ضرور منظور کر لیتا مگر انصار سے بہت پہلے وعدہ کر چکا ہوں۔

فرحت۔ اگر بالفرض انصار ولایت سے آکر انکار کر دیں تو آپ منظور کر لیں گے؟

ریاض۔ (مسکرا کر) اس قسم کی امید نہ باندھو۔ اس کا کوئی امکان نہیں۔

فرحت۔ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ شاید وہاں کوئی لڑکی ان کا دل چھین لے اگر ایسا ہو تو مجھے نہ بھولئے گا۔

ریاض ہنس کر چپ ہو رہے۔ فرحت کے جانے کے بعد انھوں نے بہن اور بیوی سے ان کی باتیں کہیں۔ فرخ کو تو اتنا غصّہ تھا کہ فرحت کا نام بھی سُننا نہ چاہتی تھی۔ ریاض نے کہا فرحت واقعی عذرا کو پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی انصار اور فرحت کا کوئی مقابلہ نہیں۔

یہ سن کر ہاجرہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ دوسرے دن ریاض دہلی روانہ ہو گئے۔

عذرا اور سیدہ بے چینی سے بہن بھائی اور بھاوج کا انتظار کر رہی تھیں۔ دونوں نے ان کے آنے کے دن گھر کو صاف ستھرا کر کے خوب سجایا۔ جابجا پھولوں کے گلدستے رکھے۔ فرخ کے لئے ایک بڑا سا آرام دہ کمرہ الگ سجایا جس میں اس کے اور اس کے دونوں بچوں کی ضرورت کی تمام چیزیں قرینے سے لگا دیں۔ اپنے ہاتھ سے کئی طرح کے کھانے تیار کئے۔ فرخ کی بچی پروین اور شمیم کے لئے دونوں خالاؤں نے کپڑے، سوئٹر موزے ٹوپیاں دفعہ تیار کر رکھی تھیں۔ آخر

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ریاض، فرخ، ہاجرہ اور اس کے دونوں بچے آگئے۔ یہ سب لوگ اس طرح تڑپ کر ایک دوسرے سے ملے جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ہوں۔ پروین کی صورت بہت پیاری تھی جیسے عین مین ننھی سی فرخ۔ شمیم بڑا ہو کر باپ سے زیادہ ملنے لگا تھا۔ دونوں بچے دن دن رات سیدہ کے گلے کا ہار رہنے لگے۔

ریاض نے پوچھا پرچے کیسے ہوئے۔ سیدہ نے خوش ہو کر بتایا کہ پرچے سب اچھے ہوگئے تھے میں اپنے کلاس میں اول آئی ہوں۔ سیدہ نے یہ بھی بتایا کہ چھوٹی باجی کے پاس ایک زنانہ ادبی جلسے کی شرکت کا بلاوا آیا ہے اور تقریر کرنے یا افسانہ سنانے کی دعوت بھی ہے۔ ریاض نے اصرار کیا کہ ضرور دعوت کو منظور کرلو۔ اور تم سب وہاں جاؤ۔

رات بھر فرخ اور عذرا باتیں کرتی رہیں۔ فرخ نے عذرا کو جمیلہ خاتون اور محمدی بیگم کی ساری باتیں سنائیں۔ عذرا جب سب کچھ سن چکی تو بولی "باجی سچ کہتی ہو آج تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک طرف تو یہ لوگ مجھے اس قدر برا بھلا کہتے ہیں، اور دوسری طرف اس قسم کی کوشش کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟"

فرخ نے کہا بھائی جان کی مرضی ہے کہ سیدہ کے امتحان کے بعد فوراً اس کی شادی کردی جائے۔

عذرا۔ بھائی جان کو ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ذرا سی تو بچی ہے۔

فرخ۔ اماں کی وصیت بھی یہی تھی۔ چچا جان اور صغرا بھی جلدی

کر رہے ہیں۔ ان سب کا خیال ہے کہ شادی ہو جانے سے طبیعت بہلے گی اور صدمہ دور ہو گا۔ (مسکرا کر) وہ لوگ تو ورا اصل تمہاری شادی بھی بہت جلد کر دیتے مگر کیا کیا جائے انصار بھائی جلی ہی دیئے۔

عذرا نے سُنی ان سُنی کر کے کہا "باجی سیدہ کی شادی ہو گئی تو میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی۔ آج تک تو میں اس سے ایک دن کو بھی الگ نہیں ہوئی۔"

فرخ۔ اللہ رکھے بھائی ہیں، دلھن بھابی ہیں۔ کچھ دن میں خیر سے بچہ ہو جائے گا دل بہل جائے گا۔

عذرا۔ (آنسو بھر کر) یوں تو جب اماں کے بغیر زندہ ہوں، تو اللہ رکھے سیدہ کو اس کے سدھارنے کے بعد بھی مر نہ جاؤں گی۔ مگر پھر بھی اس کی جدائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو گی۔

فرخ۔ بھائی جان چاہتے ہیں کہ تم سیدہ سے اس کی رائے دریافت کر لو۔

عذرا۔ (گھبرا کر) میں کیسے چھوٹی بہن سے ایسی بات کہوں گی۔ اور خواہ مخواہ اسے ستانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اصغر کو وہ ہرگز ناپسند نہیں کر سکتی۔ سالانہ امتحان سے پہلے اس قسم کا ذکر کرنا بھی نہیں چاہئے۔ تین چار مہینے اس کے امتحان میں رہ گئے ہیں اس کے بعد اسے سُنا دیا جائے گا۔

فرخ۔ آخر گھر میں تیاری جو ہو گی۔

عذرا۔ خیر خود سے سمجھ لے تو اور بات ہے۔ ابھی سے تو اسے فکر میں نہ ڈالو امتحان کی خاک تیاری نہ ہو سکے گی۔

فرخ۔ صغرا نے لکھا ہے کہ میں جلد ہی آنے والی ہوں۔ آکر نسبت کی رسم کروں گی۔ کہتی ہے میرے بس ایک یہ بھائی ہی ہے اس وقت

اپنے ارمان نہ نکالوں گی تو کب نکالوں گی؟

عذرا۔ خیر تو میں سیدہ سے ذکر کر دوں گی۔

فرخ۔ ہاں۔ اور اسے سمجھا بھی دینا کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ اطمینان سے پڑھتی رہے اسے کہیں غیر جگہ تو جانا نہیں۔ گھر کی گھر میں رہے گی۔

عذرا۔ بھلا باجی شادی کے ذکر کے بعد اطمینان کہاں۔ اپنی بات یاد کرو۔

فرخ۔ کہتی تو سچ ہو۔ وہ بے فکری، آزادی، خود مختاری، الھڑ پن اب کہاں؟ یہ سب باتیں کنوارپنے کی زندگی کے بعد ختم ہو جاتی ہیں جان کو ہزاروں فکریں سینکڑوں جنجال لگ جاتے ہیں۔

چھبّیسواں باب

اصغر علی گڑھ سے بی ٹی کر چکا تھا۔ اُسے وہاں جونیر لکچرار کی جگہ مل رہی تھی مگر اس کی خواہش تھی کہ بمبئی جا کر تعلیم کے جدید طریقے سیکھے۔ سب کی رائے سے یہ طے ہوا کہ پہلے شادی ہو جائے پھر اصغر مزید تعلیم کے لئے بمبئی چلا جائے اپریل میں سیدہ کا امتحان ہوا اور مئی کے شروع میں دہلی ہی سے سیّدہ اور اصغر کی شادی نہایت سادگی کے ساتھ ہو گئی۔ محمد احسان رسم رسوم دھوم دھڑکے کے خلاف تھے اور ان کے حکم کے خلاف کون کرسکتا؟ جہیز کے لئے بہت کچھ تو نسیمہ خاتون تیار کر گئی تھیں جو کسر تھی وہ ریاض نے پوری کر دی ہزار روپیہ نقد دیا۔ صغرا نے ماں کے بھاری جوڑے کے علاوہ کئی عمدہ فیشن کے مطابق جوڑے بنائے۔ اور بھاری بھدّے زیور کو تڑوا کر نئے فیشن کا جڑاؤ اور ڈائمنکٹ زیور بنوا کر چڑھایا۔

جمیلہ خاتون کو دو مرتبہ ریاض نے اصرار کرکے بلایا مگر وہ نہ آئیں۔ دوسرے خط کے جواب میں بھانجے کو بہت برا بھلا لکھا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ بڑی بہن بیٹھی رہے اور چھوٹی کا بیاہ کر دیا جائے دنیا کیا کہے گی؟ اگر تمھیں مجھے شریک کرنا منظور ہے تو عذرا کو مجھے دو۔ میں بھی ساتھ ہی برات لے کر آجاؤں گی۔ بھلا اس کا ریاض کیا جواب دیتے۔ چچا کو خط دکھایا تو انھیں بہت غصہ آیا کہ نہیں آتیں تو نہ آئیں عذرا ان کی خوشی پر بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

غرض خوش اسلوبی اور سادگی سے اصغر اور سیدہ کی شادی ہو گئی اور بی صغرا بڑے ارمان حوصلے سے بھاوج کو بیاہ کر اکبر پور لے آئیں۔ اپنے گھر میں اتارا اور بڑے دھوم دھام سے ولیمہ کیا۔

فرخ بہن کی شادی میں شرکت کے لئے آئی تھی۔ ہفتے بھر تک شادی کا ہنگامہ رہا۔ دن بھر کے لئے یہ سب لوگ ولیمہ کی دعوت میں شریک ہونے اکبر پور گئے۔ وہاں سے آکر اگلے دن جب عذرا پڑوس میں کسی سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھی موقع دیکھ کر فرخ نے ہاجرہ سے کہا:

"دلھن بھابی کئی دن سے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں"

ہاجرہ۔ (پاس بیٹھ کر) کیوں فرخ باجی کیا بات ہے؟

فرخ۔ کچھ دن ہوئے لندن سے رضیہ کا خط میرے نام آیا تھا جس سے پتہ چلا کہ وہ اور خالو ابا انصار بھائی کے قریب ہی کسی فلیٹ میں رہتے ہیں۔ خیر میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ابھی کوئی دو تین ہفتے ہوئے خالو ابا کا خط خالہ کے نام آیا جو اتفاق سے میرے ہاتھ پڑ گیا اس میں لکھا تھا کہ انصار اور رضیہ کا میل جول بہت بڑھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رضیہ انصار کو پسند کرنے لگی ہے اور وہ بھی اس پر مائل معلوم ہوتا ہے۔

مجھے ان دونوں کا میل جول ناپسند ہے۔ انصار کانگرسی خیالات رکھتا ہے اس کا مستقبل بھی شاندار نہیں نظر آتا۔ اخبار کے کام میں پیٹ بھر روٹی مل جائے تو بھی غنیمت ہے۔ وہ رضیہ کے قابل نہیں تم رضیہ کو سمجھاؤ کہ میں اور تمھارے باپا تمھارے لئے انصار کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ مجھے اس خط کو پڑھ کر بڑی فکر ہو گئی۔ اور اس کرید میں رہی کہ دیکھوں خالہ کیا جواب دیتی ہیں! انھوں نے میاں کو لکھا کہ مجھے انصار بہت پسند ہے۔ رضیہ کو کیوں منع کرو تم خود انصار سے میل جول بڑھاؤ اور اس پر اپنا اثر ڈال کر اسے بیرسٹری کرنے کی یا سول سروس کے امتحان میں بیٹھنے کی ترغیب دو اگر وہ اس پر تیار ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ وہ بڑا ذہین اور قابل لڑکا ہے بہت ترقی کرے گا۔ لیکن میں نے سنا یہ ہے کہ وہ عذرا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم رضیہ کو ملنے جلنے سے نہ روکو بلکہ اور زیادہ موقع دو۔ البتہ اگر وہ اپنے خیالات پر اور اخبار کے کام پر اڑا رہا تب بے شک اس سے رضیہ کو بچانا چاہئے۔ اسی قسم کا مضمون سارے خط کا تھا۔

ہاجرہ۔ (فکرمند ہو کر) یہ تمہاری ساس تو بڑی حرفوں کی بنی ہوئی نکلیں ــــ بظاہر بڑی ہمدرد اور غمگسار بنتی ہیں۔ تبھی اماں جان مرحومہ کو مشورہ دیا تھا کہ انصار بڑا خودسر اور ضدی لڑکا ہے۔ فرحت بہت اچھا ہے۔ اس سے عذرا کی نسبت کر دو۔ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ ان کا اپنا دل انصار بھائی پر آگیا ہے۔

فرخ۔ مجھے تو سوچ ہے کہ انصار بھائی پر رضیہ کا جادو نہ چل جائے مجھے کہنا تو نہیں چاہئے۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ بڑی چالاک لڑکی ہے۔ اسے تو ہمیشہ سے عذرا سے لاگ ہے۔ اور وہ عورتوں کے سارے

ہتھیاروں سے کام لینا جانتی ہے۔
ہاجرہ۔ یقین نہیں آتا کہ انصار بھائی عذرا کے علاوہ کسی اور کا دل میں خیال بھی لائیں۔ وہ دل و جان سے اس پہ فریفتہ ہیں۔
فرخ۔ بھابی مرد کے دل کا کیا اعتبار۔ پھر نوجوان، کنوارا، سیدھا سادہ لڑکا چالاک عورت چاہے تو دم بھر میں اپنے قبضے میں کر سکتی ہے۔ میں تو خود ہمیشہ ڈرتی رہتی ہوں۔ نسیم صاحب اگرچہ اپنی وفاداری اور فریفتگی کا راگ اکثر الاپا کرتے ہیں مگر میں ہمیشہ چوکنی رہتی ہوں کہ کسی دوسری کے دام میں نہ پھنس جائیں۔
ہاجرہ۔ (گہری سوچ میں) انصار بھائی سے یہ امید نہیں۔ وہ بہت نیک طبیعت کے ہیں۔
فرخ۔ تم سب کو بھائی جان پر قیاس کرتی ہو۔ وہ فرشتہ صفت انسان ہیں۔ ان کا ساہر کوئی نہیں ہوتا۔
ہاجرہ۔ تمہارے بھائی آئیں تو انھیں بھی بتانا۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ ریاض آئے تو سب باتیں ان سے کہی گئیں۔ وہ بھی فکرمند ہو گئے۔ کیونکہ خوب جانتے تھے کہ اگرچہ عذرا نے خود ہی شادی اور نسبت کو توا میں ڈالا اور بظاہر بے پروائی کا برتاؤ کرتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انصار کی ہو چکی اور اگر انصار نے بے وفائی کی تو عذرا کی جان پہ بن جائے گی۔ مگر انھوں نے یہی کہا کہ ڈپٹی صاحب اور ان کی بیوی بیٹی کچھ بھی کیوں نہ کریں اور کہیں انصار پہ اثر نہیں ڈال سکتے۔
ہاجرہ اور فرخ نے مشورہ کیا کہ رضیہ اور انصار کو خط لکھ کر

اس بات کی کچھ ٹوہ لی جائے۔ فوراً ہی خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر اسی وقت عذرا آ گئی اور بات ٹل گئی۔

عذرا۔ ہاجرہ، سیدہ کے بغیر گھر کیسا سُونا سُونا لگتا ہے۔

ہاجرہ۔ ہاں میرا بھی بڑا جی گھبراتا ہے۔ شمیم اور پروین بھی ہر وقت اسے یاد کرتے ہیں۔

عذرا۔ مجھے تو ایک ایک منٹ دو بھر ہو رہا ہے۔ نہ جانے کب آئیگی۔ خط بھی نہیں لکھا۔

ہاجرہ۔ بھئی نئی دلھن ہے۔ ابھی دولھا کے چاؤ چونچلوں سے اُسے کہاں فرصت ہو گی۔

عذرا۔ (طنز سے) جی ہاں۔

ہاجرہ۔ تم ابھی کیا جانو ان باتوں کو۔ جب وقت آئے گا تو پوچھیں گے۔

عذرا۔ ہٹو بھی۔ میں جا رہی ہوں مجھے خط لکھنے ہیں۔

ہاجرہ۔ عذرا تم نے انصار بھائی کے دوسرے خط کا بھی جواب نہیں دیا؟

عذرا۔ مجھے خط لکھنے کا خبط نہیں کہ ہر ایرے غیرے کو لکھتی پھروں۔

ہاجرہ۔ (مسکرا کر) انصار بھائی ایرے غیرے ہیں؟

عذرا۔ اُنہہ۔

ہاجرہ۔ ایمان سے بتاؤ تمھارا اُنھیں خط لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

عذرا۔ تم خواہ مخواہ پیچھے پڑ جاتی ہو۔

ہاجرہ۔ میں آج انصار بھائی کو خط لکھوں گی تم ایک ذرا سا پُرزہ ہی لکھ دو۔ وہ دیکھ کر کس قدر خوش ہوں گے۔

عذرا۔ (جس کا چہرہ شرم سے گلابی ہو گیا تھا) تم لکھ دو۔ میرے ہی

لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔
ہاجرہ۔ میری بات اور ہے تمہاری اور۔
عذرا۔ (بے ساختہ) تو کیا تم نے بھائی جان کو خط لکھے تھے؟
ہاجرہ۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے؟ دولہا کو خط لکھتے شرم آتی ہے۔
عذرا۔ (جھیپ کر) تم تو مجھے ستانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہو۔ کیا میں نے کبھی خط لکھا نہیں؟
ہاجرہ۔ کسے؟
عذرا۔ انصار ــــ ما ــــ
ہاجرہ۔ (مسکرا کر) ہاں ہاں کہتے کہتے رک کیوں گئیں کہو نہ انصار ماموں کو۔
عذرا۔ (جھنجھلا کر) کہنے کو کیا ہوا۔ سو مرتبہ کہہ سکتی ہوں ــــ ان ــــ ہٹو بھئی میں جا رہی ہوں۔
ہاجرہ۔ عذرا تم بڑی بے درد ہو۔ کبھی ان کا ذکر نہیں کرتیں۔ خط نہیں لکھتیں کیا تمھیں کبھی انصار بھائی یاد نہیں آتے؟
عذرا۔ (سر ہلا کر) نہ۔
ہاجرہ نے ہاتھ سے عذرا کا جھکا ہوا سر اونچا کیا تو دیکھا کہ عذرا کی آنکھوں میں شرم اور محبت کے علاوہ آنسو بھی جھلک رہے ہیں۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ ہاجرہ کے آنسو ٹپک گئے۔ اور عذرا کے آنکھوں ہی میں رہے۔

ہاجرہ نے انصار کو خط لکھا۔
میرے پیارے انصار بھائی۔ آداب۔ سیدہ کی شادی کی مصروفیت

کی وجہ سے آپ کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی معاف کیجئے گا۔
چھ سات دن ہوئے سیدہ خیر سے رخصت ہو کر سدھار گئی اصغر کا ارادہ مہینہ بھر بعد بمبئی جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کا ہے۔

میں نے ایک عجیب خبر سُنی ہے جس کا یقین نہیں آتا۔ سنا ہے کہ آپ کا خان بہادر اور رضیہ سے بڑا میل جول بڑھ گیا ہے اور روایت تو یہ بھی ہے کہ آپ رضیہ پر ریجھ گئے ہیں۔ لیکن یہ مستند خبر ہے کہ وہ اور اس کی ماں ضرور آپ پر ریجھی ہوئی ہیں اور چاہتی ہیں کہ عذرا کی طرف سے آپ کا دل پھیر دیں اور اپنا بنا لیں۔ آپ سیدھے سادے آدمی ہیں۔ رضیہ کے چھل بٹوں سے واقف نہیں۔ ذرا ہوشیار رہیئے گا۔ میں نے چھ سال اس کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ بس خدا پناہ ہی میں رکھے اس سے۔

میں نے آپ کا دوسرا خط بھی عذرا کو دے دیا تھا۔ اس نے جواب اس کا بھی نہیں لکھا مگر اس سے یہ نہ سمجھئے گا کہ اس کو آپ کا خیال نہیں۔ وہ لوگوں کے خصوصاً اپنی خالہ کے خیال سے خط نہیں لکھتی۔ یوں بھی آپ جانتے ہیں کہ اس میں حیا کا مادہ زیادہ ہے۔ لیکن اس کی جان آپ میں اٹکی ہوئی ہے۔ آپ کا ذکر آتا ہے تو اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ آج ہی میں نے اس سے پوچھا تمھیں انصار بھائی یاد نہیں آتے؟ تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ میرے پاس سے بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ دوسروں کے سامنے بہت کم روتی ہے۔ بہر حال یاد رکھئے گا وہ دل و جان سے آپ کی ہے۔ آپ کی طرف سے بے التفاتی ہوئی تو اس کا زندہ

رہنا مشکل ہے۔

خالہ جان اور محمدی چچی نے بہت زور لگایا۔ فرحت نے خود آکر آپ کے بہنوئی کی خوشامد کی مگر انھوں نے سب سے صاف انکار کر دیا۔ پھر بھی وہ لوگ کوشش کئے جا رہے ہیں۔ مگر عذرا کے بھائی اپنے ارادے میں پکے ہیں۔

دادا ابا بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ جب سے آپ گئے ہیں کسی نے انھیں ہنستے نہیں دیکھا اماں جان کے انتقال کا بھی انھیں سخت صدمہ ہوا ہے۔

"وہ" اور فرخ باجی سلام و دعا کہتے ہیں۔ عذرا کی طرف سے جو چاہے سمجھ لیجئے۔ جواب بہت جلد دیجئے گا ورنہ فکر رہے گی۔

آپ کی بہن
ہاجرہ

ہاجرہ نے خط فرخ کو دے کر کہا۔ تم بھی اس خط کی پشت پر جو لکھنا ہے لکھ دو۔ اور آج ہی رضیہ کو بھی خط لکھ دینا اور خط ڈلوا دینا تاکہ اسی ہفتے نکل جائے۔ فرخ نے خط ہاجرہ سے لے لیا۔

ستائیسواں باب

لندن میں بیکر اسٹریٹ کی ایک چھ منزلہ عمارت کے ایک فلیٹ میں مسز اسمتھ رہتی تھیں۔ دو کمرے ان کے اور ان کی لڑکیوں کے لئے مخصوص تھے۔ ایک ڈرائنگ روم اور ایک سٹنگ روم تھا اور دو کمرے وہ طالب علم لڑکوں کو کرایہ پر دے دیتی تھیں۔ عام طور پر ان کے کرایہ دار ہندوستانی لڑکے ہوتے تھے۔ آج کل ان کے ہاں ایک مختصر سے آراستہ کمرے میں جس کے ساتھ چھوٹا سا باتھ روم بھی ہے، انصار رہتے ہیں۔ دوسرے کمرے میں جنوبی ہند کا ایک ہندو لڑکا۔

مسز اسمتھ ادھیڑ عمر کی خوش مزاج اور سلیقہ شعار عورت ہیں، انھیں ہندوستانیوں سے خاص دلچسپی ہے اور ہندوستان کے متعلق جو لٹریچر شائع ہوتا ہے اس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتی ہیں۔

شروع شروع میں وہ عام یورپین لوگوں کی طرح ہندوستانیوں کے بارے میں عجیب عجیب خیالات رکھتی تھیں لیکن اب برسوں سے ان کے ساتھ رہتے رہتے انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہندوستانی بھی یورپ والوں کی طرح انسان ہوتے ہیں۔ مافوق الفطرت مخلوق نہیں۔ ان میں بھی انسانی فطرت کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں پائی جاتی ہیں۔ وہ بھی جذبات اور احساسات اور دماغ رکھتے ہیں ان میں سب شہزادے اور رئیس ہی نہیں ہوتے، بلکہ متوسط طبقہ بھی موجود ہے اور غریب کنگال عوام بھی۔ مسز اسمتھ اپنے کرایہ دار طالب علموں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان کے آرام کا ہر طرح لحاظ کرتیں اور ماں کی سی شفقت کا برتاؤ کرتی تھیں۔ شوہر کا انتقال ہو چکا تھا صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی صوفیا ایک دکان میں کام کرتی تھی اور چھوٹی روزا اسکول میں پڑھتی تھی۔ انصار سال بھر سے مسز اسمتھ کے ہاں رہتے تھے۔ وہ جاڑے کے زمانے میں یہاں پہنچے اور اس کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے اتنی سخت سردی برداشت نہ کر سکے اور انفلوئنزا میں مبتلا ہو گئے۔ مسز اسمتھ نے نہایت محنت سلیقے اور جانفشانی سے انصار کا دوا علاج اور تیمارداری کی۔ اور انصار سے ان کو خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔ انھیں انصار بہت پسند تھے۔ وہ گھنٹوں انصار سے ہندوستانیوں کے متعلق باتیں پوچھا کرتیں۔ ہندوستانی طور طریقے، رسم و رواج، طرز معاشرت وغیرہ کا حال سن کر بہت محظوظ ہوتیں۔ بار بار کہتیں۔ اوہ کیسے رومانٹک — کیسے سویٹ — کیسے دل کش — طریقے ہیں۔ انصار ہنستے اور کہتے کہ ان رسم و رواج میں بہت سے نقائص ہیں — ہندوستانی پردے کا حال سن کر بے شک بچاری مسز اسمتھ بہت پریشان ہوتی تھیں اور

کہتی تھیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا ہندوستانی عورتیں پتھر یا اسٹیل کی بنی ہوئی ہیں جو ایسی قید و بند کی زندگی بسر کرتی ہیں اس پر انصار انھیں ہندوستانی عورت کی طبیعت خیالات اور عقائد سمجھانے کی کوشش کرتے جو ان کی سمجھ میں بہت کم آتے تھے۔ انصار کے پاس ہاجرہ فرخ عذرا سیدہ وغیرہ کی تصویریں تھیں جنھیں دیکھ کر مسز اسمتھ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستانی لیڈیز حسنِ مجسم ہوتی ہیں۔ انھیں ان سب میں عذرا سب سے زیادہ پسند آئی۔ انصار نے کہا یہ تو معمولی صورت اور سانولے رنگ کی لڑکی ہے لیکن وہ اسی پر مُصر تھیں یہ سب سے زیادہ حسین ہے اور ان کا خیال تھا کہ سانولا رنگ خوبصورت ترین رنگ ہے۔ انصار ہنستے اور کہتے کہ ہمارے ہاں تو اکثر لوگ سانولے رنگ والے کو بدصورت سمجھتے ہیں۔ اور وہاں گورے رنگ پر لوگ جان دیتے ہیں۔ ایک دن انصار نے مسز اسمتھ کو بتایا کہ یہ لڑکی جو آپ کو پسند ہے مجھے بھی سب سے زیادہ پسند ہے اور میری منگیتر ہے۔ یہ سُن کر مسز اسمتھ بہت خوش ہوئیں۔ پوچھا آپ کی منگیتر آپ کو خط تو لکھتی ہی ہوگی۔ انصار نے انھیں بتایا کہ ہمارے ہاں یہ بڑی معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔ اور اکثر میاں بیوی پہلے سے ایک دوسرے کی شکل سے بھی واقف نہیں ہوتے لیکن میں اور یہ لڑکی بچپن سے ساتھ رہے ہیں ایک دوسرے کو خط بھی لکھتے تھے مگر اب وہ شرم کی وجہ سے نہیں لکھتی۔ مسز اسمتھ کی سمجھ میں کسی طرح یہ نہیں آیا کہ خط لکھنے میں شرم کی کون سی بات ہے۔

انصار یہاں اپنے گھر سے زیادہ آرام سے رہتے تھے۔ وہ دیکھتے

کہ بغیر کہے ان کے موزوں میں رفو ہو جاتا ہے۔ موزے رومال اور کالر دھو دیئے جاتے ہیں، کپڑے استری کئے ہوئے ملتے ہیں۔ وقت پر غسل خانے میں گرم پانی موجود ہوتا ہے۔ کمرہ صاف ستھرا اور سجا ہوا ملتا ہے۔ جوتے ہمیشہ چمکدار رہتے ہیں غرض ان کی ضرورت اور آرام کا ہر طرح خیال کیا جاتا ہے اکثر انصار سوچتے کہ ہندوستانی عورت اور یورپین عورت میں کس قدر فرق ہے۔ وہ بچوں اور شوہر کو بھی اتنا آرام نہیں دیتی جتنا یہ غیر لوگوں کو دیتے ہیں۔ لیکن وہ انصاف پسند تھے۔ ساتھ ہی خیال آتا کہ ہندوستانی عورتوں کو جس قسم کے کام، جھگڑے، مصیبتیں، مشکلیں، پریشانیاں وغیرہ ہوتی ہیں ان کو برداشت کرنا اسی کا کام ہے۔ یورپین عورت پر اس سے چوتھائی بھی پڑیں تو اس کی ہستی گم ہو جائے۔ ہندوستان غریب جاہل۔ گندا۔ غلام ملک۔ جہاں عورتوں کی حالت جانوروں کی سی ہے ان سے غلاموں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ بچاری کرے تو کیا۔ ہم یہاں کی صفائی ستھرائی کو سراہتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارا ملک کس قدر گرد و غبار سے اٹا ہوا ملک ہے۔ جہاں جتنی چاہیے صفائی کرو گھر صاف نظر نہ آئے گا۔ پھر جن عورتوں کو آٹھ دس گھنٹے پکانے میں صرف ہو جائیں اور پر سے دسیوں بچوں کی پیدائش، پرورش ان کے ذمہ، شوہروں اور سسرال والوں کی محکومی اور غلامی اس پہ طرّہ۔ بھلا وہاں عورت کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ وہ کہاں سے اتنا وقت لائے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف دھیان دے۔ اس غریب کو تو چوبیس گھنٹے میں سے آدھ گھنٹہ بھی تفریح کے لئے نصیب نہیں ہوتا۔

تین چار مہینے سے ڈپٹی نعیم احمد اور رضیہ، انصار کے مکان سے قریب ہی ایک ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اکثر شام کو چہل قدمی کے وقت یا اتوار کے دن دوپہر کو اور کسی تعطیل میں رضیہ اور انصار کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ اکثر رضیہ انصار کے ہاں ملنے آتی کبھی اس کو اپنے ہاں کھانے چار وغیرہ پر مدعو کرتی۔ کبھی کبھار نعیم احمد بھی آجاتے۔ انصار پہلے تو ان باپ بیٹی سے بہت گھبرایا کرتے تھے، لیکن اب ایک تو پردیس میں یونہی اپنے ہم وطن لوگوں سے انسیت بڑھ جاتی ہے دوسرے بچارے انصار اُبلا اور بدبودار کھانا کھاتے کھاتے عاجز آگئے تھے۔ اب جو رضیہ نے اُسے سموسے شامی کباب پلاؤ قورمہ، ماش کی دال اور پھلکیاں اور پوریاں کھلائیں تو انصار کو یہ سب نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئیں۔ وہ بڑے شوق سے رضیہ کی دعوت قبول کرتے اور بدلہ میں اکثر اپنے ہاں دعوت میں بھی بلانا پڑتا۔ کبھی سینما چلنے کی دعوت دیتے کبھی تھیٹر یا پک نک پارٹی میں۔ رضیہ نہایت خوشی سے اس کی دعوت قبول کرتی اور بڑے انہماک سے اس کی دعوت میں اپنے ہاتھ سے چیزیں پکا کر کھلاتی۔ وہ انصار کی اس کمزوری کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ انصار نے ایک آدھ مرتبہ محسوس کیا کہ رضیہ عذرا کے ذکر کو پسند نہیں کرتی اور جب کبھی اس کا ذکر ہوتا ہے اسے ٹال کر دوسری باتیں چھیڑ دیتی ہے۔

آج ہندوستانی ڈاک کا دن تھا۔ انصار کے پاس کئی ہفتے سے کسی کا خط نہیں آیا تھا اور وہ بے چینی سے ریاض اور ہاجرہ کے خط کے

منتظر تھے۔ ایک موہوم سی امید یہ بھی تھی کہ شاید عذرا کا خط بھی آجائے۔

وہ انتظار میں بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ملازم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آکر ایک چاندی کی ننھی سی ٹرے میں ملاقاتی کارڈ پیش کیا جس پر سنہری حرفوں میں "رضیہ نعیم بی۔ اے" لکھا ہوا تھا۔ انصار نے کہا مسٹر جولی ان کو یہاں لے آؤ۔ چند لمحے بعد رضیہ خوب صورت ریشمی ساڑی اس پر فر کا لمبا کوٹ پہنے، جدید ترین فیشن کے بال بنائے اندر داخل ہوئی۔ یورپ کی صحت بخش آب و ہوا کا اثر صاف اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا، رنگ پہلے سے زیادہ صاف ہو گیا تھا اور رخساروں پر دلآویز سرخی جھلکتی تھی۔ نہایت احتیاط اور خوب صورتی سے میک اپ کیا ہوا، سرخ ہونٹ گلابی گال، بالوں میں مصنوعی گھونگھر، ہلکا ہلکا جڑاؤ زیور، پاؤں میں چار انچ اونچی ایڑی کا سینڈل لچکتی ہوئی انصار کے کمرے میں داخل ہوئی۔ انصار نے کتاب پلٹ کر پاس کی میز پر رکھ دی اور اٹھ کر خیر مقدم کیا۔ تپاک سے شیک ہینڈ ہوا۔ رضیہ ایک گدے دار کرسی پر بیٹھ گئی اور انصار اس کے پاس دوسری کرسی پر۔

رضیہ۔ آج موسم بہت خوشگوار ہے۔

انصار۔ ہاں شکر ہے آج کئی دن کے ابر اور کہر کے بعد دھوپ کی شکل نظر آئی۔ مجھے تو یہاں کا موسم بالکل پسند نہیں۔

رضیہ۔ مجھے تو بہت پسند ہے۔ مزے سے آتش دان کے سامنے بیٹھے مطالعہ کرتے رہو اور کافی پیتے رہو۔ ہندوستان کی گرمی خدا کی پناہ۔ خیال ہی سے پسینہ آجاتا ہے۔

انصار۔ بھئی مجھے تو یہاں کی سردی کے مقابلے میں ہندوستان کی گرمی لاکھ درجہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اب سردیاں آرہی ہیں اور میری روح فنا ہوئی جاتی ہے۔

رضیہ۔ خیر آج کا موسم تو آپ کی پسند کا ہے۔ گھر میں بند کیوں بیٹھے ہیں چلئے کہیں سیر کو چلیں۔

انصار۔ آج ہندوستانی ڈاک کا دن ہے نا۔ ایک بجے آئے گی۔ اس کے انتظار میں ہوں۔

رضیہ۔ (ہنس کر) اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ پاپا کو بھی ممی کے خط کا انتظار ہوگا۔ اسی لئے وہ بھی باہر نہیں گئے۔

انصار۔ (مسکرا کر) تعجب ہے آپ بھول جاتی ہیں میں تو کبھی نہیں بھولتا۔

رضیہ۔ مجھے خطوں کا شوق نہیں۔ نہ زیادہ لکھتی ہوں اور نہ چاہتی ہوں کہ میرے نام بہت سے خط آئیں۔

انصار نے کافی منگائی دونوں نے پی۔ ایک بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ مس جولی اجازت لے کر اندر آئی اور ٹرے میں ڈاک پیش کی۔ انصار نے بیتابی سے ڈاک اٹھالی۔ دو تین اردو کے رسالے اخبار تھے۔ دو خط اس کے دوستوں کے تھے اور ایک پر ہاجرہ کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ انصار نے جلدی سے ہاجرہ کا خط چاک کیا۔ القاب پڑھا تو تعجب کے آثار چہرے سے ظاہر ہوئے پلٹ کر لکھنے والے کا نام دیکھا اور رضیہ سے بولے۔

انصار۔ ذرا یہ تماشہ دیکھئے گا۔ فرخ نے آپ کو خط لکھ کر میرے لفافے میں رکھ دیا ہے۔

رضیہ۔ میرے نام؟ لائیے دیکھوں۔
انصار۔ یہ لیجئے۔ شاید یہ سوچا ہو کہ آپ میرے قریب ہی رہتی ہیں، میں دے دوں گا۔ پیسے بچیں گے۔
رضیہ۔ (ہنس کر) کنجوسی کی حد ہو گئی۔
انصار نے رضیہ کو خط دے کر لفافے میں دیکھا کہ شاید اس کے نام کا خط ابھی لفافے میں ہو مگر وہ خالی تھا۔ اُسے بہت مایوسی ہوئی۔
انصار۔ خدا جانے کیا قصہ ہے۔ پتہ میرا، ہاجرہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اندر سے خط فرخ کا نکلا۔ اور نام رضیہ کے۔ میرے نام دونوں میں سے ایک نے بھی نہ لکھا۔
رضیہ نے خط پڑھا تو اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ، اور ماتھے کی شکنوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات سخت ناگوار گزری ہے۔ انصار کا جی چاہتا تھا کہ رضیہ سے فرخ کا خط مانگ کر پڑھے مگر تہذیب اجازت نہ دیتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔
انصار۔ کہئے خیریت ہے۔
رضیہ۔ (اپنی طبیعت پر قابو پا کے) جی ہاں۔
انصار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاجرہ اور فرخ نے ساتھ خط لکھا اور غلطی سے آپ کے لفافے پر میرا پتہ اور میرے پر آپ کا پتہ لکھ دیا غالباً میرے نام کا خط آپ کے لفافے میں نکلے گا۔
رضیہ۔ ممکن ہے۔
انصار۔ ایسا ہو تو مجھے آج ہی بھیج دیجئے گا۔ اور کوئی نئی خبر؟

رضیہ ۔ جی ہاں، سیدہ کی شادی اصغر سے ہوگئی۔

انصار ۔ خوب ہمیں معلوم بھی نہ تھا کب ہوئی؟

رضیہ ۔ اس خط کے لکھے جانے سے ہفتہ بھر پہلے۔

انصار ۔ عذرا کا کچھ ذکر لکھا ہے؟

رضیہ ۔ لکھا تو ہے۔

انصار ۔ کیا؟

رضیہ ۔ آپ کو سُن کر افسوس ہوگا۔

انصار ۔ (گھبرا کر) کیوں کیا بات ہے وہ اچھی تو ہیں؟

رضیہ ۔ جی ہاں بالکل اچھی ہیں۔

انصار ۔ پھر کیا ہے۔ آپ چھپا رہی ہیں بتائیے نا؟

رضیہ ۔ مجھے یہ خیال ہے کہ آپ کو سُن کر رنج ہوگا اور آپ کے رنج سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔

انصار ۔ رضیہ بہن بتا دیجئے مجھے اُلجھن ہو رہی ہے۔

رضیہ ۔ آپ کا اس قدر اصرار ہے تو سُنئے۔ بھابی نے لکھا ہے کہ سیدہ کی شادی ہوگئی اور اب سب کا اصرار ہے عذرا کی شادی بھی بہت جلد کر دی جائے۔ فرحت حسن کا پیام سب کو پسند ہے صرف عذرا کی مرضی لینی باقی ہے۔ اگر وہ بھی [illegible] ہو گئیں تو بہت جلد شادی ہو جائے گی۔

انصار سکتے میں رہ گئے۔ ان کے چہرے کا رنگ بار بار بدلنے لگا۔ انھوں نے اپنا سر کرسی کے ہتھے پر رکھ دیا اور کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ رضیہ چند منٹ انصار کی حالت کو بغور دیکھتی رہی

پھر اُٹھ کر انصار کی کرسی کے پیچھے پر جا بیٹھی اور ایک ادا کے ساتھ انصار پر جُھک کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی:
"اسی لئے میں بتاتی نہیں تھی کہ آپ کو رنج ہوگا۔ آپ کیوں رنج کرتے ہیں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔"

انصار۔ (دیوار کی طرف نظر جمائے ہوئے) ایسا نہیں ہوسکتا ریاض بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ اپنے وعدے سے پھرنے والے آدمی نہیں۔

رضیہ۔ بعض وقت آدمی کو دوسروں کی رائے کے سامنے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ وہ اپنے چچا سے بہت دبتے ہیں۔ وہ ہیں بھی بڑے ضدّی آدمی۔ ممکن ہے انھیں نے یہ طے کیا ہو۔

انصار۔ کچھ ہو۔ عذرا کبھی اس پر راضی نہ ہوگی۔

رضیہ۔ میں اس لئے کچھ کہتے ڈرتی ہوں کہ آپ بدگمانی نہ سمجھیں مگر میرا اندازہ تو یہ ہے کہ شادی کے لئے عذرا آپ کو پسند نہیں کرتی۔

انصار۔ نہیں ـــــ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ عذرا مجھے ضرور پسند کرتی ہے ـــــ وہ میری ہے۔

رضیہ۔ خدا کرے آپ کا خیال درست ہو۔

انصار۔ ضرور درست ہے۔ یقیناً۔

رضیہ۔ کبھی عذرا نے آپ کو خط لکھا؟

انصار۔ خط لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ محبت خطوں کی پابند نہیں۔

رضیہ۔ آپ نے بھی نہیں لکھا؟

انصار۔ میں نے تو کئی خط لکھے۔

رضیہ۔ پھر بھی انھوں نے جواب نہیں دیا۔ بڑے کنٹرول کی ہیں۔
انصار۔ ان کی طبیعت بہت شرمیلی ہے۔ پھر لوگوں کے اعتراض کا بھی خیال ہو گا۔
رضیہ۔ محبت رسم ورواج اور شرم وحیا کی پابند نہیں ہوتی۔ اور اگر باوجود دلی محبت کے وہ ان باتوں کا خیال کرتی ہیں تو بھی میں ان کی قائل ہو گئی۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اپنے محبوب کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنا اور اس کی خوشی کے لئے ہر رکاوٹ کو دور کرنا محبت کا اقتضا ہے۔ اور عورت کی فطرت ہے۔
انصار نے کچھ جواب نہیں دیا سر پکڑے خاموش بیٹھے رہے۔
رضیہ۔ (دلجوئی کے انداز سے) کیا معلوم فرخ بھابی نے بات کو بڑھا کر لکھ دیا ہو۔ آپ اتنا رنج نہ کیجئے ممکن ہے یہ بات غلط ہی ہو۔ اور اگر ٹھیک بھی نکلے تو آپ کیوں صدمہ کریں۔ عذرا بہت نالائق ہے جس نے آپ جیسے —— گوہر بے بہا کو ٹھکرا دیا۔
اتنا کہہ کر رضیہ رک گئی اور محبت بھری نظروں سے انصار کو دیکھنے لگی۔ اس کے بعد کے الفاظ اس کی زبان پر آ کر رک گئے۔ مشرقی عورت کی فطری شرم نے انھیں منھ سے نہ نکلنے دیا۔ اگرچہ یہ کمی نگاہوں نے پوری کر دی تھی۔ مگر انصار نے نہ اس کی طرف دیکھا، نہ اس کی باتوں اور نگاہوں کا مطلب سمجھا۔ رضیہ نے جب دیکھا کہ انصار گم سم بیٹھے ہیں تو رخصت ہو گئی۔ اگلے دن اس نے انصار سے کہا کہ میرے نام کوئی خط نہیں آیا جس میں آپ کے نام کا خط ہوتا۔

اگلے ہفتہ ہندوستانی ڈاک میں انصار کو فرحت حسن کا خط ملا مضمون کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ ہو رہا ہے دیکھیں کس کی قسمت یاوری کرتی ہے۔ مگر میں پاس ہوں اور تم دور ۔ جو آسانیاں مجھے حاصل ہیں وہ تمھیں نہیں۔ کیا عجب ہے کہ میں ہی کامیاب ہو جاؤں۔ یاد رکھو شادی وہی کامیاب ہوتی ہے جو لڑکی لڑکے دونوں کی پسند سے کی جائے۔ ریاض کی مرضی کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز عذرا کی پسند ہے ۔ آخر میں اتنا اور لکھا تھا کہ تمھارے پاس تو عذرا سے بہتر چیز رضیہ موجود ہے اس سے کیوں دل نہیں لگاتے۔ عذرا کو میرے لئے چھوڑ دو ۔

انصار فرحت کا خط پڑھ کر سخت پریشان ہوئے۔ بار بار فرحت کا خط پڑھا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ عذرا دراصل فرحت کو پسند کرتی ہے۔ ورنہ فرحت کی اتنی مجال نہ ہو سکتی تھی کہ اس قدر کھلے الفاظ میں عذرا کی پسند ناپسند کا ذکر کرتا ۔

اب اسے ساری باتیں یاد آنے لگیں ۔ عذرا کی شرم کے پردے میں بے اعتنائی، اس کے پیام کو ٹالنا، خط کا جواب نہ دینا ۔ اگر چند سطریں لکھ دیتی تو کون ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے جاتا ۔ نہیں اس کو میری پرواہ ہی نہیں ۔ میرا کوئی خیال اور محبت نہیں ۔ ریاض بھائی اور ہاجرہ کی وجہ سے وہ صاف صاف انکار نہ کر سکی۔ باقی باتیں ہاجرہ نے مجھے خوش کرنے کو اپنے دل سے بنا کر کہہ دی ہونگی. واقعی مجھ میں ایسی خوبی بھی کون سی ہے جو وہ مجھے پسند کرتی ۔ نانا نے عاق کر دیا ۔ کوئی بڑی ڈگری نہیں ۔ جائداد اور نام و نمود نہیں ۔

خوب صورت نہیں۔ لڑکیوں کو خوش کرنے اور پرچانے کے گر نہیں جانتا۔
اس قسم کی بہت سی باتیں سوچتے سوچتے ایک دم ان کی نظروں کے سامنے رخصت کے وقت کی عذرا کی تصویر آ گئی۔ وہ سُرخ آنکھیں۔ کانپتے ہوئے لب اور جذبات سے تمتاتا ہوا چہرہ۔ وہ نگاہوں نگاہوں میں اقرار الفت اور عہد وفاداری ــــــ انصار اور بھی زیادہ پریشان ہو گئے۔ اگر واقعی عذرا کو مجھ سے محبت ہے تو کوئی اسے فرحت سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ نہ ریاض بھائی اس قدر پرانے خیالات کے ہیں نہ احسان ماموں۔ مگر شاید ایسا ہو کہ عذرا کو مجھ سے محبت تو ہو مگر بھائی کی طرح۔ شادی کے لئے وہ فرحت ہی کو زیادہ پسند کرتی ہو۔ یا اس عرصے میں فرحت نے آنا جانا بڑھا کر اس کا دل موہ لیا ہو۔ ضرور یہی بات ہو گی۔ مگر میری محبت! میری سچی الفت کا اس ظالم کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا؟ آہ عذرا۔ بے وفا عذرا۔ میں تو تجھے جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ میں تیرے بغیر یہ پہاڑ سی زندگی کیسے گزاروں گا۔ یہ ناشاد اور ناکام زندگی جو ہمیشہ سچی محبت اور حقیقی مسرت سے محروم رہی۔ آہ۔ کیا میرا یہ خواب آرزو پریشان ہو جائے گا۔ مجھے عذرا۔ پیاری عذرا نہ مل سکے گی۔ خدایا میں نے یہ کیا حماقت کی کیوں یہاں چلا آیا۔ اگر وہاں موجود رہتا تو کوئی عذرا کو خلاف مرضی شادی پر مجبور نہ کرتا۔ نہ چالاک فرحت کو موقع ملتا کہ اس بھولی بھالی لڑکی پر اپنا جادو چلائے۔
انصار نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ سارے دن اس قسم کے خیالات میں محو رہتے۔ مسز اسمتھ ان کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ رضیہ روز آتی

اور ہر طرح سے انصار کی دلجوئی کرتی۔

ایک ہفتے بعد رضیہ نے بہت رنجیدہ اور فکرمند مُنہ بنا کر انصار کو یہ خبر سُنائی کہ ممی نے لکھا ہے کہ فرحت اور عذرا کی نسبت ہو گئی۔

انصار نے خاموشی سے یہ خبر سنی اور منہ سے کچھ نہ بولے۔

اسی دن ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اور تین چار دن بعد بخار بہت تیز ہو گیا۔ رضیہ اور مسز اسمتھ تندہی اور دل سوزی سے ان کی تیمار داری میں لگ گئیں۔

اٹھائیسواں باب

۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء

اُف کس قدر سردی ہے۔ ٹھنڈی ہوا جسم میں چبھی جاتی ہے۔ کلیجہ کانپ رہا ہے۔ سردی کا موسم بھی کیسا نامعقول موسم ہے۔ جسم سرد، دل سرد، معلوم ہوتا ہے کہ رگوں میں خون کی جگہ برف بھری ہے۔ خیالات تک منجمد ہو جاتے ہیں۔ بس آگ کے پاس جاکر ذرا سکون ملتا ہے۔

جب یہاں یہ حال ہے تو اس وقت یورپ میں کس بلا کی سردی پڑ رہی ہوگی؟ سوچ کر ہی دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اور جسے اتنی سردی کی عادت نہ ہو اسے کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔ کہیں اس شدت کی سردی میں خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے؟ پچھلے سال تو

انفلوانزا ہو گیا تھا۔ کتنے مہینے ہو گئے خط بھی نہیں آیا۔ اُنہہ ۔۔ نہ آئے مجھے کیا ۔۔ میں کیوں فکر کروں ۔۔ مجھے کیوں ان کا خیال آتا ہے ۔۔ کیوں وہیں کا دھیان لگا رہتا ہے؟ اگر وہ مجھے بھلا سکتے ہیں تو میں ہی کیوں یاد کروں؟

آہ انصار ۔ میں تمھیں اتنا بے وفا ۔ ایسا سخت دل نہیں سمجھتی تھی ۔ تم کیوں ایک معصوم دل سے کھیلے؟ تم نے کیوں ایک انجان الہڑ لڑکی کے خفتہ جذباتِ محبت کو جگایا؟ اسے اپنی لازوال محبت کا یقین دلایا ۔ آہ کیوں تم نے محبت پاش نظریں ڈال کر اپنی ناپائدار اور وقتی محبت سے مسحور کر لیا؟ تمہارے لئے یہ ایک معمولی سی بات تھی ۔ ایک کھیل تھا کہ تم کسی کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دو ۔۔ کیا اسی محبت کی جڑیں بہت گہرائی تک چلی گئی تھیں؟ اب یہ جڑیں کس نے اکھاڑ پھینکیں ۔۔ اس کی پائداری کو کس نے ناپائدار بنا دیا ۔ مگر نہیں یہ میری حماقت تھی ۔ میں نے ہاجرہ کی باتوں اور تمھاری نظروں کا یقین کیوں کیا ۔ مرد کی محبت ۔۔ اُنہہ بے وقوف اور احمق ہے وہ عورت جو کسی مرد کی محبت کا اعتبار کرے ۔ بدنصیب ہے ۔۔۔

ہاجرہ نے سیدہ کی شادی کے بعد کس اعتماد اور محبت سے خط لکھا ۔۔ اسے یقین تھا اور مجھے بھی کہ اس کے خط کے جواب میں بڑے زور شور سے اس افواہ کی تردید کی جائے گی ۔ اور سب کا مذاق اڑائیں گے کہ بھلا میں اور رضیہ پہ ریجھوں؟ کیا تم نے مجھے بھی چھچھورا اور متلون مزاج سمجھا ہے ۔۔ بے وقوف ہاجرہ کیا تم بھول گئیں کہ انصار کے دل پہ کوئی اور صورت نقش ہے ۔۔ مگر ۔۔ انتظار

کرتے کرتے مہینے گزر گئے ۔ ہاجرہ کے خط کا کوئی جواب نہ آیا ۔ وہ کیوں دیتے جواب ۔ انھیں یہاں کس کی پرواہ ہے ۔ یورپ کی آب و ہوا میں ثابت قدم رہنا بڑے سورماؤں کا کام ہے ۔ مگر نہیں ایسی بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے ۔ یہاں کبھی کسی نے ان کے کیرکٹر پر حرف نہیں رکھا ۔ انصار کا قصور نہیں ۔ یہ سب رضیہ کی کارستانیاں ہیں ۔ وہ ہمیشہ سے مجھ سے جلتی ہے ۔ اس نے محض مجھے زک دینے کے لئے، مجھ پر اپنی فوقیت، برتری جتانے کے لئے، میرا دل توڑنے کے لئے ۔ میرے ۔ انصار کو مجھ سے برگشتہ کر دیا ۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ، خوبصورت، دولت مند اور ہوشیار ہے ۔ اگر انصار اس پر ریجھ گئے تو کون سے تعجب کی بات ہے؟ ---- پر آخر ان سے کہا کس نے تھا کہ وہ مجھ جیسی سیدھی سادی، کم رو، کم تعلیم یافتہ کو پسند کریں ۔ اور جب کر لیا تو پھر یہ بے اعتنائی ۔ ایسی بے پرواہی ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے ؟

مجھے آخر کیا ہو گیا ہے ؟ میری خود داری کہاں غارت ہو گئی ۔ جو شخص میری پرواہ نہیں کرتا میرا دل اس کے لئے یوں بے قرار ہے ؟ بڑے شرم کی بات ہے ۔ میرے بھائی، بھاوج بہنیں سب ہر وقت میری دل جوئی کرتے رہتے ہیں ۔ مگر میرا یہ حال ہے کہ نہ کہیں آنے جانے کو جی چاہتا ہے نہ ہنسنے بولنے کو ۔ نہ سیر تماشے کو نہ لکھنے پڑھنے کو ایک بے دلی ۔ بے ہمتی ۔ اور مایوسی مجھ پر غلبہ پاتی جاتی ہے ۔ اماں کے انتقال کے بعد ۔ میں نے اپنے صدمے کو انصار کی خاطر سہا تھا اب کیوں ۔ کس لئے ۔ کس طرح ۔ میں یہ زندگی بسر کروں ۔ آہ انصار کاش تم سمجھتے ۔

---

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

پرسوں ولایتی ڈاک کا دن تھا۔ نہ جانے کیوں ہر ہفتے امید سی بندھی رہتی ہے کہ شاید کوئی خط آجائے۔ باجی اور میں دونوں بیٹھے تھے کہ ڈاک آگئی۔ ایک خط لندن سے باجی کے نام آیا تھا میں نے دور ہی سے پہچان لیا کہ رضیہ کی تحریر ہے۔ باجی نے خط پڑھا تو ان کا چہرہ فق ہوگیا۔ میں ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔ مگر وہ نظریں بچا کر اٹھ کر چل دیں۔ بڑی دیر تک الگ کمرے میں سب لوگ نہ جانے کیا باتیں کرتے رہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ضرور انصار کے بارے میں رضیہ نے کچھ لکھا ہے۔ شام کو جب میں اپنے کمرے سے نکلی تو دیکھا کہ سیدہ اور ہاجرہ اور باجی تینوں اداس اور پریشان ہیں۔ بھائی جان بھی حسب معمول شگفتہ نہیں بلکہ خاموش سے ہیں۔ سب لوگ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ مجھ سے یہ رازداری زیادہ برداشت نہ ہوسکی جب خود کسی نے مجھ سے کچھ نہ کہا تو رات کو میں نے ہاجرہ سے کہا۔ "مجھے رضیہ کا خط دکھا دو" ہاجرہ گھبرائی "اس میں کوئی خاص بات نہیں اور وہ تو فرخ باجی کے نام ہے"۔ میں نے کہا "ہاجرہ کیوں چھپاتی ہو؟ جو بھی بات ہو مجھے بتا دو۔ کوئی بھی خبر ہو میں سننے کے لئے تیار ہوں صرف اتنا اطمینان ہو جائے کہ۔۔۔ انصار۔۔۔ زندہ ہیں" یہ کہتے کہتے بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ہاجرہ نے کہا "اچی تم واقعی بڑی احمق ہو۔ خدا نہ کرے ان کے دشمنوں کو کچھ ہو جاتا تو ہم لوگ اس طرح اطمینان سے بیٹھے ہوتے"۔ میں نے کہا "تم مجھے خط دکھا دو"۔ ہاجرہ اٹھ کر بھائی جان کے پاس گئیں۔ بھائی جان نے کہا

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اسے بتا دو۔ اس سے چھپانے کی ضرورت نہیں" ہاجرہ نے خط لاکر مجھے دیا۔ بڑا طول طویل خط تھا جسے میں نے بہت دیر میں ختم کیا۔ پڑھتے پڑھتے میرے خیالات بھٹک جاتے ___ مختلف مناظر میری نظروں میں گھومنے لگتے اور میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔

رضیہ نے رسمی القاب آداب کے بعد لکھا تھا کہ آپ کا خیال درست ہے۔ مجھے انصار ہمیشہ سے پسند ہیں۔ لیکن جب سے میں نے یہ سنا کہ اُن کی اور عذرا کی نسبت ہونے والی ہے تو میں نے انھیں دوسرے کی چیز سمجھ کر بھلانے کی کوشش کی اور اپنے دل پر پتھر رکھ لیا لیکن اب جو میں ان سے لندن میں ملی تو انھیں بہت افسردہ اور دلگرفتہ پایا۔ وہ عذرا کو چاہتے تھے مگر عذرا نے ان کی محبت کی قدر نہ کی۔ اپنی بے اعتنائی کو شرم کے پردے میں چھپایا (اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی) اور غریب انصار کا دل توڑ دیا۔ ان کے خطوں کا جواب نہ دیا ــ انصار بہت رنجیدہ رہتے تھے۔ انھیں اندازہ ہوگیا تھا کہ عذرا کو ان کی پروا نہیں۔ میں نے مقدور بھر ان کی دلجوئی اور دلدہی کی۔ اور جو دل عذرا کی بے التفاتی سے شکستہ ہوچکا تھا اسے دوبارہ جوڑا ــ کچھ عرصہ پہلے وہ سخت بیمار ہوگئے۔ وہ بیمار تھے اور میں نیم جان ــ میں نے دن رات جان توڑ کوشش کرکے ان کو موت کے منہ سے نکال لیا۔ بھلا کیسے ممکن تھا کہ میری خدمت اور سچی محبت ان پر اثر نہ کرتی ــ عذرا کا خیال اب ان کے دل سے دور ہوچکا ہے اور کسی اور کی محبت نے ان کے دل میں جگہ کرلی ہے۔ عذرا سے

کہہ دینا کہ اس میں نہ میرا قصور ہے نہ انصار کا۔ ساری ذمہ داری خود ان پر آتی ہے ___ سُنا ہے کہ عذرا کی نسبت فرحت حسن سے ہونے والی ہے خدا مبارک کرے۔ یہاں سے بھی عنقریب تمھیں دو آدمیوں کی نسبت ___ یا ___ شادی کی اطلاع پہنچے گی۔ مبارک باد تو دو گی یا یہ بھی نہیں ؟

میں نے خط پڑھ کر رکھ دیا۔ اور ہاجرہ سے کہا "بڑی خوشی کی بات ہے ___________ میری طرف سے بھی مبارک باد لکھ دینا" ہاجرہ کا غصے سے بُرا حال تھا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی اور جب ضبط نہ ہو سکا تو بڑی دیر تک مجھے گلے لگا کر روتی رہی۔ مگر میری آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا۔ اگر چہ میری آنکھیں، میرا دل اور میرا دماغ سب تپ رہے تھے۔ ہاجرہ رو دھو کر اور مجھے آرام کرنے کی ہدایت کر کے چلی گئی۔ اور میں نے ساری رات یونہی بیٹھے بیٹھے گزار دی۔

رضیہ سچ کہتی ہے۔ میں نے انصار سے بے اعتنائی برتی ___ ان کے پیام کو صاف لفظوں میں منظور نہیں کیا۔ رخصت کے وقت ان سے باتیں نہیں کیں۔ ان کے خطوں کے جواب نہیں دیئے۔ اگر اس سے ان کو یہ خیال ہو گیا کہ میں ان سے محبت نہیں کرتی تو کیا تعجب ہے۔ شاید قصور وار میں ہی ہوں۔

مگر انصار۔ تم نے مجھ سے کیوں یہ توقع کی کہ میں یورپین لڑکیوں کی طرح اظہارِ محبت کروں گی۔ کیا تم ہندوستانی لڑکی کی شرم و حیا اور خود میری طبیعت سے، میرے خیالات، میرے ماحول اور خاندان سے واقف نہ تھے۔ کیا ہاجرہ سب کچھ لکھتی نہیں رہتی تھی۔ نہیں نہیں یہ سب بہانے ہیں ___ وہ مرد ہیں متلون مزاج ___ بے وفا۔ ان کی محبت

سچی نہیں تھی — پھر کیسے پائدار ہوتی۔ رضیہ کے حُسن اور نازوادا نے انھیں رجھالیا اور اب وہ عذرا پر الزام رکھ کر دنیا کو۔ اور شاید خود اپنے ضمیر کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ رضیہ کو کیوں قصوروار ٹھیراؤں۔ اگر انصار کی محبت سچی ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت عذرا کو ان کے دل سے نہیں نکال سکتی تھی۔

یا اللہ۔ میں اس صدمے کو کیسے برداشت کروں۔ کاش میرے دل سے بھی اس بے وفا انسان کی محبت دور ہو جائے۔ اس کا خیال بھی میرے دل میں نہ آنا چاہیئے۔ مجھے یہ زیبا نہیں کہ ایک غیر شخص کی محبت میں اپنے کو گھلاؤں۔ مجھے کیا پڑی ہے —— انھیں پروا نہیں تو یہاں کون ان کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں اب اپنے لئے کوئی کام سوچوں گی۔ کوئی ایسا کام جو میرا سارا وقت لے لے اور ان تکلیف دہ خیالات کا موقع ہی ملے۔ ایک مقصد جس کے لئے جان تک کی بازی لگادوں۔ پر وہ کون سا کام ہو جس پر میرا دل لگ جائے؟ پڑھنے لگوں؟ نہیں اب چھوٹی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ پڑھتے شرم آئیگی۔ کوئی چھوٹا سا اسکول کھول لیا جائے؟ مگر مجھے تو پڑھانے کے کام سے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی — اچھا ایک کتاب لکھنی شروع کردوں۔ مگر آخر وہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ تو پھر آخر کیا کرنا چاہیئے؟ کیوں نہ ایک رسالہ نکالا جائے؟ بھائی جان نے بھی اس رائے کو پسند کرلیا اور مدد دینے پر آمادہ ہو گئے تو عورتوں کا ایک معیاری رسالہ نکالوں۔ بس بس یہ بہت اچھی تجویز ہے میں انشاءاللہ رسالہ ضرور نکالوں گی۔ اور ہمیشہ اس کو کامیاب بنانے کی

دھن میں لگی رہوں گی۔ اپنا تن من دھن سب اس پر نثار کر دوں گی
— نیا سال شروع ہو چکا ہے — اب میری زندگی کا بھی ایک نیا
دَور شروع ہو گا — میں کیوں عام بے وقوف جاہل لڑکیوں کی طرح
ایک بے وفا شخص کے لئے جان دے دوں۔ رو رو کر ہلکان ہوں اور اپنی
اور دوسروں کی زندگی وبال کروں — میں کام کروں گی۔ کام!!

بس اب اور سب کچھ ختم۔ ایک ہم مذاق، ہم خیال چاہنے والے
جیون ساتھی کی آرزو، ایک قابل ہستی کے سہارے زندگی بسر کرنے کی
تمنّا۔ اپنی محبت کا مرکز کسی ہستی کو بنانے کی حسرت۔ سب کو الوداع۔
اب یہ زندگی بے سہارے — اکیلے — تن تنہا گزرے گی۔ جس کا صرف
ایک مقصد ہو گا — ادب کی خدمت — یعنی اس کے ذریعہ سے انسانیت
کی بڑی بھلی خدمت — یہی میرا مقصد ہو گا اور یہی نصب العین
— میری زندگی کا ساتھی صرف ایک شخص ہو سکتا تھا۔ لیکن
اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ اب کوئی دوسرا انسان یہ جگہ نہیں لے سکتا
اب اس دل میں کسی فرد کی محبت۔ جگہ نہیں پائے گی — ہاں عام
انسانیت کی — لوگ کچھ بھی کہیں — کتنی بھی مخالفت کریں —
بُرا بھلا کہیں سمجھائیں بجھائیں — عذرا اپنی رائے کی پکی ارادے کی
پوری ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے ؎

وہ آستاں نہیں تو کوئی آستاں نہیں

اُنتیسواں باب

عذرا رسالوں خطوں اور اخباروں کے بیچ میں بیٹھی آج کی ڈاک دیکھ رہی تھی جس میں رسالوں، افسانوں اور مضامین کے پیکیٹ اور بہت سے خط تھے زیادہ تر خطوط نو عمر اور شوقین لکھنے والیوں کے تھے جن میں آدھے خط میں عذرا کی تعریف، خوشامد، اشتیاقِ ملاقات وغیرہ اور باقی میں اپنے مضمون، افسانے یا نظم کو رسالے میں شائع کرنے پر اصرار ہوتا تھا۔ عذرا ایک طرف اس قسم کے خط رکھتی جاتی تھی اور دوسری طرف مضمون وغیرہ کے پیکیٹ۔ چند خط مشہور لکھنے والی خواتین کے تھے جنھوں نے مربیانہ اور مشفقانہ انداز میں رسالے کی تعریف کی تھی اور ساتھ ہی قیمتی مشوروں سے سرفراز فرمایا تھا۔ بعض نے اپنے طول طویل افسانے اور مضمون بھی اس تمہید کے ساتھ بھیجے تھے کہ فرصت بالکل نہیں بڑی مشکل سے آپ کی فرمائش پر تھوڑا سا وقت نکال کر بھیج رہی ہوں۔

پروین پر زمانہ رسالوں نے جو ریویو کئے ان میں سے ایک دو کے سوا باقی سب نے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیا تھا لیکن اس کی تلافی بعض بلند پایہ ادبی رسائل نے پوری کردی تھی اور پروین کو سراہا تھا ڈاک میں اکثر خط نوجوان اور غیر معروف ادیبوں اور شاعروں کے بھی ہوتے تھے جن میں عذرا اور پروین کے ساتھ ساتھ اپنی تعریف بھی کم نہ ہوتی تھی اور کسی کسی میں خط و کتابت کی آرزو اور ملاقات کی خواہش کا اظہار بھی ہوتا تھا اور بعض اپنے اوٹ پٹانگ افسانے اور بے ربط اور ناموزوں نظم غزل بھی ارسال فرماتے تھے۔

شروع شروع میں ایسے خطوں کو پڑھ کر عذرا بہت جھنجھلاتی اور بعض وقت غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ جی چاہتا کہ ان بدتمیزوں کو ایسا جواب دے کہ یاد رکھیں۔ لیکن اب رفتہ رفتہ ایسے خطوں کے پڑھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عقل کے دشمن سمجھتے ہیں کہ جو عورت مضمون یا نظم لکھے یا کسی رسالے کی ادارت کرے وہ ضرور اس قسم کی شوقین اور احمق بھی ہو گی جیسے یہ خود ہیں اور ضرور ان سے خط و کتابت کرے گی اور بعد میں میل ملاقات بھی ہو جائے گی۔ کیا تعجب ہے کہ رفتہ رفتہ اظہار محبت بھی کرنے لگے۔ آخر یہ بچارے اپنے افسانوں کی ہیروئنوں سے یہی سب تو کراتے ہیں۔ ان خطوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر عذرا ردی کی ٹوکری میں ڈالتی جاتی تھی۔ کبھی کبھی وہ ان خطوں کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار ہنس پڑتی۔ آج ایک رنگین لفافے نے جس میں سے بھینی بھینی خوشبو بھی آرہی تھی اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ اعلٰے درجے کے کاغذ پر خوبصورت مونوگرام چھپا ہوا تھا۔ نیچے لکھا تھا:-

آسمان صحافت کی نیر تاباں، جان ا۔۔۔، سرتاج ادیباں، عذرا خاتون صاحبہ ـــــ سلام شوق قبول کیجئے۔ سب سے پہلے میں آپ سے اس عبارت

کی معافی چاہتا ہوں کہ بغیر اجازت آپ کی بارگاہِ نازیں حاضری کی جرأت کی لیکن آپ کی ذرہ نوازی، اعلیٰ تعلیم اور روشن خیالی سے یقین کامل ہے کہ آپ اس جرأت کو ناپسند نہ کریں گی۔

آپ کی طرح مجھے بھی ادب سے دل چسپی ہے اور میں بھی ادیبوں اور ادب کا دلدادہ اور خادم ہوں۔ اردو کے اکثر معتدد رسائل میں آپ کی نظر سے میرے افسانے گزرے ہوں گے۔ عنقریب میرے افسانوں کا مجموعہ "دلفریب" شائع ہونے والا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔ خوشا قسمت اسکی جسے آپ کی بارگاہِ نازیں باریابی حاصل ہو۔ مجھے اپنے خط اور کتاب سے اسی لئے تو رشک ہے۔ کیا بتاؤں میں کس قدر آپ کے افسانوں کا دلدادہ ہوں — میری میز پر ہر وقت پروین کے پرچے موجود رہتے ہیں اور آپ کا ایک ایک افسانہ میں نے دس دس مرتبہ تو ضرور پڑھا ہوگا۔ میں تو آپ کی طرزِ تحریر پر دل و جان سے فریفتہ ہوں۔ آپ جیسی روشن خیال اہلِ قلم خواتین ہی سے ہمارا مستقبل روشن ہونے کی اُمید ہے۔

کیا میں یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ اپنے ہم مشرب ادیبوں سے ملنے کی زحمت گوارا فرماتی ہیں یا نہیں؟ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی روشن خیال ادیبہ پردے کی فرسودہ قید سے ضرور آزاد ہوگی۔ آپ کے دیدار کا ازحد اشتیاق ہے۔ اول تو مجھے حاضری کی اجازت دیجئے ورنہ خط کے جواب سے تو ضرور اور فوراً شاد کام فرمائیے۔

آپ کی تحریر کی پختگی سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ کہنہ مشق اور معمّر ادیبہ ہوں گی لیکن اس کی شگفتگی اور رنگینی چغلی کھاتی ہے کہ اس کی لکھنے والی ابھی شباب کی دل کش منزل سے گزر رہی ہے۔ کیا آپ اس معمہ کو حل کرکے مجھے

الجھن سے نہ نکالیں گی؟ آپ اپنی تصویر اگر رسالے میں نہیں چھپوائیں (جو ضرور چھپوانی چاہیئے) تو آخر نیازمند کو بھیجنے میں کون سا ہرج ہے۔ میں تو آپکی طرح ادب کا خادم اور ادیبوں کا پرستار ہوں۔

ایک افسانہ "خیالی محبوبہ" ارسال خدمت ہے۔ بہت سے رسالوں کی طرف سے تقاضے کے خطوط پر خطوط چلے آرہے ہیں مگر میں اسے پردین ہی کے قابل سمجھتا ہوں۔

جواب کا منتظر آپ کا

دلدار

(ایس۔ ایم۔ ناصر۔ دلدار)

اس خط کو پڑھ کر عذرا کو غصہ بھی آیا اور محظوظ بھی ہوئی ——— واہ رے دلدار صاحب۔ آپ نے اپنے نزدیک بے وقوف مدیرہ کو پرچانے کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ۔ آپ اردو کے چوٹی کے ادیب ہیں۔ میں نے تو کبھی نام بھی نہیں سنا۔ افسانوں کا مجموعہ میری "بارگاہِ ناز" میں بھیجا جائے گا ——— بدتمیز ——— نام بھی کیا خوب تجویز فرمایا ہے دلفریب۔ خواہ پڑھ کر متلی ہونے لگے ——— اور یہ میری تحریریں رنگینی انھیں خوب نظر آئی۔ کیا ذہن رسا پایا ہے ——— ملنے کی آرزو خط وکتابت کا شوق عمر کا استفسار۔ تصویر کی فرمائش۔ سب کچھ ایک ہی خط میں لکھ مارا۔ ٹھیر جاؤ مسٹر ایس۔ ایم۔ ناصر۔ تمہاری کیسی خبر لیتی ہوں۔ تخلص بھی خوب ہے ——— دلدار! نہ جانے کس کے۔ شاعر نہیں مگر خیر تخلص تو ہے۔

افسانے پر ایک نظر ڈال کر اس نے اندازہ کیا کہ تیسرے درجہ کا افسانہ ہے جس میں سوا بازاری عشق و عاشقی اور خیالی رومان کے اور

کچھ نہیں۔ عذرا نے کراہت کے ساتھ ایک، پھر یہ سی لی اور افسانے کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

اس کے بعد عذرا نے وہ خط جو باقی رہ گئے تھے کھولے۔ ان کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک خط اردو کے مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کا تھا اور دوسرا ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کا۔ کچھ دن ہوئے عذرا نے ان دونوں سے پروین کے لئے کچھ بھیجنے کی درخواست کی تھی۔

سجاد حیدر صاحب نے لکھا تھا کہ پروین کے کئی نمبر میری نظر سے گزرے۔ میں نے اب تک اردو کے جتنے زنانہ رسالے دیکھے ہیں پروین ان سب سے ممتاز ہے، بلکہ اپنے بلند ادبی معیار، ستھرے اور پاکیزہ مذاق اور شگفتہ سادہ اور دلاویز زبان کی وجہ سے وہ اس قابل ہے کہ اردو کے بہترین رسائل میں اس کا شمار کیا جائے ۔۔۔ میں آپ کے مذاق اور انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ نے ایک ایسا زنانہ رسالہ جاری کیا جس کا مقصد محض عورتوں کو نصیحتیں کرنا۔ مردوں کو ظالم اور غاصب ثابت کرنا، کھانے پکانے کی ترکیبوں اور بھدے پھولوں کی اشاعت ہی نہیں بلکہ عورتوں میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے۔ اس چیز کی بہت سخت ضرورت تھی، جو الحمدللہ آپ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ خدا کرے یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے اور اس کا معیار کبھی گرنے نہ پائے بلکہ اونچا ہوتا رہے۔ آپ کا طرز تحریر بھی بہت پُراثر اور دلکش ہے۔ حسب فرمائش کوئی چیز پروین کے لئے ضرور بھیجوں گا۔

عذرا کا چہرہ اتنے بڑے ادیب سے یہ داد پا کر خوشی سے چمکنے لگا۔ اس نے خط کو احتیاط سے صندوقچہ میں بند کیا اور منشی پریم چند کا خط کھولا۔ منشی جی نے اپنے سادہ اور دل کش انداز میں لکھا تھا :۔

رسالہ پروین میں آپ کا افسانہ رواج کی نذر پڑھا۔ آپ نے ہندوستانی طرز معاشرت کی جیسی سچی تصویر دکھائی ہے اور غریب بے زبان عورتوں پر ہماری سماج جو مظالم ڈھاتی ہے اس کی جیسی صحیح عکاسی کی ہے وہ تعریف کے قابل ہے ــــ ادب برائے ادب کا دور گزر چکا یہ مقصدی ادب کا زمانہ ہے۔ آپ کے افسانوں میں زندگی جھلکتی ہے حقیقی اور اصلی زندگی۔ یہی افسانے کی جان ہے اس کے علاوہ طرز ادا کی سادگی، زبان کی بے تکلفی اور دردو اثر کی چاشنی نے افسانوں کو بہت پُر اثر بنا دیا ہے۔ اگر آپ اسی طرح لکھتی رہیں اور محنت کرتی رہیں تو مجھے امید ہے کہ آپ ایک دن اُردو کے بہترین افسانہ نگاروں میں شمار ہوں گی۔

مجھے آج کل بالکل فرصت نہیں پھر بھی کوشش کروں گا کہ آپ کی فرمائش پوری کروں ــــ پروین کا ادبی معیار بلند ہے خصوصاً افسانوں کا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے۔

عذرا بچپن سے منشی جی کی پرستار تھی۔ آج ان کے قلم سے اپنے رسالے اور اپنے افسانے کی تعریف پڑھ کر اس کی عجیب کیفیت ہوئی۔ آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں ــــ عذرا جانتی تھی کہ میرا افسانہ اس فطرت نگار ادیب کے افسانوں کے سامنے وہ حقیقت رکھتا ہے جیسے تاج محل کے سامنے کسی بچے کا بنا ہوا مٹی کا گھروندا۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے بھی اتنے بڑے ادیب سے اپنے افسانے کی تعریف سُن کر اس پر نشہ سا چڑھ گیا اور وہ بڑی دیر تک اس سرور کا لُطف اُٹھاتی رہی۔ اس کے پاس اکثر لوگوں کے تعریفی خطوط آتے رہتے تھے مگر ایسی مسرت اسے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

عذرا کا رسالہ "پروین" چھ سات مہینے سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا تھا اور اس قلیل عرصہ میں اس نے خاصی شہرت اور کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ملک کے کئی اچھے ادیبوں اور شاعروں کی چیزیں اس میں شائع ہو چکی تھیں ۔ اور بہت سے مشہور ادیبوں اور معیاری رسالوں نے اس کی تعریف کی تھی۔ عذرا دن رات پروین کو کامیاب بنانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ ریاض باوجود اپنی مصروفیتوں کے اسے مشورہ اور مدد دینے کا وقت نکال لیتے۔ خود لکھتے دوسروں سے لکھواتے۔ انتخاب اور اصلاح میں عذرا کی رہنمائی کرتے۔ سیدہ اور طاہرہ بھی عذرا کا ہاتھ بٹاتیں پھر بھی سارے دن عذرا کو فرصت نہ ملتی تھی۔ مضامین کا انتخاب اور اصلاح، خط و کتابت، پروف اور کاپیوں کی تصحیح، رسالے کے لئے پیش لفظ اور مضمون افسانے وغیرہ لکھنا غرض بیسیوں قسم کے کام تھے جس کی وجہ سے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی تھی۔

عذرا کی جان پروین میں بستی تھی۔ وہ اس کی کامیابی سے خوش ہوتی۔ اس کی تعریف سے اس پر گھڑوں نشہ چڑھ جاتا۔ اس کے کام میں دل و جان سے مصروف رہتی۔ لیکن پھر بھی ایک طرح کی پژمردگی اور افسردہ دلی سی ہاتھ چھائی رہتی تھی۔ دن بھر اور رات گئے تک اسے کچھ سوچنے یا یاد کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن دن بھر کے کام کے بعد جب وہ اپنے تھکن سے چور جسم کو بستر پر ڈال دیتی تو باوجود کوشش کے اپنے خستہ دماغ کو آرام نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے خیالات بھٹک کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ۔ آنکھیں بند کرتے ہی ایک مسکراتی ہوئی وجیہہ دلکش صورت سامنے آکھڑی ہوتی۔ عذرا تیوری پر بل ڈال کر اپنا سر جھٹکتی اور جھنجھلا کر آنکھیں کھول دیتی مگر پھر بھی وہ صورت سامنے سے نہ ہٹتی۔ عذرا کی آنکھیں دھندلی ہو جاتیں، اور وہ

گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوتی۔ کبھی کبھی پوری پوری رات اسے جاگتے گزر جاتی۔
ریاض اور ہاجرہ اس کی حالت کو سمجھتے تھے مگر چھیڑنا یا دخل دینا نامناسب سمجھ کر خاموشی سے یہ سب دیکھا کرتے۔ اگرچہ ان کا دل بہن کی یہ حالت دیکھ کر پھٹنے لگتا تھا۔

ہاجرہ کی گود میں چھ مہینے کا بچّہ تھا جس کی پھول سی صورت اور ہنستا ہوا شگفتہ چہرہ بہت ہی پیارا تھا۔ ماں باپ۔ پھپیاں سبھی اس پر فریفتہ تھے۔ حقیقی خوشی اور سچی ہنسی اگر کبھی عذرا کے چہرے پہ نظر آتی تھی تو اس وقت جب وہ شاہد کو گود میں لے کر اس کا منھ چومتی تھی۔

جمیلہ خاتون نے جب سے سنا تھا کہ ان کی کنواری "بھانجی" نے رسالہ نکالا ہے اور غیر مردوں سے خط و کتابت کرتی اور قصے لکھتی ہے تب سے انھیں اس کی صورت سے نفرت ہو گئی تھی۔ کہتی تھیں اب تو ریاض اور احسان خود ہاتھ جوڑیں تب بھی ایسی بے باک بے شرم لڑکی سے اپنے بچے کا بیاہ نہ کروں۔ ہاں اکثر اپنی مرحومہ بہن کو یاد کر کے روتی تھیں کہ ان کی روح کو اپنی اولاد کی گمراہی سے کیسا سخت صدمہ ہوتا ہوگا۔

فرحت حسین اب بھی اسی طرح عذرا کو حاصل کرنے کی کوشش میں مشغول تھے۔ وہ اکثر دہلی آتے جاتے رہتے تھے۔ وہ بہت کوشش کرتے کہ عذرا سے ملیں اور باتیں کریں۔ اس کی دلچسپی اور مذاق کو مدنظر رکھ کر انھوں نے کئی مضمون اور افسانے پرچے کے لیے بھیجے اور کئی مرتبہ خط بھی۔ مگر عذرا نے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ سیدہ یا ہاجرہ سے ان کے مضمون کی رسید بھجوا دیتی۔ جب آتے تب بھی حتے الامکان ان سے نہ ملتی اور اگر اتفاق سے سامنا ہو جاتا تو بہت رکھائی سے صرف سلام کر لیتی تھی۔ مگر وہ اس سے

فرحت! وہ ہمت نہیں ہارتے تھے۔

اصغر بمبئی سے واپس آچکا تھا اور چند دن سے علی گڑھ میں لکچرار ہوگیا تھا سیدہ اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ عذرا اب اس قدر خاموش رہتی تھی کہ یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی ہنسوڑ، کھلنڈری اور باتونی عذرا ہے جو دو سال پہلے تھی۔ کچھ تو خودداری اور کچھ ہاجرہ کی محبت کی وجہ سے وہ اپنے صدمے کو خاموشی سے برداشت کر رہی تھی مگر اس کا اثر اس کی صحت پر نمایاں طور پر نظر آتا تھا عذرا اور ہاجرہ میں مدت سے انصار کے متعلق بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی دل کی حالت سے خوب واقف تھیں۔ ایک پکا پھوڑا تھا جسے چھیڑتے دونوں ہی ڈرتی تھیں۔

ہاجرہ نے انصار سے اپنے خط کا جواب نہ پاکر پھر اسے کوئی خط نہ لکھا اور نہ ریاض نے لکھا۔

ایک دن عذرا رسالے کے پروف دیکھ رہی تھی۔ ہاجرہ بچے کو گود میں لئے اس کا سوئٹر بن رہی تھی کہ باہر سے ڈاک آئی۔ ایک لفافے پر انصار کے ہاتھ کی تحریر معلوم ہوئی۔ ہاجرہ نے کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا۔

پیاری ہاجرہ۔ شاد آباد رہو۔ میں زندہ ہوں۔ کام ختم ہو چکا ہے اور میں عنقریب ہندوستان روانہ ہونے والا ہوں۔ اگرچہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں وطن کس کے لئے جاؤں۔ نانا ابا پہلے ہی سے بیزار تھے۔ تم نے اور ریاض بھائی نے بھی بھلا دیا۔ عذرا نے ٹھکرا دیا۔ وطن میں میرا کون ہے جس کی کشش مجھے کھینچ رہی ہے — کسی کی کیا شکایت — مجھ میں ایسی بات کون سی تھی کہ لوگ مجھے یاد رکھتے۔ مگر مجھے تعجب اور رنج یہ ہے کہ تم نے بھی مجھے بھلا دیا — میرا خیال تھا کم سے کم بہن کی محبت کبھی فنا نہیں ہوتی۔

مگر تم نے دس مہینے سے مجھے خط بھی نہ لکھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ریاض بھائی نے اجازت نہ دی ہو؟ بہر حال اگر تم نے چاہا اور ریاض بھائی نے اسے گوارا کیا تو ہندوستان آ کر تم دونوں سے ملاقات ہوگی۔

کیا عذرا کی شادی ہو چکی؟ انھیں اور فرحت کو میری طرف سے مبارکباد دو دینا۔

انصار"

ہاجرہ خط پڑھ کر پریشان ہوگئی کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ خود تو خط لکھنا چھوڑا اور اب الٹی میری شکایت۔

ہاجرہ نے عذرا کو بلا کر انصار کا خط پڑھ کر سنایا۔

ہاجرہ۔ عذرا اس خط کا کچھ مطلب تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟

عذرا۔ تم نے عرصے سے خط لکھنا چھوڑ دیا اسی کی شکایت کی ہے تمہیں لکھنا چاہئے تھا۔

ہاجرہ۔ میرے اتنے ضروری خط کا انھوں نے جواب نہیں دیا پھر میں انھیں کیوں خط لکھتی۔

عذرا۔ تم بہن ہو۔ تمہیں اس کے باوجود خط لکھنا چاہئے تھا۔ کہاں تک جواب نہ ملتا؟ خواہ مخواہ کسی سے ناراض ہونا کون سی بات ہے۔ انھیں اپنے فعل کا کامل اختیار تھا۔ اس پر سب کے سب اتنا بگڑ گئے کہ یک قلم خط و کتابت ترک کر دی۔ اس بات کا صدمہ ہونا ہی چاہئے تھا۔

ہاجرہ۔ لو اور سنو۔ تم بھی مجھی کو الزام دینے لگیں۔ مجھے تو غصہ اور رنج یہ ہے کہ آخر انھوں نے کیوں میرے خط کا جواب نہ دیا۔ اور پھر خط ایسے لکھا ہے جیسے کہ میرا کوئی خط انھیں پہنچا ہی نہ ہو۔

عذرا۔ (سوچ میں پڑ کر) ایسا تو نہیں ہوا کہ تمہارا خط راستے میں گم ہو گیا ہو؟

ہاجرہ۔ شاید ــــ مگر جب فرخ باجی کا خط صفیہ کو مل گیا تو میرا انھیں کیوں نہ ملا۔ ساتھ ہی تو ڈلوایا تھا۔

عذرا۔ ایسا ہونا ناممکن تو نہیں۔

ہاجرہ۔ اور سنو۔ اس آخری جملے کا کیا مطلب ہے؟

عذرا۔ کیا جملہ؟

ہاجرہ ــ (پڑھتی ہے) "کیا عذرا کی شادی ہو چکی ہے؟ انھیں اور فرحت کو میری طرف سے مبارک باد دینا۔" (حیران ہو کر عذرا سے) اس کا کیا مطلب ہے عذرا۔

عذرا۔ (سخت ناراض) اس کو کہتے ہیں بدگمانی اور بدتمیزی۔ انھوں نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ یہاں کوئی انھیں الزام نہیں دیتا۔ لیکن انھیں دوسروں کو گالیاں دینے کا کیا حق ہے ــــ واہ ــــ وا ــــ

ہاجرہ۔ (سہم کر) نہیں نہیں عذرا یہ بدگمانی یا بدتمیزی نہیں۔ اس میں کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور ہے۔

عذرا۔ وہ اپنے پہ دوسروں کو قیاس کرتے ہیں۔

ہاجرہ۔ شاید فرحت بھائی نے انھیں کوئی غلط خبر دی ہو۔

عذرا۔ میں تم لوگوں کی طرح بدگمانی نہیں کرتی۔

ہاجرہ۔ جانے کیا اسرار ہے میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔

عذرا۔ ہوگا۔

اگلے دن ہاجرہ کے پاس حبیب الٰہی صاحب کی سخت بیماری کا خط آیا۔ ہاجرہ اور ریاض اسی دن اکبرپور روانہ ہو گئے۔ عذرا نے جانے سے انکار کر دیا کہ میرا رسالہ نکلنے والا ہے اسے دیر ہو جائے گی۔ مجبوراً ریاض نے

نصیبن اور بڑے میاں اور دوسرے نوکروں کو وہاں چھوڑا اور خود ہاجرہ کو لے کر اکبر پور چلے گئے۔ حبیب الٰہی کو سخت بیمار اور انصار کے لئے بے قرار پایا۔ ریاض کے جاتے ہی انھوں نے وکیل کو بلا کر اپنا وصیت نامہ لکھوایا۔ چوتھائی جائداد امورِ خیر کے لئے باقی آدھی آدھی انصار اور ہاجرہ کی۔ گھر اور گھر کا ساز سامان انصار کے لئے لکھا۔ ہاجرہ سے کہا انصار سے کہہ دینا کہ میں نے اس کا قصور معاف کیا اور مرتے دم اس کے لئے چشم براہ رہا ہوں۔ ریاض نے دہلی سے ڈاکٹر کو بلوایا اور علاج شروع کردیا۔ انصار کو تین چار جگہ ارجنٹ تار دیئے۔ کیونکہ ٹھیک طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں ہوں گے۔ ریاض کا خیال تھا کہ وہ چل چکے ہیں اور عنقریب پہنچیں گے۔

چوتھے دن انصار کا تار بمبئی سے ریاض کے نام دہلی ہوتا ہوا اکبر پور پہنچا جس میں اپنے بمبئی پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔ ریاض نے ارجنٹ تار دیا کہ نانا ابا کی حالت نازک ہے فوراً آؤ۔ تین دن بعد صبح کو انصار پہنچ گئے۔ حبیب الٰہی کا سانس اکھڑ چکا تھا پھر بھی انھوں نے انصار کو پہچان لیا اور اسے گلے سے لگا کر بڑی دیر تک روتے رہے۔ دوسرے دن حبیب الٰہی صاحب اس دارِ فانی سے چل بسے۔

تیسواں باب

عذرا بھائی بھاوج کے جانے کے بعد سے ہر وقت رسالے کے کام میں مصروف رہتی۔ رسالہ نکلنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی جس کا اسے بہت افسوس تھا اور وہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ نمبر نکل آئے۔ وہ دن بھر اور آدھی رات تک اس کے کام میں لگی رہتی نصیبن نے کئی مرتبہ کہا "اجی بیوی کچھ دیر تو آرام کر لو۔ اللہ نہ کرے بیمار پڑ جاؤ گی۔ مگر اس نے سُنی اَن سُنی کر دی۔ تیسرے دن صبح اس نے بستر سے اُٹھنا چاہا تو اٹھا نہ گیا۔ سر اور بدن میں شدید درد تھا۔ عذرا دن رات خاموش لیٹی نہ جانے کیا کیا سوچا کرتی۔ نصیبن اس کی پٹی کے پاس متفکر بیٹھی رہتی۔ کبھی عذرا ان سے اپنی ماں کے بچپن کے حالات سُنتی۔ کبھی انصار کے پُرانے خط نکال کر پڑھتی رہتی۔

نصیبن نے کہا بیوی ریاض میاں کو اپنی بیماری کا حال لکھ دو مگر عذرا نے نہ مانا کہ وہ خود پریشانی میں ہیں۔ میں اور زیادہ کیوں پریشان کروں بخار ہے اُتر جائے گا۔ لیکن بخار نہ اُترا۔ ریاض کے جانے کے چھٹے دن انصار کا تار بمبئی سے آیا۔ اسے پڑھ کر عذرا پر ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی۔ اُس نے تار تو ریاض کو بھیج دیا مگر شام ہی سے اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ عذرا نے بمشکل ایک تار اصغر کے نام دیا کہ میری طبیعت خراب ہے تم اور سیدہ آجاؤ۔ رات کو بخار کی شدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ ساری رات نصیبن بچاری اس کے سرہانے بیٹھی سر پر پانی کا کپڑا رکھتی اور روتی رہیں۔

صبح دس بجے سیدہ اور اصغر علی گڑھ سے آئے تو بہن کی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عذرا کو ایک سو پانچ بخار۔ آنکھیں چھت کو لگی ہوئی، ہونٹ خشک اور ہذیانی کیفیت۔ اصغر نے دہلی کے کئی بڑے بڑے ڈاکٹروں کو بلا کر جمع کر لیا۔ سب کی متفقہ تجویز یہ تھی کہ دماغی بخار ہے۔ انتہائی احتیاط سے علاج اور تیمار داری کی ضرورت ہے۔ اصغر نے ایک تار ریاض کو اور دوسرا فرخ کو دیا۔ فرخ تو اگلے دن ہی پہنچ گئی۔ ریاض کو تار اس وقت ملا جب حبیب الٰہی دم توڑ رہے تھے۔ رات کو ان کا انتقال ہوا۔ اگلے دن تجہیز و تکفین کے بعد شام کو ریاض بدحواس دہلی بھاگے۔ ہاجرہ بہت پریشان تھی۔ مگر انھوں نے اسے سمجھا بجھا کر وہیں چھوڑا کہ یہاں جو لوگ تعزیت کو آئیں گے وہ آخر کس کے پاس آئیں گے۔ میں جا کر تار سے عذرا کی خیریت سے مطلع کروں گا۔ ہاجرہ کا دل تو نہیں مانتا تھا مگر مجبوری ہی

ایسی تھی کہ نہ جا سکی۔ اس کا وقت ہی نہ ملا کہ ریاض انصار سے کچھ کہتے یا انصار ریاض سے۔

ریاض نے عذرا کی حالت دیکھی تو سکتے میں رہ گئے۔ یا اللہ ہفتہ بھر میں اس کا یہ کیا حال ہو گیا۔ علاج ٹھیک ہو رہا تھا۔ فرخ سیدہ اور اصغر نے تیمار داری میں دن رات ایک کر رکھا تھا مگر عذرا کی حالت کسی طرح نہیں سنبھلتی تھی۔ عذرا نہ تو کسی کو پہچانتی تھی اور نہ سمجھ کر کوئی بات کرتی تھی۔ ہاں غفلت کی حالت میں بے ربط جملے بولتی رہتی۔ کبھی دل خراش آواز میں پکارتی "اماں —— اماں —— آیئے —— میرے پاس آ جایئے —— میری اماں آ جاؤ —— بہت دن سے —— نہیں دیکھا —— اماں —— تمہاری اجی —— اکیلی ہے —— ہائے اماں —— آپ —— آپ آ گئیں میری اماں" اور ساتھ ہی ساتھ اس کے خشک اور بے رنگ ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ کھیلنے لگتی جسے دیکھ کر سیدہ اور فرخ کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔

کبھی کہتی —— "ٹھیک ہے ناجرہ —— ٹھیک ہے —— میں بری ہوں —— غریب ہوں —— وہ اچھی ہے —— مقابلہ —— مقابلہ —— بہت اچھا ہوا —— بہت اچھا —" کبھی درد بھری آواز میں پکارتی "انصار —— یہ امید نہ تھی —— ایک دفعہ —— بس ایک دفعہ —— نئی دلہن مبارک ——" کبھی گھبرا گھبرا کر اپنا سر ادھر ادھر ہلاتی "نہیں نہیں مجھے کسی سے کیا —— اسے پروا نہیں۔ نہ ہو —— میرا پروین —— میرا بھائی —— بھائی جان آپ غم نہ کیجئے۔ عذرا خوش ہے —— بہت خوش —— میں تو اچھی ہوں۔ بالکل اچھی

ــــ ہاجرہ تم کیوں روتی ہو ــــ باجی ــــ باجی ــــ رضیہ نے مجھے ہمیشہ زک دی ــــ چھین لیا ــــ میرے ــــ انصار ــــ کو ــــ پکڑلے گئی.
ہائے پکڑلے گئی ــــ" کبھی بھیانک آواز سے چلا اٹھتی۔ "بچاؤ ــــ ارے مجھے بچاؤ ــــ ان بھیڑیوں سے ــــ ہائے یہ ــــ پکڑلیں گے ــــ بھائی جان ــــ باجی ــــ سیدہ ــــ ہاجرہ ــــ ارے کوئی بچالو ــــ نہیں نہیں ــــ جمیل بھائی سے میں ڈرتی ہوں.
ارے ــــ ارے ــــ فرحت بھائی ــــ تم جاؤ۔ نہیں میں نہیں جاؤں گی ــــ میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں ــــ میں ــــ میں"
کبھی التجا آمیز لہجے میں کہتی ــــ" انصار ــــ ان ــــ صار ــــ کیوں ــــ نا ــــ راض ــــ آؤ ــــ آجاؤ ــــ بس ایک ــــ مرتبہ ــــ"
اس کی بے ہوشی کی باتیں سُن سُن کر سب بہن بھائیوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ــــ سیّدہ اور فرخ روتے روتے بدحواس ہو جاتیں۔
ــــ اصغر بھی اپنے آنسو نہ روک سکتا۔ ریاض برف کی بوتل عذرا کے سر پہ رکھے با دلِ پُردرد سوچا کرتے ــــ" اُف میری چھوٹی سی بہن ــــ تو نے اس سال بھر میں کس قدر روحانی اذیت اُٹھائی۔
اور کسی سے اپنے دل کا حال نہ کہا ــــ چُپ چاپ سارا صدمہ اپنے دل پہ سہا ــــ کاش یہ اپنا غم بیان کرتی رہتی۔ شرم اور خودداری اور ضبط نے اُس کے منھ پہ مہر نہ لگائی ہوتی تو اس کا یہ حال نہ ہوتا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ اس کا ننھا سا دل محبّت کی آگ میں بھٹی کی طرح جل رہا ہے۔"
محمد احسان کسی ضروری کام سے بمبئی گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے

حبیب الٰہی کی موت اور عذرا کی بیماری کی خبر سُنی تو آنا چاہا۔ مگر کام میں ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ نہ آسکے۔ روز اُن کا تار دریافت خیریت کے لئے آتا تھا۔

دو تین دن تو ہاجرہ رُکی رہی۔ مگر جب برابر یہی اطلاع پہنچی کہ عذرا کی حالت مخدوش ہے تو اس سے نہ رہا گیا۔ انصار کو ساتھ لے کر دہلی روانہ ہوگئی۔ ریل کے درجہ میں انصار اور ہاجرہ کے سوا کوئی نہ تھا۔

انصار نے کچھ رکھائی سے ہاجرہ سے پوچھا "کیا بات ہوئی عذرا کی صحت کیوں اس قدر خراب ہوگئی ؟"

ہاجرہ۔ یہ آپ پوچھتے ہیں ؟ شرم نہیں آتی۔ ہائے انصار بھائی مجھے آپ سے یہ اُمید نہ تھی کہ اس طرح دغا کریں گے۔ میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔

انصار۔ یہ تم کس بات پر مجھے مطعون کر رہی ہو ؟ آخر میرا قصور ؟

ہاجرہ۔ بے شک آپ کے نزدیک تو کوئی قصور ہی نہیں۔ آپ عورت ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا۔ ہائے مرد کا دل، پتھر ہوتا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ کسی معصوم لڑکی کے دل سے کھیلنا کیسا خطرناک ہوتا ہے۔ مجھے رنج تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے کیوں بیچ میں ڈالا۔ میں نے کیوں آپ کی بات پر اعتبار کر کے عذرا کو آپ کی لازوال محبت کا یقین دلایا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید اس کے دل میں آپ کی محبت اتنی جڑ نہ پکڑتی اور آج اس کی جان کے لالے نہ پڑے ہوتے۔
(رونے لگی)

انصار۔ (پریشان ہو کر) یہ اُلٹی شکایت بھی خوب ہے تم لوگوں نے

خود مجھے خط لکھنا ترک کر دیا۔ اور مجھے پے در پے یہ اطلاعیں ملیں کہ عذرا کی نسبت فرحت حسن سے ہو رہی ہے یا ہو گئی۔ اس صدمہ سے مجھ پر جو کچھ گذری وہ میں ہی جانتا ہوں اور اوپر سے تم مجھی کو الزام دے رہی ہو۔

ہاجرہ۔(رونا دونا بھول کر) کیا کہا۔ کیا؟ یہاں سے کس نے لکھا؟

انصار۔ تو عذرا کی نسبت فرحت حسن سے نہیں ہوئی؟

ہاجرہ۔ یہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ کیسی نسبت کس کی نسبت؟

انصار۔ ہاجرہ خدا کے لئے مجھے پاگل نہ بناؤ۔ ٹھیک ٹھیک میرے جانے کے بعد سے اب تک کا حال سُناؤ۔

ہاجرہ۔ سیدہ کی شادی میں فرخ باجی آئیں تو انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈپٹی صاحب نے اپنی بیوی کو لکھا ہے کہ رضیہ اور انصار میں بہت پینگ بڑھ رہے ہیں اور انصار رضیہ پر ریجھ گیا ہے۔ تم بیٹی کو منع کرو۔ اس پر ان کی بیوی نے جواب دیا کہ مجھے انصار بہت پسند ہے اور تم رضیہ کو اس سے ملنے دو بلکہ اس کا موقع دو کہ وہ عذرا کے بجائے اپنی جگہ اس کے دل میں پیدا کرے۔ اور تم خود انصار کو مجبور کرو کہ وہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور امتحان دے۔ میں نے یہ سُن کر آپ کو ایک طول طویل خط لکھا۔ جس میں یہ سب باتیں لکھ کر آپ سے اس کی اصلیت پوچھی تھی اور فرخ باجی نے رضیہ کو خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ میں یہ کیا سُن رہی ہوں۔

انصار۔ مگر میرے پاس تو تمہارا اس مضمون کا کوئی خط نہیں پہنچا۔

ہاجرہ۔ آپ کے پاس سے میرے خط کا جواب نہ آیا۔ عرصے بعد رضیہ کا

خط فرخ باجی کے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ انصار عذرا کی بے اعتنائی اور رکھائی سے بہت دل شکستہ تھے۔ میں نے ان کی دلجوئی کی، ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑا اور اب بے شک ہم دونوں میں محبت ہے۔ اور عنقریب ہم دونوں ایک دوسرے کے ہو جائیں گے ۔۔۔ اس خبر کا جیسا سخت صدمہ ہم سب کو ہوا اُس کا آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا عذرا کے دل کی حالت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس نے خاموشی سے اس خبر کو سُنا اور صبر سے برداشت کیا۔ ایک لفظ کبھی کسی سے شکایت کا نہیں کہا۔ لیکن اس کی حالت دیکھ کر اس کے صدمہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کی ڈائری کے اندراجات دیکھے ہیں جسے پڑھ کر کوئی آنسو نہیں روک سکتا ۔۔۔ اس نے اپنے بھائی سے مشورہ اور اجازت لے کر ایک رسالہ نکالا اور سات مہینے سے دن رات اس کے کام میں مصروف رہتی ہے!

انصار۔ پروین؟

ہاجرہ۔ ہاں پروین۔ خدا کے فضل سے اس رسالے کی شہرت اور مقبولیت بعض پرانے پرانے ادبی رسائل سے بڑھ کر ہے۔ عذرا نے یوں تو اس صدمہ کو مستقل مزاجی اور بے پروائی کی ادا سے سہا مگر اس کی زندہ دلی اور شگفتگی ختم ہو گئی، پژمردہ خاموش اور اُداس رہتی ہے روز بروز کمزور دُبلی اور زرد ہوتی جاتی ۔۔۔ خدا جانے کتنی راتیں جاگتے جاگتے گزار دیتی۔ اور میری شرم سے یہ حالت کہ اس کو اور اس کے بھائی کو مُنہ دکھانے کو جی نہیں چاہتا جیسے سارا قصور میرا ہی ہو۔

انصار کا چہرہ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک رنگ آتا ایک جاتا۔ آخر اس نے شک بھرے لہجے میں پوچھا "تو کیا سچ مچ عذرا اور فرحت کی نسبت نہیں ہوئی؟"

ہاجرہ۔ افسوس آپ عذرا کو نہیں جانتے۔ اس کی محبت آپ کی طرح ناپائدار اور وقتی نہیں ہم لوگوں کو ساری فکر اور پریشانی تو یہی تھی کہ وہ دل و جان سے آپ کی ہو چکی اور اگر اس کی شادی ہو سکتی تھی تو آپ سے ورنہ وہ ساری عمر یونہی گزارنے پر تیار ہے۔

انصار۔ (جو رنج اور غصے سے کانپ رہا تھا) اف ــ میرے ساتھ کیسی چال چلی گئی۔ میں بھی کتنا احمق ہوں کہ لوگوں کی باتوں میں آکر اپنی پیاری عذرا اور عزیز بہن بھائی کے دل کو اتنا صدمہ پہنچایا۔ ہائے غلط فہمی سہی، مگر میری وجہ سے عذرا کو کتنا صدمہ سہنا پڑا۔ یا اللہ میں نے کیوں عذرا کی طرف سے بد گمانی کی۔

ہاجرہ۔ آخر قصہ کیا ہے بتائیے تو سہی ــ اور ہاں کیا واقعی آپ کی رضیہ سے نسبت یا شادی ہو گئی ہے؟

انصار۔ رضیہ کی شادی رشید احمد بار ایٹ لا سے ہونے والی ہے۔ خدا جانے تم لوگوں نے کیوں یہ یقین کر لیا کہ میں عذرا کو چھوڑ کر رضیہ پر ریجھ جاؤں گا ــ ایک مرتبہ مجھے تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا لفافہ ضرور ملا تھا۔ مگر اس میں خط بجائے میرے نام کے رضیہ کے نام کا تھا۔ اور فرخ کا لکھا ہوا۔ اتفاقاً رضیہ اس وقت وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بغیر پڑھے وہ خط اسے دے دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لفافے بدل گئے ہوں گے اور میرے نام کا خط رضیہ کو ضرور ملا ہو گا۔ اگرچہ

اس نے باوجود میرے کئی مرتبہ پوچھنے کے انکار ہی کیا۔ رضیہ نے مجھ سے کہا کہ فرخ نے لکھا ہے کہ سیدہ کی شادی ہوگئی اور سب لوگوں کی مرضی ہے کہ عذرا کی شادی بھی جلد ہو جائے۔ سب لوگ فرحت حسن کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرحت کا خط میرے نام آیا جس میں لکھا تھا۔ لو تم وہ خط ہی پڑھ لو نا۔ میرے بیگ میں موجود ہے۔ کچھ دن بعد رضیہ نے مجھے اپنی ماں کے خط کے حوالے سے یہ خبر سُنائی کہ عذرا اور فرحت کی نسبت ہوگئی۔ عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ یہ خبر سُن کر میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ میں سخت بیمار پڑ گیا۔ بے شک اس بیماری میں رضیہ نے میری بے حد تیمار داری اور دلجوئی کی۔ اور اس کا بھی میں اعتراف کرتا ہوں کہ رضیہ کی اُس وقت کی محبت اور خدمت کا مجھ پہ بہت اثر ہوا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ جب عذرا نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں ہی کیوں اس کی پرواہ کروں۔ رضیہ سے شادی کرلوں۔ اس عرصے میں ڈپٹی صاحب بھی مجھ پر عنایت فرماتے رہے اور ہر موقع بے موقع مجھے جرنلزم کی تعلیم چھوڑ کر "لا" یا آئی سی ایس کرنے کی صلاح دیتے رہے۔ میں اس پر تو راضی نہ ہوا مگر رضیہ کی طرف میرا میلان بڑھتا گیا۔ میرے امتحان سے کچھ پہلے رضیہ کی ایک پنجابی نوجوان بیرسٹر رشید سے ملاقات ہوئی اور بہت جلد دونوں میں محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں۔ مجھے یکایک تو سخت دھچکا سا پہنچا۔ کہ میں ایسا ہوں کہ کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہوتی۔ لیکن پھر مجھے رضیہ کا خیال نہیں آیا۔ اس سے محض وقتی طور پہ دلچسپی پیدا ہوگئی تھی جسے جنسی کشش کہتے ہیں۔ عذرا کی محبت پھر پورے زور شور کے ساتھ اُبھر آئی۔

اپنی ناکامی عذرا کی بے وفائی اور تم لوگوں کی بد عہدی کا صدمہ مجھے کسی وقت چین نہیں لینے دیتا تھا۔ سال بھر سے تم میں سے کسی نے مجھے خط نہیں لکھا تھا۔ میں نے بھی رنج اور غصے میں خط لکھنا بند کر دیا میں سمجھا تھا کہ تم اور ریاض بھائی شرمندگی کی وجہ سے مجھے خط نہیں لکھتے ہو۔

ہاجرہ۔ مجھے کچھ دن پہلے آپ کا خط ملا جو ہم لوگوں کے لئے اچھا خاصا معمہ تھا۔ اس کے بعد فرخ باجی کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ رضیہ واپس آ رہی ہے۔ جس کا نتیجہ ہم سب نے یہی نکالا کہ آپ دونوں ساتھ آ رہے ہیں اور غالباً شادی ہو گئی ہے۔ اگلے دن دادا ابا کی بیماری کا خط آیا اور ہم دونوں اکبر پور چلے گئے ــ عذرا امتحان کے کام کی وجہ سے دہلی میں رہی۔

انصار۔ عذرا کیا پہلے سے بیمار تھی۔

ہاجرہ۔ بظاہر تو کچھ بھی بیمار نہ تھی ــ معلوم یہ ہوا کہ ہم لوگوں کے آنے کے بعد سے طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ لیکن نہ ڈاکٹر کو دکھایا نہ ہم لوگوں کو لکھا۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اصغر کو علی گڑھ تار دے دیا اس نے آکر دیکھا تو حالت بہت خراب پائی۔ اب ڈاکٹروں نے دماغی بخار تجویز کیا ہے ــ بے ہوشی ہے، ہذیان ہے، اور ایک سو پانچ بخار رہتا ہے ــــ دماغی بخار نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ دن رات سوچا کرتی تھی ــ جب اچھی ہو جائے تب بات ہے۔ ہائے اس غلط فہمی نے اس کی جان لی۔

انصار اس سے زیادہ نہ سن سکے۔ حالت اضطراب میں درجے میں

ٹہلنے لگے اُن کی حالت اس وقت پاگلوں کی سی تھی۔

اسٹیشن پر صرف ملازم آیا تھا جس نے کہا آج عذرا بی کی حالت بہت خراب ہے۔ دونوں انتہائی پریشانی میں گھر پہنچے۔ فرخ قرآن ہاتھ میں لئے آسمان کے نیچے کھڑی رو رو کر دعائیں پڑھ رہی تھی۔ سیدہ سجدے میں پڑی سسک رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر دونوں بے قرار ہوگئیں اور ہاجرہ سے لپٹ کر رونے لگیں ــــ انصار وحشت کے عالم میں تیر کی طرح بیمار کے کمرے کی طرف گئے۔ سفید بستر پہ عذرا بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی ــ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں چھت کو لگی ہوئی تھیں۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا تھا اور جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ نرس برف کی تھیلی اس کے سر پہ رکھے کھڑی تھی ــــ ایک طرف دو ڈاکٹر کھڑے آہستہ آہستہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف ریاض جن کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ ذرا جھکے ہوئے بہن کی نبض پہ ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔

انصار اور ریاض کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ریاض نے ایک نظر انصار پہ ڈالی اور لڑکھڑاتی آواز میں ایسے لہجے میں جس میں انتہائی ملامت بھری ہوئی تھی کہا: "انصار ــــ اب آئے ہو؟" انصار کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ بمشکل دو قدم آگے بڑھے۔ اسی وقت عذرا کے خشک ہونٹوں سے ایک کراہ کی طرح یہ الفاظ نکلے: ــــ

"ان ــــ صار ــــ آہ ــــ ان ــــ صار ــــ آہ ــــ"

انصار کا چہرہ لاش کی طرح زرد پڑ گیا۔ انھوں نے ایک ہاتھ اپنے

پسینے سے بھیگے ہوئے ماتھے پر رکھا، دوسرے سے عذرا کے پلنگ کی پٹی پکڑنے کی کوشش کی۔ دو بار لڑکھڑائے۔ اور دھم سے زمین پہ گر گئے۔ ریاض گھبرا کر سنبھالنے کو اٹھے تو دیکھا بیہوش ہیں۔

نرس نے گھبرا کر ریاض کو آواز دی۔ ریاض نے پلٹ کر دیکھا عذرا کی سانس اکھڑی اکھڑی چل رہی تھی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ ایک ڈاکٹر انجکشن تیار کر رہا تھا۔ دوسرا جھکا ہوا نبض دیکھ رہا تھا۔ ریاض کے منہ سے ایک دلخراش آہ نکلی اور وہ کرسی پہ گر پڑے۔

اکیسواں باب

سوئٹزرلینڈ میں ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی پر ایک مختصر سی کوٹھی "آشیانہ" واقع ہے۔ اس کے سامنے کی طرف داغ ہے اور پشت پر چھوٹا سا شفاف چشمہ بہتا ہے۔ نومبر کا مہینہ ختم ہونے کو ہے۔ کسی کسی دن سردی بہت چمک جاتی ہے۔ کبھی ہلکی سی برف باری بھی ہو جاتی ہے۔ اس دن کا دلکش سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے اور جب سورج کی رنگین کرنیں چمکتے ہوئے برف پر پڑتی ہیں تو ساری دنیا رنگین چمک دار اور خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔

آج کئی دن بعد سورج کی صورت نظر آئی تھی۔ تین چار دن پہلے برف باری ہو چکی تھی لیکن آج مطلع بالکل صاف تھا اور سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ گھاس، درخت، پتے، چھتیں وغیرہ سب برف سے سفید تھے جن پر سورج کی کرنیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ اکثر شوقین لوگ

برف پر اسکیٹنگ (Skating) کر رہے تھے۔ بہت سے کوٹ دستانے موزے وغیرہ پہنے اور مفلر لپیٹے سیر کو نکل گئے تھے اور کہیں بچے برف سے کھیل رہے تھے۔

"آشیانہ" کی اوپر کی منزل میں بند برآمدے کے اندر جہاں اس وقت دھوپ خوب آ رہی تھی ایک میز کے گرد چار کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک کرسی پر ہاجرہ اونی لمبا کوٹ پہنے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی دوسری پر سیدہ اپنی دُہری شال میں لپٹی اپنے سرد ہاتھوں کو مل مل کر گرم کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ شاہد اونی کپڑوں میں ڈھکا ہوا آیا کی گود سے نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا مگر آیا کے سیاہ اور سخت ہاتھ بچارے کی کوشش کو پورا نہیں ہونے دیتے تھے۔ میز پر چائے کا سامان چنا ہوا تھا۔

سیدہ۔ دُلھن بھابی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

ہاجرہ۔ (اخبار الگ ڈال کر) بہن ابھی تک نہیں اٹھیں۔

سیدہ۔ جاگ تو گئی ہیں۔ میں نے انھیں بستر پر ایک پیالی چائے دیدی تھی آج سردی بہت ہے۔

ہاجرہ۔ اور اصغر کیا اب تک سو رہے ہیں؟

سیدہ۔ جی ہاں انھیں دن رات سونے کے سوا اور کام ہی کیا ہے۔ میں بھی آج نہیں اٹھاؤں گی۔ اور جب اٹھیں تو آپ چائے ہرگز نہ دیجیے گا۔

ہاجرہ۔ (ہنس کر) جاؤ جا کر اسے اٹھا دو۔ کیوں بچارے کو سزا دیتی ہو۔

سیدہ۔ آپ کہتی ہیں تو مجبوری ہے ورنہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ آج انھیں کوئی نہ اٹھائے۔ دیکھیں کب تک سوتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے سیدہ اندر چلی گئی اور ہاجرہ چائے بنا کر پینے لگی۔

اصغر ڈریسنگ گاؤن پہنے آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا اور ہاجرہ کو سلام کرکے کرسی پہ بیٹھ گیا اور چائے بنا کر پینے لگا۔

سیّدہ۔ توبہ ایسا بھی آدمی پوستی نہ ہو۔ منہ بھی نہیں دھویا اور ناشتہ کرنے لگے۔

اصغر۔ تمہاری بھی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ بھلا اس شدید سردی میں کوئی شریف آدمی منہ دھوتا ہے۔

سیّدہ۔ جی اور کیا آپ کے سوا اور تو کوئی گھر میں شریف ہے ہی نہیں روز بروز انگریز بنتے جاتے ہو۔ بھئی کیا کہنے معلوم ہوتا ہے ساری عمر لندن میں گزاری ہے ساڑھے دس بجے بیدار ہوئے اور بغیر منہ دھوئے ناشتہ کرنا شروع کردیا توبہ توبہ۔

اصغر۔ تم تو خواہ مخواہ لڑتی رہتی ہو۔ آخر کلی تو کر لی تھی۔ منہ دھو کر کیا کرنا ہے۔ دیکھئے دلھن بھابی یہ مجھے ہر وقت ڈانٹا کرتی ہے۔

سیّدہ۔ بڑے آئے دلھن بھابی سے شکایت کرنے والے دلہن بھابی میری ہیں یا تمہاری ؟

اصغر۔ پوچھ دیکھو کس کی ہیں۔ کیوں بھابی ؟

ہاجرہ۔ (ہنس کر) تمہارا بچپن ابھی تک نہ گیا۔ تم دونوں ہر وقت بچوں کی طرح لڑا کرتے ہو۔

اصغر۔ بھئی بھابی میرا پیٹ نہیں بھرا ایک انڈا اور کئی توس اور منگائیے۔

سیّدہ۔ توبہ ہے۔

اصغر۔ توبہ توبہ کیا لگا رکھی ہے۔ یہ پہاڑ سے پہاڑ۔ اور پھر جاڑے کا زمانہ۔ کتنا ہی کھالو کسی وقت پیٹ بھرتا ہی نہیں۔ ہر وقت بھوک لگتی رہتی ہے۔

سیّدہ۔ جب تو ماشاء اللہ اتنے موٹے ہو گئے ہو۔

ہاجرہ۔ بھئی کیوں نظر لگاتی ہو۔

اصغر۔ ذرا شیشہ میں اپنا منہ تو دیکھو۔ کلچے کی طرح تمہارا چہرہ ہو گیا ہے اور گال سیب سے بھی زیادہ سُرخ۔ عمر بھر سیدہ کبھی اتنی موٹی نہ ہوئی تھی۔

سیّدہ۔ (مُسکرا کر) کہتے تو سچ ہو۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اسی طرح موٹی ہوتی چلی گئی تو فٹ بال ہو جاؤں گی۔ ایک یونہی قد چھوٹا ہے۔ باجی کو بھی ماشاء اللہ بہت فائدہ ہوا ہے۔ اب تو چشم بد دُور خوب سُرخ ہو گئی ہیں۔

اصغر۔ ہوں گی نہیں۔ سارے دن انڈے، دودھ، پھل، مکھن یہ وہ۔ دُنیا بھر کی چیزیں کھایا کرتی ہیں۔

سیّدہ۔ تم کیوں ٹوکتے ہو ــــــ تم خود کیا کسی سے کم کھاتے ہو۔ اور وہ تو آئی ہی اسی لئے ہیں اور سب تو طفیلئے ہیں۔

اصغر۔ اچھا خیر ہم طفیلئے ہی سہی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عذرا سر سے پاؤں تک گرم کپڑوں میں لپٹی لپٹائی باہر نکلی اور آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ہاجرہ۔ نیند خوب آئی؟

عذرا۔ خوب۔ بارہ بجے کی سوئی ہوئی کہیں ساڑھے نو کے بعد آنکھ کھلی۔ ایک کروٹ میں سویرا ہو گیا۔

اصغر۔ یہ تو آپ کی صحت کے لئے بہت اچھا اور ضروری ہے۔

سیّدہ۔ اور ہاں تمہاری صحت کے لئے بھی دن رات سونا بہت ضروری ہے۔

اصغر۔ تم جلا کرو۔

عذرا۔ ان دونوں نے پھر صبح ہوتے ہی لڑنا شروع کر دیا۔

اصغر۔ چھوٹی باجی دیکھ لیجئے صبح سے برابر جان کھائے جاتی ہیں۔ بہت سوتے ہو۔ بہت کھاتے ہو۔ اچھا پھر یہ کیوں جلتی ہیں یہ بھی کھایا کریں

اور سو یا کریں منع کون کرتا ہے۔
سیدہ۔ میں کیا تمہاری طرح بے کار ہوں۔
عذرا۔ (مسکرا کر) سیدہ بھئی تم میرے بھائی کو نہ ٹوکا کرو۔ ہاجرہ جلدی سے گرم ناشتہ منگاؤ بڑی سخت بھوک لگی ہے۔
اصغر۔ دیکھو اب باجی کو کچھ نہیں کہتیں۔
ہاجرہ نے انڈے توس، دودھ، دلیا اور چائے منگائی۔ عذرا ناشتہ کرنے لگی۔
سیدہ۔ باجی وہ طاقت کی دوا ختم ہو گئی۔ آج اس کی ایک شیشی اور منگا لیجئے۔
عذرا۔ اب طاقت کی دوا کیا ہو گی۔ اتنی موٹی تو میں عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی جیسی آج کل ہو رہی ہوں۔ دوا پی کر کیا ہو گا۔
ہاجرہ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمہیں تندرست کر دیا۔
سیدہ۔ کسے امید تھی کہ چھوٹی باجی بچ جائیں گی۔ قربان اس کی قدرت کے جس نے انھیں دوبارہ زندگی بخشی۔ اُف اس دن تو کوئی امید ہی نہ رہی تھی۔
ہاجرہ۔ افوہ۔ وہ دن مجھے کبھی نہ بھولے گا جس وقت گھر پہنچی تو ان لوگوں کو روتا پایا۔ عذرا کے کمرے کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک طرف انصار بھائی بیہوش پڑے ہیں۔ دوسری طرف اس کے بھائی کرسی پر ساکت بیٹھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عذرا کو دیکھ رہے ہیں۔ اور عذرا بے حس و حرکت بالکل نصیب اعدا مردے کی طرح پڑی ہے۔ نہ ڈاکٹروں کا خیال نہ پردے کا ہوش۔ ہم تینوں بے قرار ہو کر اندر گھس گئے اور رونا پیٹنا شروع کر دیا۔
سیدہ۔ ڈاکٹروں اور نرس نے ڈانٹ کر ہمیں کمرے سے باہر نکال دیا اور بھائی جان سے کہا کہ ان لوگوں کو خاموش کیجئے۔ افوہ ـــ وہ وقت جب

بھائی جان نے کہا کہ روؤ نہیں عذرا ابھی زندہ ہے۔ دعا مانگو کہ بچ جائے وہ چوبیس گھنٹے کس کرب کی حالت میں گزرے ہیں الہٰی توبہ — ہم اپنی ہچکیوں کا گلا گھونٹے صرف آنسوؤں سے روتے اور سجدے میں پڑے گڑگڑاتے رہے۔ بار بار دبے پاؤں جا کر باجی کو جھانک آتے، جہاں تین چار ڈاکٹر دنیا بھر کی تدبیریں کر رہے تھے۔ اور انصار بھائی اور بھائی جان پتھر کی مورتیوں کی طرح چپ چاپ ایک طرف بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

عذرا۔ (مسکرا کر) مگر پھر سب کو بڑی مایوسی ہوئی کہ سارا شیون و ماتم بے کار گیا اور مردہ جی اٹھا۔

سیّدہ۔ خدا نہ کرے۔

عذرا۔ چلو یہ اندازہ تو ہو گیا کہ میری موت کا کس کو کتنا صدمہ ہو گا۔

ہاجرہ۔ بس بکواس نہ کرو۔

عذرا۔ ہاجرہ آج تو سیر کے لئے جانے کو جی چاہتا ہے۔

سیّدہ۔ ہاں ہاں ضرور۔

اصغر۔ آج کا دن تو سیر کا ہی۔ اور اگر آپ لوگ Skating کریں تو بڑا مزا آئے۔

سیّدہ۔ بڑا اچھا لگے گا برقعے اوڑھ کر اسکیٹنگ کرتے۔

اصغر۔ تو نہ اوڑھو برقعہ۔

عذرا۔ اب تو تم روز بروز صاحب بنتے جاتے ہو۔

اصغر۔ چھوٹی باجی انصار بھائی بھی تو پردے کے خلاف ہیں۔

عذرا خفیف سا مسکرا کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد سب لوگ سیر کو نکل گئے۔ واپسی پر ہاجرہ کو ریاض کا خط ملا۔

دہلی۔

جانِ ریاض۔ سلام شوق اور اشتیاقِ دید ــــ تمہارا خط ملا۔ یہ پڑھ کر بہت خوشی اور اطمینان ہوا کہ تم سب لوگوں کی صحت اچھی ہے اصغر نے جو تصویریں بھیجی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کی آب و ہوا سب کو راس آئی۔ اصغر اور سیدہ خوب موٹے ہو گئے ہیں۔ عذرا بھی پہلے سے زیادہ موٹی اور ماشاء اللہ خوب تندرست معلوم ہوتی ہے۔ البتہ تم ویسی کی ویسی ہو۔ کیا بات ہے گھر کی فکریں موٹا نہیں ہونے دیتیں یا کسی کی جدائی ؟ شاہد کی تصویر بڑی پیاری آئی ہے وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔

انصار بمبئی سے آ گئے۔ جیسا کہ ان کا ارادہ تھا۔ انھوں نے اپنے حصے کی جائداد بیچ کر قرضے کا جو حصہ اُن کے ذمّہ تھا وہ ادا کر دیا ہے اور باقی روپیہ اخبار کے لئے جمع کرا دیا ہے۔ پہلے ان کا ارادہ انگریزی اخبار نکالنے کا تھا مگر بہت سوچ بچار اور بحث مباحثہ کے بعد ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اخبار اردو کا ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہاں اب تک کوئی اردو کا ایسا اخبار نہیں جو بے لاگ اور نڈر طریقے سے عوام کے خیالات کی صحیح ترجمانی کرے۔ ابتدائی مراحل سب طے ہو گئے ہیں۔ اجازت بھی مل گئی ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد اخبار نکل آئے گا۔ نام آزادی رکھا گیا ہے۔

پرسوں چچا جان تشریف لائے تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب عذرا

کی شادی بہت جلد کر دی جائے۔ وہ انصار کے جائداد نہ ہونے پر بہت ناراض اور اس کے مستقبل سے بدگمان ہیں۔ فرحت کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فرحت نے ان کو انصار کے خلاف بھڑکایا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ انصار کے دوبارہ تحریک کرنے کا انتظار ہے۔ پھر بہت جلد شادی ہو جائے گی۔ اس پہ وہ بہت ناراض ہوئے کہ اگر انصار پیام نہیں دیتا تو کیا تمھیں لڑکوں کی کمی ہے۔ فرحت بہت مصر ہے۔ اس کی اس وقت آٹھ سو نو سو کی آمدنی ہے اور بہت خواہش سے یہ رشتہ چاہتا ہے۔ انصار کے پلے کیا ہے۔ کیا خود کھائیں گے کیا بیوی کو کھلائیں گے ـــــ میں نے کہا چچا جان یہ سب درست ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ڈھائی سال سے انصار سے وعدہ ہو چکا ہے۔ پھر عذرا انصار کے سوا کسی دوسرے کو پسند نہیں کرتی ـــ اس پہ وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے انصار سے چچا جان کی باتوں کا ذکر کیا جو میرا خیال ہے کہ انھیں ناگوار گزریں۔ انھوں نے کہا میں نے دوبارہ تحریک تو اس لئے نہیں کی تھی کہ میرے پہلی دفعہ کے پیام کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔ چچا جان کا یہ خیال بھی درست ہے کہ میرا اور فرحت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ عذرا کے آسائش اور آرام کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور میں تو مزدور آدمی ہوں۔ بہر حال عذرا کی مرضی آپ کے اور میرے سب کے لئے مقدم ہے اگر وہ فرحت کو پسند کرتی ہیں تو میں بغیر کسی شکایت یا رنج کے سر تسلیم خم کر دوں گا۔ میں نے کہا بے وقوف کیا عذرا کے بخار کا ہذیان سننے کے بعد بھی تمہیں عذرا کی مرضی دریافت کرنے کی ضرورت ہے ـــ اس پہ

فرمایا" وہ تو بخار کا ہذیان تھا۔"

تم عذرا کو یہ خط دکھا کر اس سے انصار کی بات کا جواب لو۔ میں آٹھ دس دن میں سولن آؤں گا اور ممکن ہوا تو انصار کو بھی ساتھ لاؤں گا۔

عذرا، سیدہ، اصغر اور شاہد کو بہت بہت دعائیں اور پیار۔ عذرا سے کہنا تمہیں اتنا تندرست اور موٹا دیکھنا چاہتا ہوں کہ پہچان نہ سکوں۔

اپنے آنے کی اطلاع تار سے دوں گا

دل و جان سے تمہارا

ریاض

ہاجرہ نے عذرا کو ریاض کا خط دکھایا اور جب وہ پڑھ چکی تو پوچھا "ہاں عذرا اب کہو انصار بھائی کے پیام کا کیا جواب دیتی ہو۔ اب تو ڈھائی سال سوچ چکیں۔"

عذرا نے ہاجرہ کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔ اس کا چہرہ چھپی ہوئی خوشی اور نمایاں شرم سے سرخ ہو گیا۔ ہاجرہ نے بے اختیار عذرا کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ "میری بھابی —— میری دلہن —— میری عذرا۔" عذرا نے جھنجھلا کر بڑی مشکل سے اپنے کو ہاجرہ کی گرفت سے چھڑایا۔

رات کی گاڑی سے ریاض اور انصار سولن پہنچے۔ صبح ناشتہ پر سوا عذرا کے سب موجود تھے۔ ریاض نے ہاجرہ سے پوچھا "عذرا کہاں ہے؟" ہاجرہ نے بے پروائی سے کہا "ابھی سو رہی ہے۔" ناشتہ کے بعد اکیلے میں ریاض نے کہا "عذرا آخر کیوں نہیں آئی؟"

ہاجرہ۔ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ عذرا اب کیسے آسکتی ہے۔
ریاض۔ کیوں نہیں آسکتی کیا پردہ کرے گی۔
ہاجرہ۔ اور کیا۔
ریاض۔ مجھے یہ فضول رسمیں پسند نہیں۔ تعجب ہے کہ تم ان لغویات کی پابند ہو۔
ہاجرہ۔ میں ان کی پابند نہیں مگر آخر دنیا کے کہنے کا بھی تو خیال کرنا ہی چاہیئے۔
ریاض۔ ہم کیوں دنیا کی فضول باتوں کی تقلید کریں۔
ہاجرہ۔ اب خود عذرا کو بھی تو سامنے آتے شرم آتی ہے۔
ریاض۔ شرم آنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن پردہ کرانا مجھے پسند نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ کسی غیر جگہ شادی ہو تب بھی لڑکے لڑکی کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع دینا چاہیئے نہ کہ انصار۔
ہاجرہ۔ جیسی آپ کی مرضی مگر میں عذرا کو مجبور نہ کرونگی خواہ مخواہ لڑکی کو پریشان کرنا۔
ریاض۔ تم ہر بات میں عذرا کے اشاروں پر چلتی ہو۔
ہاجرہ۔ اچھا یہی سہی۔
ریاض۔ ذرا سوچو تو ڈھائی برس سے یہ دونوں ایک دوسرے سے نہیں ملے۔ دونوں نے کس قدر رنج اور تکلیف اٹھائی۔ اب انہیں اتنا بھی موقع نہ دیا جائے کہ ایک بار مل کر اپنے دل کی بات دوسرے سے کہہ دیں۔
ہاجرہ۔ جو چاہے کیجئے آپ تو روز بروز آزاد خیال بنتے جاتے ہیں۔
ریاض۔ (ہنس کر) آزاد خیالی تو کوئی بری چیز نہیں۔ ہاں تم بڑی بھاوج بن کر بالکل دادی اماں بن گئی ہو۔
ریاض عذرا کے کمرے میں گئے تو وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ ریاض کو دیکھ کر اس نے سر ڈھک کر سلام کیا

اور بھائی کے گلے سے لپٹ گئی۔
ریاض۔ اب جی کیسا رہتا ہے۔
عذرا۔ خدا کا شکر ہے بالکل اچھی ہوں۔ دیکھئے تو بھائی جان میں کتنی موٹی ہو گئی ہوں۔
ریاض۔ ماشاء اللہ خوب سُرخ ہو رہی ہو۔ یہ برفوں میں رہنے کی برکت ہے۔
عذرا۔ اب تو یہاں سے لے چلئے ورنہ اس رفتار سے موٹی ہوتی رہی تو محمدی چچی کا نمونہ بن جاؤں گی۔
ریاض۔ اطمینان رکھو تم سات جنم کوشش کرو تب بھی وہ تن و توش نہیں لا سکتیں۔ ہاں تم ناشتہ پر کیوں نہیں آئیں۔
عذرا۔ (آنکھیں جھکا کر) میری آنکھ دیر میں کھلی۔
ریاض۔ اچھا اب باہر آؤ۔ سیر کو چلیں گے۔
عذرا۔ میری طبیعت کچھ سُست ہے کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔
ریاض۔ (مُسکرا کر) طبیعت تو ماشاء اللہ بہت بحال معلوم ہوتی ہے بہانے مت بناؤ چلو باہر۔
عذرا۔ ابھی تو میں نے سر بھی نہیں گوندھا۔ آپ چلئے میں آتی ہوں۔
ریاض باہر چلے گئے اور عذرا شش و پنج کے عالم میں ایک ہاتھ میں کنگھی دوسرے میں بالوں کی لٹ پکڑے کھڑی سوچتی رہی کہ کیسے انصار کے سامنے جاؤں؟ ڈھائی سال سے وہ انصار سے نہیں ملی تھی بیماری کے زمانے میں اگرچہ انصار آ گئے تھے مگر اسے ہوش نہ تھا جب طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹروں کی ہدایت کے بموجب انصار سامنے نہیں آئے۔ اور مکمل صحت ہونے سے پہلے وہ اخبار کے کام سے بمبئی چلے گئے

اُن کے آنے سے پہلے ہی ریاض نے ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق عذرا کو پہاڑ پر بھیج دیا۔ اب عذرا کو تمام حالات معلوم ہو چکے تھے اسے رنج تھا کہ میری وجہ سے انھیں اتنا صدمہ اٹھانا پڑا۔ افسوس تھا کہ میں نے کیوں اُن کی محبت پر شک کیا، شکایت تھی کہ انصار نے میری محبت پر بھروسہ نہ کیا۔ اس کا جی انصار کو دیکھنے اور جی کھول کر باتیں کرنے کو بے تاب تھا مگر ساتھ ہی شرم اس کے پاؤں کی زنجیر ہو رہی تھی۔ سب لوگ ہوں گے کیسے اُن کے سامنے جاؤں۔ مجھے کتنی شرم آئے گی۔ انصار بات کریں گے تو کس طرح جواب دوں گی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ اس سوچ میں کھڑی رہی۔ ریاض نے انتظار کرنے کے بعد سیدہ کو بھیجا جو آکر بہن کے سر ہو گئی کہ میں تمہیں باہر لے کر جاؤں گی۔ سب لوگ تیار کھڑے ہیں لیکن تم نہ گئیں تو کوئی بھی نہ جائے گا۔ عذرا سیدہ کے اصرار سے مجبور ہو گئی اس نے چوٹی میں بل ڈال کر برقعہ اوڑھا جوتے پہنے اور سیدہ کے ساتھ باہر آئی۔ برامدے میں صرف ہاجرہ اور انصار تھے اصغر اور ریاض باہر چلے گئے تھے۔ عذرا نے اُچٹتی ہوئی نظر انصار پر ڈالی ہاتھ سے سلام کیا۔ انصار اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور کرسی آگے بڑھا دی عذرا بیٹھ گئی۔

انصار۔ اب کیسی طبیعت ہے۔

عذرا۔ (دبی آواز سے) شکر ہے۔ اچھی ہوں۔

انصار۔ الحمدللہ۔

عذرا۔ (ہاجرہ کی طرف مڑ کر) چلئے ....

ہاجرہ نے ملازم کو ہدایت کی کہ دوپہر کا کھانا تیار کر کے پہاڑی پر لے آنا اور پھر یہ سب لوگ سیر کو روانہ ہو گئے۔ آگے آگے مرد تھے

ان کے پیچھے یہ تینوں ـــ اصغر سیدہ اور ہاجرہ چہک رہی تھیں۔ ریاض خوب باتیں کر رہے تھے، اصغر اور سیدہ میں نوک جھوک برابر ہو رہی تھی۔ لیکن عذرا بالکل خاموش تھی۔ انصار بھی گفتگو میں بہت کم حصّہ لے رہے تھے کچھ دور چلنے کے بعد ان لوگوں نے سیدھی سڑک چھوڑ دی اور ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ کوئی خاص رستہ تو تھا نہیں۔ جس کا جس طرف سے جی چاہا چڑھنا شروع کر دیا۔ اصغر اور سیدہ ایک طرف چلے گئے کچھ دیر بعد ریاض اور ہاجرہ کسی دوسری طرف مُڑ گئے۔ عذرا نے دیکھا کہ اب صرف انصار سر جھکائے اُس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں وہ یہ دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ وہ بہت تھک گئی تھی پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک پتلے سے چشمے کی دھار بہتی نظر آئی تو وہ رُخ بدل کر اُدھر جانے لگی۔ انصار نے پوچھا "اُدھر کہاں؟" عذرا نے دھیمی آواز سے "پانی پیوں گی"۔ انصار نے کہا "پیاس تو مجھے بھی بہت لگی ہے"۔ دونوں چشمے کے نزدیک آئے۔ عذرا نے ڈگمگا کے پانی پیا اور دھم سے وہیں سبزے پر بیٹھ گئی۔ انصار بھی پانی پی کر اس کے برابر آ بیٹھے دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے۔

خوش گوار موسم، اوپر چمکتا ہوا آفتاب جس کی کرنیں برف پر عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ سامنے لہراتا ہوا چشمہ، پہاڑی طیور کا درختوں پر چہچہانا، اور دور کسی چرواہے کی بنسری کی دلکش آواز نے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔ انصار گھاس پر نیم دراز ایک کہنی زمین پر ٹکائے اور ہاتھ سے ٹھوڑی کو سہارا دئے بیٹھے تھے اور بار بار عذرا کے چہرے کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ عذرا ٹانگیں پھیلائے گردن جھکائے گھاس پر بیٹھی تھی اور اپنے سیاہ

ریشمی برقعے کا پلو انگلی پر لپیٹ اور کھول رہی تھی۔ انصار بار بار کچھ کہنے کو زبان کھولتے اور عذرا کی طرف دیکھتے مگر وہ اسی طرح اپنے برقعہ کا کونہ خراب کرنے میں منہمک تھی۔ انصار کو یہ سکوت سخت تکلیف دے رہا تھا پر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیسے بات شروع کریں۔ آخر بولے۔

انصار۔ عذرا تم مجھ سے ناراض معلوم ہوتی ہو؟۔ عذرا نے نہ معلوم سُنا بھی یا نہیں اُسی طرح بیٹھی رہی۔

انصار۔ اُف جُدائی کا یہ زمانہ میں نے کس طرح ایک ایک منٹ گن کر گزارا ہے۔ اور پھر جب یہاں سے غلط اطلاعیں ملیں تو میرے خرمنِ آرزو پر بجلی گر پڑی ـــــ دنیا بھیانک اور سنسان نظر آنے لگی ـــ آہ اس دل کو ناکامی، حسرت اور رقابت کی آگ نے جلا کر خاک کر دیا۔ عذرا تم سے جُدا ہو کر میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

عذرا۔ (آہستہ سے) میں آپ کی طرح شاعر تو نہیں جو لفاظی کروں لیکن آپ کی حالت کا مجھے اندازہ ضرور ہے ـ مگر میری حالت کا ....

انصار۔ عذرا ان پاجی افترا پرداز لوگوں کی وجہ سے ہم دونوں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اگرچہ نادانستہ، مگر میری وجہ سے تمہیں کتنا صدمہ اٹھانا پڑا۔ مجھے اس کا بہت رنج ہے۔ اگرچہ اس میں میرا کوئی قصور نہ تھا۔

عذرا۔ جی ہاں آپ کا بھلا کیا قصور ـ صرف سال بھر تک کسی کو خط نہیں لکھا۔ لیکن دوسرے اس سے سوا اس کے کیا نتیجہ نکالتے کہ آپ نے سب کو بھلا دیا ہے۔

انصار۔ عذرا جب مجھے یہ روح فرسا خبر ملے کہ فرحت سے تمہاری نسبت ہو گئی تو تم ہی بتاؤ کہ میرے دل پر کیا کچھ نہ گزری ہو گی۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا

کہ میری عذرا نے مجھے بھلا دیا تو میں کس دل سے کسی کو خط لکھتا۔
عذرا۔ (ناراضگی کے لہجے میں) آپ نے یہ گمان کیسے کیا کہ عذرا۔ آپ کے سوا کسی........ کسی .. .. کہ عذرا اپنی بات پہ ثابت قدم نہ رہے گی۔
الضمار۔ کیا بتاؤں ۔ اسے چاہے میری حماقت سمجھو یا انتہائی محبت جس کی وجہ سے میں نے اس بات کا یقین کر لیا۔
عذرا۔ آپ نے خط لکھ کر پوچھا تو ہوتا۔
الضمار۔ (شکایت بھرے لہجے میں) یہی تو ساری گڑبڑ ہوئی تم نے میرے کسی خط کا جواب نہ دیا اس سے میرے دل کو ٹھیس لگی۔ اور رضیہ نے بھی مجھے یہی کہا کہ عذرا نے تمہیں اس لئے خط نہیں لکھا کہ اسے تمہاری ذرا سی بھی پروا نہیں — میں سمجھا وہ تمہاری سہیلی ہے، تمہیں خوب جانتی ہے۔ ٹھیک کہتی ہوگی۔
عذرا۔ جی ہاں میرے متعلق رضیہ سے زیادہ صحیح رائے اور کون دے سکتا تھا اور یہ بھی بالکل ٹھیک ہے کہ رضیہ میری چہیتی سہیلی ہے اور مجھ سے پوری طرح واقف۔ رہے آپ تو آپ نے نہ مجھے کبھی دیکھا تھا نہ سمجھا تھا نہ آپ میری طبیعت کو جانتے تھے۔ کیا کہنے ہیں آپ کی سیرت شناسی کے۔
الضمار۔ (شرمندگی سے) عذرا بات یہ ہے..........
عذرا۔ (برسوں سے بھری بیٹھی تھی پھٹ پڑی) کیا آپ میرے ماحول سے، میرے کنبے والوں کے خیالات سے، ہندوستانی رسم و رواج اور معاشرت سے ناواقف تھے........ کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ میری راہ میں ہر طرف کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پکڑی جاتی ہے۔

خواہ مخواہ بھی اعتراض کئے جاتے ہیں، بے وجہ بھی بدنام کرنے کی کوشش ہوتی ہے ۔ اگر میں آپ کو خط لکھتی تو نہ جانے لوگ کیا کیا باتیں بناتے۔ آپ یہ سب بھول گئے......عذرا کی طبیعت اور......اور اس کی محبت کو بھول گئے اور رضیہ کی باتوں کا یقین کر لیا جو ہمیشہ سے اس کی مخالف بلکہ دشمن رہی ہے۔

انصار۔ عذرا ۔ میں سخت قصوروار ہوں جو چاہے سزا........

عذرا: (درد بھرے لہجے میں) آپ کیا جانیں یہ زمانہ میں نے کیسے گزارا۔ ہر طرف سے اعتراضات، چاروں طرف سے یورشیں، خالہ جان، اور محمدی چچی میری جان کی لاگو...... وہ ۔ فرحت بھائی آستین کے سانپ ۔ اور اس پر یہ خبریں کہ آپ نے مجھے بھلا دیا اور رضیہ سے شادی کر رہے ہیں ۔ کس طرح میں نے ان باتوں کو سہا یہ میرا خدا ہی جانتا ہے ۔ شرم نے میرے منھ پر مُہر لگا رکھی تھی کہ اُف بھی نہ کروں۔ خودداری کہتی تھی کہ دل میں خیال بھی نہ لاؤں......صرف بھائی جان اور حامدہ کی محبت دلسوزی اور اعتماد نے مجھے زندہ رکھا ۔ مجھے ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ ان کے دلوں کو صدمہ نہ پہنچے ۔ خاموشی سے سب کچھ اپنے دل پہ سہا ۔ تبھی تو ایسی بیماری میں مبتلا ہوئی کہ ہوش حواس تک زائل ہو گئے۔ اور اس حالت میں نہ جانے کیا کیا اول فول سب کے سامنے بکا۔

انصار۔ (بھرائی آواز میں) بس بس عذرا اب مجھ میں زیادہ سُننے کی تاب نہیں بے شک تمہیں میری وجہ سے سخت رنج اور تکلیف پہنچی ۔ آہ میں کیسا بدنصیب ہوں کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں اسی کو میری وجہ سے یہ سب دُکھ سہنا پڑا۔

عذرا۔ خیر جانے دیجئے اب اس کا کیا ذکر۔
انصار۔ تم ایک مرتبہ اپنے منہ سے کہہ دو کہ تم نے معاف کیا۔
عذرا۔ اگر معافی مانگنی ہے تو پھر دونوں کو مانگنی چاہیئے۔ جو بدگمانی آپ نے میری طرف سے کی وہی میں نے بھی آپ کی طرف سے کی۔
انصار۔ تو میں یہ سمجھوں کہ تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا۔
عذرا۔ جی ہاں۔
انصار۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں امتحان میں پُورا اُترا۔
عذرا۔ (ہلکے سے تبسم کے ساتھ) ایسے زیادہ پورے بھی نہیں اُترے۔
انصار۔ یہ کیوں؟
عذرا۔ کیا رضیہ کو بھول گئے۔ آخر اس پر ریجھ تو گئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ خود اسی نے چھوڑ دیا۔
انصار۔ تم جو چاہے سزا دو مگر اب بدگمانی نہ کرو۔ بھلا رضیہ کا اور تمھارا کیا مقابلہ؟
عذرا۔ ہاں ہاں یہی تو میں بھی کہتی ہوں مجھ بچاری کا اس سے کیا مقابلہ۔
انصار۔ بے شک میرے دل کی رانی کی جگہ رضیہ کیا پرستان کی پری اور جنت کی حور بھی نہیں لے سکتی۔
عذرا۔ (طنز سے) جی اس میں کیا شبہ ہے۔
انصار۔ عذرا اُف یہ طنز میں برداشت نہیں کر سکتا۔
عذرا۔ میں نے کیا طنز کیا۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔
انصار۔ اچھا خیر جانے دو۔ ایک بات کا جواب دو۔
عذرا۔ کیا؟

انضار۔ جواب دو گی؟
عذرا۔ کیوں نہیں؟
انضار۔ ڈھائی سال پہلے تم نے ہاجرہ سے کہا تھا کہ میں انضار کے پیام کا جواب یورپ سے واپسی پر دوں گی۔ اب میں تم سے خود اپنے پیام کا جواب مانگتا ہوں۔

اب تک عذرا اپنی فطری سادگی سے انضار سے شکوہ شکایت کر رہی تھی اور یہ بھولی ہوئی تھی کہ اس کا اصلی مطلب کیا ہے۔ اب جو انضار نے اپنے پیام کا جواب مانگا تو اسے یاد آگیا۔" توبہ توبہ میں یا تو سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی یا اب ایسی ایسی باتیں کر ڈالیں ـــــ بھائی جان دل میں کیا خیال کریں گے۔ ہاجرہ کس قدر چھیڑے گی، چھوٹے بھائی اور بہن کے سامنے کتنی شرم آئے گی....." اس وقت کی گفتگو یاد آکر اس کا چہرہ تمتمانے لگا، ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے، دل کی حرکت تیز ہوگئی اور اضطراری حالت میں زمین سے گھاس کی پتیاں نوچ نوچ کر اپنی ہتھیلیوں سے مسلنے لگی۔

انضار عذرا کے بالکل قریب آکھڑے ہوئے اور جھک کر عذرا کا چہرہ دیکھنے لگے ـــــ " عذرا تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ چونکہ میں تمہارے معیار کے مطابق امتحان میں پورا نہیں اترا اس لئے فیل کیا جاتا ہوں ؟"

عذرا اب بھی خاموش تھی۔

انضار۔ اگر کسی وجہ سے تم مجھے ناپسند کرتی ہو تو صاف بلا کسی جھجک کے کہہ دو ـــ خدا گواہ ہے مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ تم سے مجھے جو محبت ہے

اس میں بھی ذرا سا فرق نہ آئے گا۔ لیکن مجھے تذبذب کی حالت میں نہ رکھو
اگر فرحت کی قسمت یاد رہے تو مجھے کوئی ....

عذرا۔ (تیوری پر بل ڈال کر) کیا فضول باتیں کرتے ہیں۔

انصار۔ تو پھر بتاتی کیوں نہیں؟

عذرا۔ (پریشان ہو کر) اب بہت دیر ہو گئی چلنا چاہیئے۔ معلوم نہیں بھائی جان وغیرہ کہاں ہیں۔

انصار۔ تم میری بات ٹالو نہیں۔

عذرا۔ مجھے زیادہ نہ ستاؤ ورنہ لڑ پڑوں گی۔

انصار۔ (بے تاب ہو کر) ہائے یہی بے تکلفی کے الفاظ سننے کو تو برسوں سے تڑپ رہا تھا۔ لو اب بتا بھی دو۔

عذرا۔ تمہاری ضد کی عادت کبھی نہ جائے گی۔

انصار۔ چلو خیر میں ضدی ہی سہی۔ مگر تمہیں بتانا پڑے گا۔

عذرا نے انصار کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں اور جو بات اس کی زبان نہ ادا کر سکی اسے آنکھوں نے صاف صاف بیان کر دیا۔

انصار کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ وہ عذرا کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ایک مرتبہ گلے سے لگا لیں کہ وہ ہرن کی طرح چوکڑی بھر کر دور ہٹ گئی اور چشمے کے پاس جا کر اپنا جلتا ہوا منہ ٹھنڈے پانی سے دھونے لگی۔ انصار اُٹھ ہی رہے تھے کہ سامنے سے ریاض وغیرہ آتے نظر آئے اور انصار وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے۔ ریاض نے مسکرا مسکرا کر انصار اور عذرا کی طرف دیکھا اور بولے "کیوں ہو گئی دونوں میں صلح"

انصار۔ (مسکرا کر) آپ کو کیوں بتائیں۔
ریاض۔ عذرا نے بہت تو نہیں ڈانٹا۔
انصار۔ کچھ نہ پوچھئے پٹتے پٹتے بچا۔
ریاض۔ پٹ بھی جاتے تو کیا ہرج تھا۔ آخر سب سے پہلی ملاقات میں بھی تو عذرا نے ٹھوکا تھا۔
انصار۔ (ہنس کر) اخوہ اتنے زور سے عذرا نے مکے مارے تھے کہ اب تک ان کا مزا یاد ہے۔
ہاجرہ۔ کب آج؟

سب کے سب ہنس پڑے۔ عذرا ان کی باتیں سُن کر شرم سے پسینے پسینے ہوئی جاتی تھی۔ اُسے ان سب پر اور سب سے زیادہ اپنے پر غصہ آرہا تھا کہ آخر میں کیوں ان لوگوں کے ساتھ آئی۔

تھوڑی دیر میں کھانا آگیا۔ چشمے کے کنارے سب لوگوں نے کھایا کھایا۔ پورے وقت عذرا سر جھکائے ہاجرہ کے پہلو میں سُکڑی سُکڑائی چُپ چاپ بیٹھی رہی۔ البتہ انصار خوب باتیں کر رہے تھے۔ دنیا بھر کے لطیفے، قصّے مزے لے لے کر بیان ہو رہے تھے اور ان کا قہقہہ سب سے اونچا ہوتا تھا۔ بعض وقت عذرا بھی اپنی ہنسی نہ ضبط کرسکتی۔

بتّیسواں باب

فرخ آج ہی اپنے بچوں کو لے کر دہلی آئی تھی۔

عذرا۔ باجی کیا سچ ہے کہ ذکیہ کی شادی جمیل بھائی سے ہو رہی ہے۔

فرخ۔ ہاں سچ ہے۔ ہمارے ان کے ہاں ساتھ ساتھ ہی شادی ہو گی۔

عذرا۔ جمیل بھائی کیسے راضی ہو گئے؟

فرخ۔ خدا جانے بہرحال وہ تو اب خاصے خوش ہیں۔ البتہ ذکیہ کی حالت نہیں دیکھی جاتی منہ کو گو ند لگ گیا ہے بالکل چُپ رہتی ہے۔ پرانا مرض ہسٹریا پھر عود کر آیا ہے۔ خالہ جان کہتی ہیں کہ شادی کے بعد آپ سے آپ چلا جائے گا۔

عذرا۔ جی بے شک گیا۔ اب تو اس غریب کو ساری عمر ان ماں بیٹے کے پنجے سے نجات نہ مل سکے گی۔ نہ جانے ذکیہ کس قسم کی لڑکی ہے۔

میں اس کی جگہ ہوتی تو صاف انکار کر دیتی۔

فرخ۔ وہ بچاری یہ کیسے کر سکتی ہے تمھیں ہمیشہ سے رائے اور خیالات کے ظاہر کرنے کی اور اپنی مرضی کے کام کرنے کی آزادی رہی ہے۔ اور وہ عمر بھر شکنجے میں کسی رہی۔ اُسے کبھی اس کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ یہ کہہ سکے کہ یہ نہیں یہ پہنوں گی یا یہ نہ کھاؤں گی۔ اب اتنی بڑی بات میں وہ کیسے مخالفت کر سکتی ہے۔

عذرا۔ بھلا پھر ہندوستانی لڑکیاں ہسٹریا میں مبتلا نہ ہوں تو کیا ہو جنھیں اتنا دبا کر رکھا جائے۔ دنیا کی کسی بات میں وہ اپنی رائے اور مرضی کا اظہار نہ کر سکیں۔ ان میں احساس کمتری ضرور پیدا ہوگا اور نتیجہ ہسٹریا نکلے گا۔ اور اس کا علاج ہوتا ہے تعویذ گنڈوں سے۔ خدا جانے ہم لوگوں کے ہاں کی عورتوں کی ذہنیت اور حالت بھی کبھی بدلے گی یا نہیں۔

فرخ۔ ذکیہ تم سے ملنے کو تڑپ رہی ہے۔

عذرا۔ میرا جی بھی بہت چاہتا ہے۔ مگر بھلا اتنی ہمت کہاں کہ خالہ جان کا سامنا کر سکوں۔

فرخ۔ تم نے کچھ اور بھی سُنا؟

عذرا۔ کیا؟

فرخ۔ فرحت کا پیام یاسمیں سے آیا ہے جسے خالو ابا نے منظور کر لیا ہے اور کیوں نہ کرتے ایسا اچھا لڑکا اور کہاں ملے گا۔

عذرا۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ مجھے یاسمیں ہمیشہ سے پسند ہے۔ فرحت بھائی اس کے ساتھ بہت خوش رہیں گے۔

فرخ۔ پہلے تو بچارے کو جب یہ معلوم ہوا کہ عذرا کی شادی عنقریب انصار سے ہونے والی ہے تو بہت رنج کیا۔ کئی دن منہ لپیٹے پڑے رہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مگر تھوڑے دن میں یہ کیفیت دور ہو گئی۔ اور ماں بہن کے اصرار پر یاسمین سے شادی کرنے پر تیار ہو گئے۔

عذرا۔ یاسمین ہر طرح مجھ سے اچھی ہے۔ ہاں رضیہ تو خوش ہے۔

فرخ۔ بہت خوش ہے۔ میاں کو کان پکڑ کر اٹھاتی بٹھاتی ہے۔ شاہانہ ٹھاٹ سے رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سال دو سال میں بچارے رشید کا دیوالہ نکال دے گی۔

عذرا۔ بھابی کب آئیں گی؟

فرخ۔ وہ تو میرے ساتھ ہی آ رہی تھیں مگر انصار بھائی نے روک لیا کہ یہاں کا کام کون کرے گا۔ میں نے کہا بھئی میں تو جاتی ہوں یہاں کا انتظام کرنا ہے۔ ابھی سینکڑوں چیزوں کی تکمیل باقی ہے نہ ابھی تک سیدہ آئی نہ بھابی۔ میں اکیلی کیا کیا کروں گی۔

عذرا۔ (آنکھیں جھکا کر) باجی ایک بات کہوں۔

فرخ۔ ہاں ہاں ضرور۔

عذرا۔ یہ آخر اس قدر بیکار کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے میں نہیں چاہتی کہ بھائی جان کو زیر بار ہی ہو۔

فرخ۔ کیا مطلب؟ جہیز وغیرہ نہ دیا جائے یونہی خالی خولی رخصت کر دیں۔ اے واہ۔ دنیا کیا کہے گی۔

عذرا۔ دنیا کے کہنے کی پرواہ کیوں کرو۔

فرخ۔ اور پھر خود ہمارا جی کیسے گوارا کرے گا کہ بہن کو کچھ نہ دیا جائے ویسے بھی اماں کا بنایا ہوا کپڑا زیور سبھی کچھ تو موجود ہے۔ اوپر کے سامان کی ضرورت ہے وہ پوری کردی جائے گی۔

عذرا۔ اماں کا بنایا ہوا سامان دے دیجئے۔ بس کافی ہے۔

فرخ۔ نہیں بھئی سیدہ کی شادی بھی یونہی چُپ چپاتے ہوگئی اب یہ بھی ایسے ہی ہو جائے میرا تو جی خوش نہ ہوگا۔ بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے سارے ارمان نکالوں گی۔

عذرا۔ میں اس معاملے میں آپ لوگوں سے بحث تو نہیں کرسکتی مگر آپ خود ہی سوچئے کہ بچارے بھائی جان پہ پہلے ہی کتنے خرچ پڑے ہوئے ہیں۔

ہفتے بھر بعد سیدہ اور ہاجرہ بھی آگئیں۔ عذرا کی بات کسی نے بھی نہ مانی۔ البتہ ریاض کا یہ مشورہ سب نے پسند کیا کہ بے فائدہ کاٹ کباڑ اور بہت سے جوڑے برتنوں کے بجائے صرف وہ چیزیں دی جائیں جو روزمرّہ کے استعمال کی اور ضرورت کی ہوں اور عذرا سے پسند کرا کے لی جائیں۔

ریاض نے شادی کے کارڈ چھپوا کر سب عزیزوں، دوستوں اور عذرا کی سہیلیوں اور اُستانیوں وغیرہ کو بھیج دیئے۔

صغرا، اصغر، سیدہ، فرخ وغیرہ پہلے ہی آگئے تھے۔ شادی سے ۲ روز قبل مسز نعیم اور یاسمین بھی آگئیں۔ رضیہ نہیں آئی۔ عزیزوں میں سے اکثر لوگ آئے مگر سگی خالہ اور مہدی بیگم نہیں آئیں۔

محمدی بیگم اور اُن کے شوہر نے لکھا کہ تم بڑے آدمی ہو ہم اس قابل کہاں کہ تمہارے ہاں کی تقریبوں میں شرکت کریں۔ فرحت نے رسمی طور پر فرصت نہ ہونے کی معذرت لکھ بھیجی۔ جمیلہ خاتون کا جواب بہت سخت تھا۔ آخر میں لکھا تھا کہ میں تم لوگوں کی طرف سے مر گئی اور تم لوگ میری طرف سے۔ ہم میں سے کوئی شریک نہ ہو گا——
ہاں عذرا کے نام کا جوڑا اور زیور جو برسوں سے میرے پاس رکھا ہے میں بھیج دوں گی۔

سب کو ان کا خط پڑھ کر رنج ہوا۔ فرخ نے کہا اگر انھوں نے کچھ بھیجا تو ہم ہرگز نہیں لیں گے۔ یہاں کوئی اُن کے جوڑے زیور کا بھوکا نہیں۔ ہاں محبت کے بھوکے ضرور تھے۔

شادی سے چار دن پہلے لڑکیوں نے اصرار کر کے عذرا کو مایوں بٹھایا۔ ریاض نے منع بھی کیا کہ ان فضولیات کی کیا ضرورت ہے مگر ہاجرہ نے کہا آپ کو کوئی مطلب نہیں، ہماری باتوں میں دخل نہ دیجئے۔ ہمارا جو جی چاہے گا کریں گے۔ ریاض نے کہا عذرا کو تکلیف ہو گی۔ ہاجرہ بگڑ گئی جائیے ہم تکلیف ہی دینا چاہتے ہیں۔ ہماری بہن ہے آپ کو کیا چنانچہ عذرا کو زرد جوڑا بھی پہنایا گیا۔ عذرا اور ہاجرہ کی بہت سی سہیلیاں، ملنے والیاں بھی آئیں۔ فرخ صغرا، سیدہ، ہاجرہ، یاسمین، شانتی، اندرا سب کی سب جمع تھیں ان سب نے مل کر وہ طوفان بے تمیزی مچایا کہ خدا کی پناہ۔ آپس میں خوب اُبٹن کھیلا۔ منہ، سر، بال، ریشمی کپڑے سب لت پت ہو گئے۔ باہر ریاض، اصغر، نسیم، زبید وغیرہ بیٹھے تھے بعض شریر دنے

انھیں بھی نہ چھوڑا۔ وہ ہاں ہاں ہی کرتے رہے اور ان لوگوں نے سر سے پاؤں تک اُبٹن میں لت پت کر دیا۔

چار دن تک عذرا ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی رہی، ناٹن دونوں وقت اُبٹن ملتی۔ بہنیں اور سہیلیاں اُسے گھیرے رہتیں جگہ جگہ سے میوے پھل اور مٹھائیاں آئی تھیں اور کمرے میں الماریاں اور میزیں ان سے بھری پڑی تھیں۔ ساری لڑکیاں اور بچے موقع بے موقع کھاتے رہتے۔ لیکن عذرا کچھ بھی نہ کھاتی۔ سر جھکائے گم سُم فکر مند بیٹھی رہتی۔ آج کل اسے ہر وقت ماں کی یاد ستاتی رہتی تھی۔ رات کو ان کی چیزیں نکال کر دیکھا کرتی ان کے خط پڑھا کرتی۔ بہنیں زیادہ تر تو اپنے کام میں مصروف رہتیں لیکن جب پاس آتیں رونے لگتیں۔ ہاجرہ کا تو یہ حال تھا کہ عذرا کے پاس جاتی تو اس سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگتی۔ اس سے یہ سوچا بھی نہ جاتا تھا کہ عذرا کے بغیر اس گھر میں کیسے رہ سکے گی۔ سیدہ چھوٹی باجی سے الگ الگ رہتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عذرا کا یہ حال ہے کہ سیدہ کا مُنھ دیکھ کر پھر وہ ضبط نہیں کر سکتی۔ البتہ فرخ ذرا سمجھداری سے کام لیتی اور بڑی بوڑھی بن کر سب کو سمجھاتی رہتی تھی۔ دن میں ایک مرتبہ ریاض بھی بہن کے پاس آتے اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔ عذرا بھائی کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتی۔ مگر اس خیال سے کہ ان کے دل کو صدمہ نہ ہو بہت مشکل سے اپنے آنسو روکے چُپ چاپ بیٹھی رہتی۔

یہ چار دن ہوا کی طرح گزر گئے۔ جنوری کی ۲۸ تاریخ کو انصار چند دوستوں اور عزیزوں کے ہمراہ اکبرپور سے برات لے کر دہلی آئے۔ یہاں ریاض نے بڑے پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا تھا۔ کھانے کے بعد مغرب عشا کے بیچ میں عذرا اور انصار عقد کی مبارک اور کٹھن زنجیر میں منسلک کر دیئے گئے۔

عذرا کو جہیز بہت معقول اور موزوں ملا۔ زیور اور کپڑے تو تقریباً اتنے ہی تھے جتنے فرخ اور سیدہ کے یعنی تیس جوڑے اور دو دو زیور ہاتھ گلے، کانوں وغیرہ کے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹے سے گھر کا سادہ، نازک مگر خوبصورت فرنیچر اور گھرداری کا کل سامان جس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ عذرا اپنا گھر بسائے تو ہر ضرورت کی چیز اس کے جہیز میں سے نکل آئے۔ دو شیشے کی الماریاں خوبصورت جلدوں کی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ یہ خود عذرا کا شوق تھا۔ اس میں وہ کتابیں بھی تھیں جو اسے انصار ریاض اور محمد احسان نے دی تھیں اور وہ بھی جو اُسے اول آنے کے انعام میں ملی تھیں بہت سی اس کی خریدی ہوئی تھیں۔ اور کچھ وہ تھیں جو رسالے میں ریویو کے لئے آتی تھیں۔ فرخ نے بہن کو دو جوڑے اور ہاتھوں کی جڑاؤ چوڑیاں دیں۔ نسیم، سیدہ، اصغر، صغرا یاسمین، شانتی اندرا وغیرہ نے مختلف قسم کے تحفے دیئے جن میں فونٹن پن اٹیچی کیس، سنگار بکس، رائٹنگ بکس، سلائی کی صندوقچی، انگوٹھی اور لاکٹ وغیرہ سب شامل تھے۔ محمد احسان نے پانسو روپے کی ایک پاس بک عذرا کے نام کھلوائی اور اس کو دے کر کہا کہ اس میں وقتاً فوقتاً روپیہ

جمع کرتی رہنا تاکہ ضرورت کے وقت کسی کی محتاجگی نہ ہو۔

ریاض نے مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن جو ابھی حال ہی میں شائع ہوا تھا بہن کو تحفے میں دیا۔ عذرا کو ہزاروں کے جہیز اور خوبصورت تحفے تحائف میں سب سے زیادہ قابل قدر اور بے بہا تحفہ یہی معلوم ہوا اور اس نے ارادہ کرلیا کہ انشاءاللہ ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتی رہے گی۔

رخصتی کے وقت کا سماں بڑا دردناک تھا۔ عذرا کے دل کا جو حال تھا اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ جس گھر میں اس نے عمر کی تیئیس چوبیس بہاریں گزاری تھیں وہ آج اس سے چھوٹ رہا تھا۔ جان سے زیادہ پیارا بھائی، عاشقِ زار بھاوج، نورِ نظر بھتیجہ، پیاری بہنیں، شفیق چچا وہ ان سب سے جدا ہو رہی تھی۔ جس گھر میں اس نے آغوش یادرکے شیریں لمحات بسر کئے تھے وہ چھوٹ رہا تھا۔ اور ایک نئی انجان اجنبی اور کٹھن زندگی کی ابتدا ہو رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گھر کے در و دیوار تک جاندار ہیں جو اسے رو رو کر الوداع کہہ رہے ہیں ہاجرہ، فرخ، سیدہ اور صغرا کا روتے روتے برا حال تھا۔ جو بھی عذرا کے پاس آتی اس کے گلے سے لپٹ کر آنسو بہا جاتی۔ ریاض کو عذرا جیسی چہیتی بہن کی جدائی سب سے زیادہ شاق تھی۔ آج تیئیس برس بعد وہ اپنی ہم خیال، ہم مذاق، چاہنے والی پیاری بہن کو اپنے سے الگ کرکے دوسرے کو سونپ رہے تھے۔ اگرچہ یہ اطمینان تھا کہ انصار عذرا کا سچا چاہنے والا اور نہایت موزوں ساتھی ہے جو اسے تکلیف نہ ہونے دے گا مگر سچی چہیتی اور بہن کو جدا کرنا جیسا سخت مرحلہ ہے اسے کچھ وہی لوگ جان سکتے ہیں

جن پہ یہ وقت گزر چکا ہے۔ وفورِ ضبط سے ریاض کا چہرہ سرخ ہو گیا تقاضے کے اصرار سے وہ بہن کے پاس کمرے میں آئے۔ عذرا بری کے بیش بہا سرخ و سنہری جوڑے میں ملبوس گھونگھٹ نکالے سر جھکائے بیٹھی تھی اور محمد احسان بھتیجی کو گلے لگائے بھرائی آواز میں نصیحتیں کر رہے تھے۔ عذرا اُن کی چھاتی سے سر لگائے غور سے ان کی بیش بہا پند و نصائح کو سن اور دل میں رکھ رہی تھی اور آنسوؤں کے شفاف قطرے اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر اس کے سرخ ریشمی رومال میں جذب ہو رہے تھے۔ محمد احسان نے اپنی بات ختم کر کے پیار سے بھتیجی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جلدی سے باہر نکل گئے۔ ریاض آہستہ سے عذرا کے پاس آ بیٹھے اور ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ کر کہا "پیاری عذرا"۔ عذرا بے قابو ہو گئی اور باوجود ضبط کی کوشش کے اس کے منہ سے گھٹی ہوئی چیخ نکل گئی۔ ریاض نے بہن کو گلے سے لپٹا لیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کو روتا دیکھ کر ہاجرہ، سیدہ، فرخ اور صغرا اور بھی بے تاب ہو کر رونے لگیں۔ ہاجرہ کے منہ سے نکلا "اچھی میں کیسے تیرے بغیر رہ سکوں گی"۔ یہ سن کر عذرا کا بھی روتے روتے برا حال ہو گیا اور ریاض بھی بے قرار ہو گئے۔ انصار بیچارے پریشان کھڑے کبھی گھبرا کر ریاض اور عذرا کو دیکھتے کبھی ہاجرہ اور سیدہ کو۔ جب نہ رہا گیا تو جا کر سیدہ اور ہاجرہ کو گلے سے لگا کر سمجھانے لگے۔ محمد احسان نے باہر سے آ کر سب کو ڈانٹا کہ یہ کیا حماقت ہے عذرا کل پرسوں واپس آ جائے گی کیوں رو رو کر مری جاتی ہو۔ ریاض سے کہا میاں تم بھی لڑکیوں کی طرح آنسو بہانے لگے چلو باہر گاڑی کا وقت نکلا جاتا ہے۔ ریاض بہن کو پیار کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرخ نے اندر لے جا کر عذرا کا منہ ہاتھ دھلایا، سفر کے لئے ہلکے کپڑے پہنائے

لیا اور بہ اصرار ایک پیالی چائے پلائی۔ گیارہ بجے عذرا موٹر میں اسٹیشن روانہ ہوئی۔ نفیسہ اور ہاجرہ اس کے ساتھ تھیں۔ فرخ اور باقی سب لوگ اگلی گاڑی سے روانہ ہونے والے تھے۔ سب بھائی بہنوئی، چچا وغیرہ اسٹیشن تک عذرا کو چھوڑنے آئے۔ سیکنڈ کلاس کے ریزرو ڈبے میں دلہن اور ساتھ والیوں کو بٹھایا گیا۔ دو بجے دوپہر کو گاڑی اکبرپور پہنچی اسٹیشن سے عذرا کو پالکی میں بٹھا کر حبیب الٰہی صاحب کے شاندار مکان پر جو آج خاص طور پہ سجایا گیا تھا لا اُتارا۔

انصار نے عذرا کو دیوانِ غالب مصوّر اڈیشن اور ایک چھوٹا سا ریڈیو سیٹ نذر میں پیش کیا۔

تینتیسواں باب

عذرا اور انصار کی شادی کو کچھ مہینے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں نہایت مسرت اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دونوں ایک جان دو قالب۔ انصار عذرا کی خوبیوں اور کمزوریوں سے پوری طرح واقف اور دونوں کے دلداد۔ عذرا انصار کی سیرت اور مزاج سے بخوبی آشنا اور اس کا خیال رکھنے والی ایسی صورت میں لڑائی جھگڑے کا موقع بہت کم رہ جاتا ہے۔ پھر بھی وہ دونوں نہ فرشتے تھے نہ مٹی کے مادھو جن میں کوئی حس ہی نہ ہو۔ ان میں بھی کبھی کبھی کسی بات پر بحث یا کسی موقع پر شکر رنجی ہو جاتی تھی مگر فضا زیادہ دیر تک غبار آلود نہ رہتی۔ دونوں میں سے کوئی (عموماً وہ جو دل میں سمجھ لیتا تھا کہ زیادتی میری ہی تھی) دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتا گویا نگاہوں نگاہوں میں طالبِ عفو ہوتا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی دوسرا بھی مسکرا دیتا اور بات ٹل جاتی۔ کبھی عذرا گرم پڑتی تو انصار نرم پڑ جاتے

اور جب انصار جھنجلائے ہوئے ہوتے تو عذرا خاموش ہو جاتی۔

شادی سے مہینہ بھر پیشتر انصار کا اخبار "آزادی" الہ آباد سے نکلنے لگا تھا (بعض وجوہ سے، انصار نے اخبار نکالنے کے لئے الہ آباد کا انتخاب کیا تھا) شادی کے کچھ دن بعد انصار عذرا کو بھی یہیں لے آئے۔ شہر سے کچھ باہر ایک چھوٹی سی کوٹھی جس کے ساتھ مختصر سا باغ اور سامنے چھوٹا سا سرسبز لان تھا انصار نے کرائے پر لے لی تھی۔ عذرا کے ہمراہ نصیبن آتی تھیں۔ وہ اگرچہ اب آنکھوں سے معذور ہو گئی تھیں اور کسی کام کاج کے قابل نہیں رہی تھیں مگر عذرا کی محبت کی وجہ سے وہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ عذرا کو بھی ایک بڑی بوڑھی عورت کی موجودگی بہت غنیمت معلوم ہوتی تھی جو اسے گھرداری کے معاملات میں صلاح مشورہ دے سکے۔ عذرا بچاری کے نہ میکے میں کوئی ایسا تھا نہ سسرال میں کہ شادی کے بعد گھرداری میں جو ابتدائی مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں ان میں اسے مدد اور مشورہ دیتا یا اس کا ہاتھ بٹاتا۔ اس لئے اس نے اپنے آپ ہی ان سب کو خوش اسلوبی سے جھیلا۔ انصار اپنے پرانے ملازم رحمو اور حبیب الٰہی کے بڈھے خانساماں کو بھی کھانا پکانے کے لئے ساتھ لے آئے تھے۔

عذرا نے زیادہ تر اپنے جہیز کے سامان سے اور کچھ اور بازار سے ضرورت کا سامان خرید کر اپنے گھر کو سادگی، سلیقے اور خوش مذاقی سے آراستہ کیا۔ وہ گھر کی صفائی کا خاص طور پر بہت خیال کرتی تھی۔ روز صبح کو نماز، تلاوت اور ناشتے سے فارغ ہو کر وہ رحمو کو ساتھ لیتی اور گھر کے چپہ چپہ کی صفائی کر ڈالتی۔ چونکہ روزانہ باقاعدہ صفائی ہوتی تھی اس لئے اس کا زیادہ وقت اس کام میں صرف نہ ہوتا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں سارے گھر کی ضروری صفائی ہو جاتی۔ ہاں پندرھویں دن تمام سامان باہر نکال کر

خوب اچھی طرح صاف کرتی باغبانی سے بھی عذرا کو بہت شوق تھا اور انصار کو بھی اس سے دلچسپی تھی دونوں فرصت کے وقت باغ میں چلے جاتے اور اپنے ہاتھ سے پھولوں کے پودے اور ترکاریاں لگاتے اور کیاریوں کی نرائی وغیرہ کرتے بمشکل اور بڑے کاموں کے لئے انھوں نے تھوڑی سی تنخواہ پر ایک مالی ٹھیک کرلیا تھا جو تیسرے چوتھے دن آکر کام کرجاتا تھا۔

"آزادی" چند مہینے کے اندر اندر ملک بھر میں مقبول ہوگیا اور اس کی اشاعت توقع سے زیادہ ہونے لگی۔ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے اپنی سول نافرمانی کی تحریک نمک کا قانون توڑنے کی صورت میں شروع کردی تھی۔ سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد سے جو جمود طاری ہوگیا تھا اسے اس نئی تحریک نے دور کردیا تھا۔ ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک ایک نئی ہل چل، جوش اور زندگی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اب پھر سارا ملک جوش اور ولولے کے ساتھ تحریک آزادی کے لئے جان کی بازی لگانے پر تلا ہوا تھا۔ گاندھی جی اور دوسرے معتمد لیڈر جلد ہی گرفتار کرلئے گئے۔ مگر اس تحریک کا زور کم نہیں ہوا بلکہ اور بڑھ گیا تھا۔ ہزاروں آدمی جیل جارہے تھے۔ مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی تحریک آزادی میں برابر حصّہ لے رہی تھیں۔ سول نافرمانی کی کوئی ایک صورت نہ تھی۔ نمک سازی تو شروع میں چند لوگوں نے کی تھی۔ اب تو مختلف طریقوں سے سول نافرمانی کی جارہی تھی۔ سیاسی جلسے منعقد کرنا، ان میں تقریریں کرنا، خلاف قانون قرار دئے ہوئے جلسوں میں شرکت کرنا، لگان دینے سے انکار کردینا، کسانوں کی تحریک میں حصّہ لینا، شراب اور بدیشی کپڑے کی دُکانوں پر پکٹنگ کرنا غرض

اس قسم کے ہزاروں کام تھے جن کے جُرم میں لوگ بدیسی حکومت کے ہاتھوں جیل بھیج دیئے جاتے تھے۔

انصار کا اخبار نیا نیا نکلا تھا۔ اس کی جوشیلی طبیعت اور بیباک طرزِ بیان کی وجہ سے لوگوں کو خطرہ تھا کہ اخبار بند کر دیا جائے گا یا انصار گرفتار ہو جائے گا۔ محمد احسان، ریاض، ہاجرہ اور عذرا اسے سمجھاتے رہتے تھے کہ زمانہ پُر آشوب ہے ذرا سی لغزش سے معاملہ خراب ہو سکتا ہے اس لئے بہت ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔ لیکن انصار اپنی طبیعت کو کیا کرتے؟ وہ "آزادی" کا فرض یہ سمجھتے تھے کہ صفائی اور سچائی سے حقیقت کو بیان کرے اور اپنی صحیح اور بے لاگ رائے پیش کرے اس سے خواہ "آزادی" کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہو یا خود انصار کی آزادی خطرے میں پڑے۔ لیکن عذرا کی محبت اس وقت انصار کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی۔ وہ سوچتے کتنی مشکلوں مصیبتوں اور طویل جُدائی کے بعد خدا نے ہمیں یہ موقع دیا کہ ایک دوسرے کی محبت کا لطف اٹھا کر کچھ دن راحت کی زندگی بسر کریں۔ ممکن ہے کہ ذرا سے سخت جملے یا معمولی سے ذرا زیادہ پُرجوش انداز بیان مجھے برسوں کے لئے عذرا سے جُدا کر دے اس لئے وہ مدت سے آزادی کا پرستار اور اس کے لئے ہر ممکن قربانی کے خواہشمند ہونے کے باوجود اس وقت حتی الامکان پہلو بچا کر "آزادی" میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے تھے ـــــ کہ اگر قید ہو گیا تو عذرا کو کس پر اور کس دل سے چھوڑے گا۔ لیکن گھریلو زندگی کتنی ہی پُرسکون اور خوشگوار کیوں نہ ہو جب تک ضمیر کو اطمینان نہ ہو، ملک میں ہلچل مچی ہو۔ ہزاروں آدمی گھر بار چین آرام، بیوی بچوں کی محبت کو

پسِ پشت ڈال کر جیل یاترا کے لئے جا رہے ہوں ۔ تو پھر بھلا کیسے انصار کے دل کو سکون نصیب ہو سکتا تھا ۔ اس کے دل میں ہر وقت ایک کش مکش رہتی تھی ۔ ایک طرف مادرِ وطن کی محبت اور اس کے فرائض تھے ۔ دوسری طرف عذرا کا عشق تھا ۔ اور انصار ان دونوں کے درمیان تذبذب کی حالت میں لٹک رہے تھے ۔

انصار کا طرزِ تحریر ہمیشہ سے پُر جوش اور دلگداز ہوتا تھا اور اسی لئے ان کا مقالہ افتتاحیہ بہت پسند کیا جاتا تھا ۔ باوجود پہلو بچا کر لکھنے کے کئی مرتبہ حکومت کی طرف سے تنبیہ کی جا چکی تھی ۔ مگر انصار سمجھ رہے تھے کہ بہیں زیادہ عرصے تک اپنے ضمیر کا گلا نہ گھونٹ سکوں گا ۔

عذرا کو ۱۹۲۰ء سے ملک کی آزادی سے دل چسپی پیدا ہو چکی تھی اس نے اس چھوٹی سی عمر میں کئی سال تک کھدر پہنا اور چرخہ کاتا تھا ۔ اور اپنی عمر اور سمجھ کے مطابق اس تحریک سے دل چسپی لی تھی مگر آہستہ آہستہ ماحول کے اثر سے اس کا جوش اور دلولہ ٹھنڈا پڑ گیا ۔ پھر بھی دل میں دبی ہوئی چنگاری موجود رہی جو اب انصار کی صحبت اور اس نئی تحریک کے شروع ہونے پر بھڑک اٹھی اور اسے پھر سے جوش آ گیا ۔ وہ اپنے گھر کی اور اپنی ضرورت کی زیادہ تر چیزیں سودیشی منگاتی ۔ اخبار بینی بہت بڑھ گئی ۔ اکثر گھنٹوں دونوں میاں بیوی حالاتِ حاضرہ پر بحث مباحثہ کرتے رہتے ۔ بیماری اور شادی کی گڑبڑ میں "پردین" بند ہو گیا تھا ۔ مگر عذرا کا جی چاہتا تھا کہ اسے دوبارہ جاری کرے اور اس میں اپنے خیالات کا اظہار کرے ۔ اس کی دلی آرزو تھی کہ وہ ذاتی طور پر آزادی کی تحریک میں حصہ لے اور کوئی خدمت انجام دے اور اگر اس کی پاداش

میں جیل جانا پڑے تو یہ بھی اُسے منظور تھا مگر اپنے کنبے برادری کے خیالات، عزیزوں خصوصاً محمد احسان کی ناراضگی کے خوف، پردے کی سختی اور سماج کی مجبوریوں کی وجہ سے وہ اس امنگ کو سختی سے دبا دیتی تھی۔ وہ انصار کے دل کی کشمکش کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی وہ جانتی تھی کہ اس وقت میری محبت کی زنجیر اُن کو باندھے ہوئے ہے۔ اسے ہر وقت یہ اندیشہ رہتا کہ نہ جانے انصار کس دن اخبار میں کوئی ایسی بات لکھ دے جس کی پکڑ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ اس خیال ہی سے وہ لرز جاتی۔ میں ان کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔ نہیں نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں سارے سماجی بندھن توڑ کر خود بھی جیل چلی جاؤں گی۔ مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ خود آرام سے گھر میں رہوں اور وہ جیل میں چکی پیسیں۔

عذرا اس قسم کے خیالات میں اُلجھی رہتی تھی۔ انصار کچھ کچھ اس کے خیالات کو سمجھ رہے تھے مگر منھ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ اسی زمانے میں ریاض نے عذرا کو بلایا تو انصار نے اصرار کر کے اسے بھیج دیا تاکہ وہاں جا کر عذرا کی طبیعت بہلے۔ عذرا کے دہلی جانے کے بعد اتفاق سے نسیم کی بدلی بھی الٰہ آباد کی ہو گئی جس کی عذرا اور فرخ دونوں کو بہت خوشی ہوئی۔

عذرا جانے کو تو دہلی چلی گئی مگر اس کا دل انصار میں پڑا رہتا تھا۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے؟ پندرہ دن کسی نہ کسی طرح دہلی رہی اور پھر نوکر کے ساتھ الٰہ آباد چلی آئی۔

انصار کو کسانوں کی تحریک سے خاص دلچسپی تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ کسانوں پر کس قدر سختیاں اور ظلم ہو رہے ہیں۔ عذرا کے دہلی جانے سے فائدہ اٹھا کر وہ ہفتے بھر کے لئے آس پاس کے گاؤں کے دورے پر

چلے گئے۔ اور عذرا کے الہ آباد آنے کے دوسرے دن واپس آئے۔
گاؤں کا دورہ کرنے اور وہاں کی حالت دیکھنے کے بعد انھوں نے ایک زوردار آرٹیکل "آزادی" میں کسانوں کے متعلق لکھا جس میں بتایا تھا کہ کسانوں کی مالی حالت کس قدر ابتر ہے اور حکومت اور زمیندار مل کر ان پر کیسے کیسے ظلم ڈھا رہے ہیں۔ انصار نے یہ آرٹیکل عذرا کو دکھایا تو نہیں لیکن اس کا مضمون اسے بتا دیا تھا۔
جولائی کی دوسری تاریخ تھی بارش ہونے کی وجہ سے موسم بہتر ہو گیا تھا اور اس وقت ہوا خاصی خوشگوار تھی۔ رات کے کھانے کے بعد عذرا اور انصار ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باغ کی روشوں پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ عذرا انصار سے موجودہ حالات پر بات چیت کر رہی تھی۔ آج کل الہ آباد میں گرفتاریوں کا بہت زور تھا اور وہی موضوع گفتگو تھا۔ انصار دن بھر دفتر میں کام کرتے رہے تھے اور اس وقت تھکن سے چور۔ چاہتے تھے کہ جلد سو رہیں مگر عذرا مسلسل بولے جا رہی تھی۔
انصار۔ عذرا اب چلو سوئیں۔
عذرا۔ آؤ ذرا دیر یہاں بنچ پر بیٹھیں۔ دیکھو وہ درختوں کے پیچھے چاند طلوع ہوتا ہوا کیسا پیارا معلوم ہو رہا ہے۔
انصار اور عذرا پہلو بہ پہلو بنچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد انصار نے پھر کہا "بھئی بڑی دیر ہو گئی اب سونا چاہئیے"۔
عذرا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ آج ساری رات باتیں کئے جاؤں۔
انصار۔ کیوں آج نیند نہیں آ رہی؟
عذرا۔ بالکل نہیں۔ دل پر وحشت اور گھبراہٹ ہے۔

انصار۔ کیوں طبیعت کیسی ہے ؟
عذرا۔ نہ جانے کیسی ہو رہی ہے۔ تم نے مجھے آرٹکل دکھایا کیوں نہیں بہت سخت تو نہیں لکھا ؟
انصار۔ (ہنس کر) اچھا یہ بات ہے۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ آج عذرا کو مجھ پر اس قدر محبت کیوں آ رہی ہے۔ میری جان تم بالکل فکر نہ کرو میں نے جو کچھ لکھا نرم الفاظ میں اور پہلو بچا کر لکھا ہے۔
عذرا۔ مجھے یقین نہیں۔ تم جوش میں بہک جاتے ہو۔ پھر کسانوں کے بارے میں جو بات بھی کہی جائے، خواہ کیسے ہی نرم الفاظ میں ہو، حکومت اس سے بھڑک جاتی ہے۔
انصار۔ میری عذرا اور ایسی ڈرپوک۔ چھوڑو اس فکر کو آؤ سونے چلیں۔

عذرا نے اپنا ایک ہاتھ انصار کے کندھے پر رکھا تو انصار نے محسوس کیا کہ اس میں رعشہ ہے۔ اس نے عذرا کا ہاتھ دبایا۔ اور دونوں پہلو بہ پہلو آہستہ خرامی کے ساتھ باغ سے اوپر چھت پر چلے گئے جہاں ان کے بستر بچھے تھے۔

حسب عادت عذرا صبح بہت سویرے بیدار ہوئی۔ معمولات سے فارغ ہو کر اس نے ناشتہ تیار کرایا اور انصار کو بلانے آئی تو دیکھا وہ ابھی تک پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ عذرا نے مشکل سے اسے سوتے سے جگایا۔ انصار نے آنکھیں ملتے ہوئے عذرا سے کہا تم چلو میں ابھی پانچ منٹ میں منہ دھو کر آتا ہوں۔

عذرا کھانے کے کمرے میں میز پر ناشتہ لگائے "آزادی" کا آج کا پرچہ لئے بیٹھی تھی اور انصار کا مضمون پڑھ رہی تھی کہ بڑے زور سے کار کے ہارن کی اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی آواز اس کے کان میں آئی۔

فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ پولیس انصار کو گرفتار کرنے آئی ہے۔ اخبار ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی کہ سامنے سے رحمو آتا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے آکر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "بہو جی وہ ڑ آئی ہے" یہ کہتے کہتے وہ رو پڑا۔

عذرا کا دل یک بارگی اتنے زور سے دھڑکنے لگا کہ اسے محسوس ہوا کہ اب پھٹ سے بند ہو جائے گا۔ اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا تو ایسا لگا کہ جسم میں سکت نہیں رہی اسی وقت انصار مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے مگر عذرا کی حالت اور رحمو کو روتا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

انصار۔ کیوں رحمو کیا بات ہے؟

رحمو ۔ میاں ۔ میاں۔ (ہچکیاں لینے لگا)

انصار ۔ (تیز لہجے میں) کہتے کیوں نہیں کیا ہے۔ میاں میاں کیا بک رہے ہو۔

رحمو ۔ میاں ۔ پولس والے تمہیں پکڑنے آئے ہیں۔

انصار کی نظر عذرا کے سفید چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں پر تھی اور دل اندر سے بے چین ہو رہا تھا۔ آہ —— میری عذرا — میری جان — میری پیاری بیوی مجھ سے چھوٹ جائے گی۔ سال دو سال سے کم کی کیا سزا ہو گی؟ عذرا میری جدائی کو سہہ بھی سکے گی؟ میں جیل سے واپس آکر اس سے مل بھی سکوں گا؟ —— چند منٹ تک اس قسم کے خیالات انصار کے دماغ میں گونجتے رہے اور وہ گھبرا سے گئے۔ مگر فوراً ہی انھوں نے اپنے پر قابو پا لیا اور رحمو سے کہا جاؤ ان لوگوں سے کہو میں ابھی آتا ہوں۔ رحمو باہر گیا۔ انصار نے مسکرا کر عذرا کی طرف دیکھا اور اس کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے اونچی کر کے کہا "عذرا۔ ہمت سے کام لو۔

سپاہی کی بیوی کو بہادر ہونا چاہیئے ۔ میں انسپکٹر سے مل کر ابھی آیا۔"

باہر برامدے میں انسپکٹر پولیس اور کئی سپاہی سنگینیں چڑھائے تیوری پربل ڈالے کھڑے ہوئے تھے۔ برساتی میں پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ انصار کو دیکھ کر انسپکٹر نے تیزی سے کہا "مسٹر انصار میں آپ کو گرفتار کرتا ہوں۔ یہ آپ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔"

انصار۔ (ملائمت سے) کس بنا پر۔

انسپکٹر۔ آج کے "آزادی" کے آرٹیکل کی بنا پر۔

انصار۔ آپ چند منٹ بیٹھئے میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔

انسپکٹر۔ ذرا جلدی کیجئے مجھے اور بھی کام ہیں۔

انصار۔ میں اپنا ضروری سامان رکھ لوں اور اپنی بیوی سے رخصت ہولوں ابھی دس منٹ میں آجاؤں گا۔

انصار اندر چلے گئے۔ رحمو روتا ہوا آیا اور انسپکٹر کے پاؤں پکڑ لئے۔ بڈھا خانساماں ایک طرف چپ چاپ کھڑا تھا۔

انسپکٹر نے ترشی سے کہا "کیا کرتا ہے؟"

رحمو۔ بڑے صاحب اللہ تمہیں اور زیادہ درجے دے میرے میاں کو چھوڑ دو۔ تم جو کہو ہم تمہاری خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ سو، دو سو تین سو جتنے روپے کہو ابھی لادوں۔ پر میرے میاں کو نہ پکڑو۔

انسپکٹر۔ بڈھے کیا بکتا ہے۔ ہمیں رشوت دینا چاہتا ہے؟

رحمو۔ (ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے) تھانیدار جی خفا نہ ہو میں نے مالک کو بیٹے کی طرح پالا ہے۔ وہ قید میں چلے گئے تو میں سر پٹک کر مر جاؤں گا۔ تم رحم دل آدمی ہو کچھ تو ترس کھاؤ۔ ابھی [illegible] ان کی

شادی ہوئی ہے۔ وہ جیل چلے گئے تو ان کی بہو کے دل پر کیا بیتے گی ذرا یہ تو سوچو درد غہ جی؟

رحمو کا آخری جملہ سن کر انسپکٹر کا درشت چہرہ نرم پڑ گیا۔ اس نے رحمو کو ہٹا کر نرمی سے کہا" بڑے میاں ہم مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔ مسٹر انصار سیاسی قیدی ہیں۔"

عذرا میز کا سہارا لئے ساکت کھڑی تھی۔ آنکھیں معمول سے زیادہ پھیلی ہوئی اور رنگ زرد۔ انصار نے جا کر محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا "میری جان ذرا ہمت باندھو۔ دیکھو انسپکٹر جلدی کر رہا ہے میرے کپڑے وپڑے تو رکھ دو۔"

عذرا۔ تم چلے جاؤ گے۔ مجھے چھوڑ کر۔ کیا یہ مصیبت کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔

انصار۔ یہ مصیبت صرف اس طرح ٹل سکتی ہے کہ میں معافی مانگ کر ضمانت داخل کر دوں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اپنی زبان بندی کر لوں۔ اپنے ضمیر کو اور اپنے اخبار کی آزادی کو فروخت کر دوں۔ کیا تم پسند کرتی ہو کہ تمھارا انصار ایسی ذلیل حرکت کرے اور اپنے ہم چشموں کے سامنے، خدا کے سامنے اور خود اپنے ضمیر کے سامنے ذلیل ہو ۔؟

عذرا۔ (کانپتے لہجے میں) نہیں نہیں۔ میں پریشانی میں نہ جانے کیا بک گئی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ تم ضمانت دے کر یا معافی مانگ کر قید کی مصیبت سے چھوٹ جاؤ۔ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے۔ جسے خدا نے خدمت کا اور قربانی کرنے کا موقع دیا وہ کیوں نہ کرے۔ تم جیل جا رہے ہو۔ بڑی خوشی سے سدھارو۔ مگر اس کی اجازت دیتے جاؤ کہ تمھاری عذرا بھی تمہارے پیچھے پیچھے وہاں آ جائے۔

انصار۔ عذرا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

عذرا۔ کیا کہہ رہی ہوں؟ وہی جو مجھے کہنا چاہیئے۔ جو میرا فرض ہے۔ کیا تمہارے نزدیک مادرِ وطن کی خدمت اور اس کی آزادی کے لئے قربانی کرنے کا حق صرف مردوں ہی کو حاصل ہے۔ ہم اس حق سے بھی محروم ہیں؟ تم تو عورتوں کی آزادی اور مساوات کے بڑے حامی بنتے ہو۔ پھر جس راستے کو تم خود سچا اور سیدھا سمجھتے ہو اس پہ چلنے سے مجھے کیوں روکو؟ میں نے اب تک اپنے دل کی حالت چھپائی اور اپنے جذبات کو کچلا لیکن اب — اب — جب تم — میرے سرتاج — میرے رفیق — میری جان — خود مجھے چھوڑ کر جیل جا رہے ہو تو اب مجھے کسی کی پروا نہیں — میں ان سب بندھنوں کو توڑ ڈالوں گی۔ میرا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔

جوش سے عذرا کا چہرہ تمتا رہا تھا۔ انصار نے اس کو کرسی پر بٹھایا اور مسکرا کر اس کا جوش دھیما کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اس قدر جوش میں نہ آؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکتا۔ نہ تمہاری آزادی میں مخل ہوتا ہے مگر ذرا میری بات بھی تو سنو۔ میں تم پہ جبر کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تمہارا سیاسیات میں پڑنا اور جیل جانا کسی طرح ٹھیک نہیں"

عذرا۔ آخر کیوں؟

انصار۔ دروازہ پر سواری تیار کھڑی ہے بحث مباحثہ کا وقت نہیں لیکن میں صاف صاف اپنی رائے تمہیں بتائے دے رہا ہوں کہ میں ہرگز تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں سمجھتا۔ خاص طور پر اس لئے کہ تم آج کل دوسرے حال سے ہو۔ تمہیں میری اور — ہونے والے بچے کی خاطر اس ارادے سے باز آ جانا چاہیئے۔

عذرا کا سر جھک گیا۔ اور وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئی۔ انصار نے محبت بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا "جیل جانے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت میرا کام سنبھال لو۔ خدا جانے مجھے کتنے عرصے جیل میں رہنا پڑے اس عرصے میں اگر "آزادی" بند ہو گیا تو دوبارہ اُسے نئے سرے سے جاری کرنا ہوگا اور نہیں کہا جا سکتا کہ پھر اسے وہ مقبولیت حاصل ہو سکے گی یا نہیں جواب ہے ـــــ میری خواہش یہ ہے کہ تم "آزادی" کی ادارت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لو۔ "آزادی" کا سارا عملہ شریف اور دیانت دار ہے اور تم اس پر پورا اعتماد کر سکتی ہو۔ انھیں صرف اس کی ضرورت ہو گی کہ کوئی چیف اڈیٹر کے فرائض سنبھال لے باقی کام وہ لوگ خود کرلیں گے۔ میں اس کے متعلق اسسٹنٹ سے بات بھی کر چکا ہوں ـــــ اس طرح تم اپنے ملک اور اپنی قوم کی خدمت بھی کر سکو گی اور میری بھی ـــ اور جدائی کا یہ زمانہ ایک مقصد کے تحت کام کرنے سے نسبتاً کم کٹھن معلوم ہو گا۔

عذرا۔ انصار میں اتنے بڑے کام کی ذمہ داری کے قابل نہیں۔

انصار۔ عذرا پیاری مجھے یقین ہے کہ تم اس کام کو پوری ذمہ داری اور خوبی سے کر سکو گی۔ اگر میں تم میں اس کی صلاحیت نہ دیکھتا تو تم سے کہتا ہی کیوں؟ مجھے کتنی خوشی ہو گی کہ میری بیوی نے میرے بعد میرے کام کو سنبھالا۔ کتنا فخر ہو گا کہ میری عذرا اتنے بڑے اخبار کی ادارت کر رہی ہے۔ یہ میرے لئے ہی نہیں تمہارے سارے خاندان بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے باعث فخر ہو گا۔ اس ذریعہ سے نہ صرف تم اپنے ملک اور قوم کی خدمت کر سکو گی بلکہ اپنی روزی بھی

بغیر کسی کی محتاجی کے خود پیدا کر لو گی۔ بولو منظور ہے؟

عذرا جو مذبذب کھڑی انصار کی باتیں سُن رہی تھی اور سوچ رہی تھی اب اس نے اپنا سر انصار کے شانے پر رکھ دیا اور کانپتی آواز میں بولی "اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو یہی سہی —— میں اس کام کو کرنے کی کوشش کروں گی۔ خدا میری مدد کرے اور تمہاری توقعات پوری ہوں۔ اگر نہ ہو سکا تو مجھے الزام نہ دینا۔ نہ جانے تمہاری اس مرتبہ کی جُدائی میرے دل و دماغ کو صحیح رہنے بھی دے گی یا نہیں۔ بہر حال تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں وہی مجھے طاقت دینے والا ہے اور وہی دوبارہ ہمیں ملائے گا۔" عذرا کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ انصار کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اُس نے آنسوؤں کو پی کر بے پروائی کے طرز میں کہا "عذرا ابھی جلدی سے میرا سامان تو رکھ دو۔ انسپکٹر باہر کھڑا پیچ و تاب کھا رہا ہو گا۔"

عذرا جلدی جلدی الماریوں اور ٹرنکوں میں سے انصار کے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں اور کتابیں وغیرہ نکالنے لگی۔ گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ انصار وہ سامان لے لے کر اپنے سوٹ کیس میں بھرنے لگے۔ باہر سے رحمو نے آ کر کہا "میاں وہ کم بخت داروغہ جلدی مچا رہا ہے۔" انصار نے کہا "ہاں ہاں ٹھیک تو ہے بہت دیر ہو گئی۔"

عذرا۔ تھوڑا سا ناشتہ تو کر لو۔

انصار۔ بہت دیر ہو جائے گی اس وقت رہنے دو۔

عذرا۔ نہار مُنہ تو میں ہرگز نہ جانے دوں گی۔ جاؤ رحمو انسپکٹر سے میری طرف سے کہہ دو کہ آپ پانچ منٹ اور انتظار کر لیں تو مہربانی ہو گی۔ رحمو باہر چلا گیا۔ عذرا نے کانپتے ہاتھوں سے چائے بنائی۔ بہت سی چائے

میز پوش پر گر گئی۔ توس پر مکھن لگا کر انصار کو دیا۔
انصار۔ تم نے اپنی چائے کیوں نہیں بنائی۔
عذرا۔ میں بعد میں پی لوں گی۔
انصار۔ جی ہاں۔ بعد میں تو تم ضرور ناشتہ کرو گی (اپنی پیالی اس کے ہونٹوں سے لگا کر) لو اسی میں سے پیتی جاؤ (پھر توس کا ایک ٹکڑا منہ کے قریب لا کر) لو یہ بھی تو کھاؤ۔
عذرا۔ (بہ مشکل) اس وقت میرے گلے سے کوئی چیز نہیں اُترتی۔
انصار۔ عذرا۔ پھر نہ جانے کب یہ موقع نصیب ہو کہ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں۔
عذرا نے انصار کی طرف دیکھا اور چائے کے گھونٹ کے ساتھ آنسوؤں کو بھی پی گئی۔
انصار۔ ریاض بھائی کو تار دے کر بُلا لینا۔ دیکھو میرے لئے وکیل کرنے یا ضمانت داخل کرنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔
عذرا۔ نہیں ایسا نہ ہو گا۔
انصار کی گرفتاری کی خبر پھیلی تو کوٹھی کے احاطے کے اندر اور سڑک پر لوگوں کا مجمع اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔ وہ اس تھوڑے ہی عرصے میں عوام میں مقبول ہو گئے تھے۔
انصار نے ناشتہ ختم کیا اور ہاتھ دھو کر عذرا کے پاس رخصت کے لئے آئے۔ عذرا کے لب کانپ رہے تھے اور ساتھ ہی سارا جسم بھی۔ لیکن اس کے چہرے پہ استقلال اور آنکھوں سے آہنی عزم برس رہا تھا۔ عذرا نے آگے بڑھ کر انصار کے دونوں ہاتھ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ انصار نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور ان کی

آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ چند لمحے تک عذرا انصار کے دھڑکتے ہوئے
دل پہ اپنا سر رکھے کھڑی رہی۔ پھر انصار نے اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا
اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھوں سے زور دے کر اور آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر کہا۔ "تمہیں ہماری قسم —— رونا نہیں۔"

عذرا کی آنکھیں دو بھرے ہوئے جام تھے جو چھلکے پڑتے تھے اس
نے ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد جواب دیا۔ "نہیں روؤں گی نہیں — یہ
میرے لئے رونے کی نہیں فخر کی بات ہے۔"

انصار باہر آئے۔ آہستہ آہستہ مجمع بڑھ رہا تھا۔ انھوں نے
ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر مختصر سی تقریر کی جس میں لوگوں کی محبت
اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرکے ان سے پُرامن رہنے کی درخواست
کی۔ انسپکٹر گھبرا رہا تھا۔ انصار نے دونوں ہاتھوں سے مجمع کو سلام کیا۔
بڑی بی، رحمو اور خانساماں کو جو باہر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے
تسلی دی۔ موٹر میں بیٹھ کر انھوں نے جھک کر ایک نظر کمرے کے
دروازے پہ ڈالی جہاں چق کے پیچھے عذرا بے حس و حرکت اور تنہا
کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ انصار نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ سلام کے
لئے اٹھایا۔ موٹر مجمع کو چیرتی ہوئی تیزی سے روانہ ہوگئی۔

چونتیسواں باب

فرخ نے جیسے ہی یہ خبر سُنی کہ انصار گرفتار کرلئے گئے ایک ہنگامہ بپا کردیا۔ خوب روئی۔ بچوں نے آکر کچھ کہا تو انھیں پیٹ ڈالا میاں سامنے آئے تو رو رو کر ان سے اصرار کرنا شروع کیا کہ تم فوراً دوڑ دھوپ شروع کردو اور کسی نہ کسی طرح انصار کو رہا کراؤ۔ ہائے میری بہن کا کیا حال ہوگا۔ رو رو کر اس نے اپنی جان ہلکان کر رکھی ہوگی تم مجھے ابھی وہاں لے کر چلو۔

نسیم جب سے الہ آباد بدل کر آئے تھے یونہی ڈرتے رہتے تھے کہ سرکار کو یہ معلوم ہوگیا کہ "آزادی" کا اڈیٹر میرا عزیز ہے تو کیا ہوگا۔ اب انصار کی گرفتاری کی خبر سُنی تو بہت پریشان ہوئے۔ دوسرے آئے تو اس بیوی نے گم کردئے نسیم کو لیت و لعل کرتے دیکھ کر فرخ کو اور بھی غصہ آیا۔ اور اس نے میاں کو یہ طعنہ بھی دے دیا کہ تمہیں اپنی نوکری پیاری ہوگی مگر مجھے

اپنا بھائی پیارا ہے۔ اگر مجھے چاہتے ہو تو خواہ کچھ بھی ہو انصار کو رہا کراؤ۔ نسیم بچارے سرکاری نوکر۔ سرکار انگریزی کے دیرینہ خیر خواہ۔ اس زمانے میں یونہی اپنی نوکری اور عزت کی خیر مناتے رہتے تھے۔ اب کیا کریں؟ ایک طرف افسران کی خوشنودی اور نوکری کا خیال، دوسری طرف عزیزداری، بیوی کی ضد، اور عذرا کی محبت جسے وہ اپنی بہن سے زیادہ چاہتے تھے۔ بہرحال مجبوراً انھوں نے موٹر نکلوائی اور بیوی کو تسلی دلاسا دے کر اس میں بٹھا کر عذرا کے گھر روانہ ہوئے۔

فرخ کو اترتے دیکھ کر جمو اور بڑی بی نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ فرخ بہن کو ڈھونڈھتی ہوئی اس کے سونے کے کمرے کی طرف آئی۔ دیکھا عذرا ہاتھ میں قرآن مجید لئے بیٹھی تلاوت کر رہی ہے۔ فرخ جا کر بہن سے لپٹ گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ عذرا نے ہاتھ بڑھا کر کلام مجید میز پر رکھ دیا اور پھر اُسی طرح چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

فرخ۔ ہائے میرا بھائی اور جیل خانے میں۔ ارے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے عذرا تم اپنا جی بھاری نہ کرو۔ اللہ نے چاہا انصار دو چار روز میں تمہارے پاس ہوں گے۔

عذرا۔ (آہستہ آواز سے) باجی کیوں رو رو کر ہلکان ہوتی ہو۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔

فرخ۔ (حیرت سے بہن کو دیکھ کر) عذرا تو باؤلی تو نہیں ہو گئی۔ یہ خوشی کی بات ہے؟

نسیم۔ عذرا بہن تم ذرا پریشان نہ ہو۔ میں ابھی ریاض بھائی کو تار دیتا ہوں۔ ہم انصار کے لئے بہترین وکیل کریں گے اور ضمانت پر

رہا کرالیں گے۔
عذرا۔ دولہا بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ نگران کے لئے کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔
نسیم۔ (حیران ہو کر) بغیر وکیل کے کیسے کام چلے گا؟
عذرا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ نہ مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں نہ صفائی پیش کرتے ہیں۔
فرخ۔ لیکن انصار کے لئے ایسا نہ ہو گا۔ ان کے لئے وکیل ضرور کیا جائے گا۔ خدا ان پولیس والوں کو غارت کرے کہ ایسے نیک اور شریف لوگوں کو بھی قید کر لیتے ہیں۔ ہائے کیسی شرم کی بات ہے کہ ہمارا بھائی جیل میں جائے!!
عذرا۔ (تلخی سے) باجی یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ یہ شرم کی نہیں فخر کی بات ہے۔ وہ کوئی چوری ڈکیتی، قتل غارت کے جرم میں جیل نہیں گئے۔ ملک کی خدمت کرتے ہوئے آزادی کی خاطر گئے ہیں۔ یہ تو ہمارے آپ کے سب کے لئے فخر کی بات ہے نہ کہ شرم کی اور رونے دھونے کی۔
نسیم۔ بہر حال انصار کے لئے وکیل تو کرنا ہی ہو گا۔ میں تو اس معاملہ میں زیادہ دخل نہیں دے سکتا۔ ریاض بھائی آجائیں تو ضمانت کی کوشش کی جائے۔
عذرا۔ (مضبوطی سے) دولہا بھائی آپ فکر نہ کریں اور اطمینان سے گھر واپس جائیں۔ ان کے لئے نہ وکیل کرنے کی ضرورت ہے نہ ضمانت داخل کرنے کی اور نہ بھائی جان کو تار دینے کی۔ اخبار میں پڑھ کر مناسب سمجھیں گے تو وہ خود ہی آجائیں گے۔

فرخ۔ عذرا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔ تم جاؤ جی ابھی کوئی وکیل ٹھیک کر لو۔

عذرا۔ (ناراضگی سے) جی نہیں ـ وہ اس پر بہت ناراض ہوں گے آپ خواہ مخواہ دوسروں کے معاملے میں دخل مت دیجئے۔

فرخ۔ (عذرا کا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتی ہے پھر مڑ کر میاں سے) تم جا کر بھائی جان کو تار دے دو۔ وہی آکر اسے سمجھا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے بس کی نہیں ہے۔

نسیم۔ اچھا۔

فرخ۔ (بہن کو گلے سے لگا کر) عذرا، میری بہن تو روتی کیوں نہیں تیرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

عذرا۔ میرا کلیجہ اتنا کمزور نہیں۔

فرخ۔ اچھا چل میرے ساتھ چل وہاں بچے یاد کر رہے ہیں۔

عذرا۔ باجی میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہیں رہوں گی۔

فرخ۔ (آنکھیں پھیلا کر) یہیں رہو گی؟ اکیلی؟

عذرا۔ جب قسمت میں اکیلے رہنا لکھا ہے تو اکیلی ہی رہوں گی۔

فرخ۔ کیا بک رہی ہو؟ غیر شہر، اجنبی لوگوں میں اکیلے کیسے رہ سکتی ہو۔

عذرا۔ جیسے بھی ہو میں یہیں رہوں گی۔ کہیں نہیں جاؤں گی۔ ابھی تو ان کا مقدمہ ہوگا۔ پھر نہ جانے وہ کہاں بھیج دیئے جائیں۔ پھر بھی مجھے یہیں رہنا ہے۔

فرخ۔ آخر یہاں رہ کر کرو گی کیا؟ فائدہ؟

عذرا۔ یہ تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔

فرخ۔ (میاں سے) صدمہ سے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا ہے کیسے اسے اکیلا چھوڑ سکتی ہوں۔ تم جاؤ جا کر بچوں کو اور میرا سامان یہاں بھیج دو۔ جب تک بھائی جان آئیں میں اس کے پاس رہوں گی۔

عذرا۔ (خشک ہنسی ہنس کر) میرا دماغی توازن کبھی اتنا ٹھیک تھا جتنا آج ہے بلکہ مجھے تو ....

یہ کہہ کر عذرا خاموش ہو گئی۔ نسیم یہ کہہ کر کہ "میں جاتا ہوں ریاض بھائی کو تار دوں گا۔ دفتر کا وقت بھی ہو رہا ہے" موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ یہاں زیادہ دیر ٹھیرنا انھیں خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

تار ملتے ہی، ریاض اور ہاجرہ الہ آباد روانہ ہو گئے۔ ریاض نے بہن کو اکیلے گھر میں بیٹھے دیکھا تو ان کے دل پر چوٹ لگی۔ عذرا کو گلے سے لگا کر وہ آبدیدہ ہو گئے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ عذرا کی آنکھیں خشک ہیں اور لبوں پر مسکراہٹ تو انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو سنبھالا اور بہن سے سب حالات مفصل دریافت کئے۔ عذرا نے انھیں سب مفصل سنایا اور یہ بتایا کہ وہ منع کر گئے ہیں کہ وکیل کرنے کی یا ضمانت کرانے کی کوشش نہ کی جائے۔ فرخ نے الگ بھائی کو وہ سب باتیں سنائیں جو اس میں اور عذرا میں ہوئی تھیں ریاض بہن کی جوانمردی کا حال سن کر عش عش کر اٹھے۔

بیس دن بعد انصار کا مقدمہ ہوا۔ انصار نے نہ تو معافی مانگی نہ صفائی پیش کی۔ ہاں ایک بیان ضرور دیا جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ اس نے جو کچھ لکھا حق کی خاطر اور بالکل ٹھیک لکھا تھا۔ اور اس کے لئے وہ ہر سزا بھگتنے کو تیار ہے۔ انصار کو دو سال کی قید سخت کا حکم سنایا گیا۔ مقدمہ کے

وقت ریاض۔ اور برقعہ پوش عذرا بھی موجود تھی۔ عذرا سمجھتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ چھ مہینے کی سزا ہوگی۔ لیکن جب اُس نے مجسٹریٹ کے منہ سے دو سال قید سخت کا حکم سُنا تو اسے سخت دھچکا لگا ۔۔۔ اس کا سر چکرا یا اور ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ نہ پاؤں کے نیچے زمین ہے نہ سر پہ آسمان لیکن چند منٹ بعد اس نے اپنی طبیعت کو سنبھال لیا۔ یہ کیا؟ آزادی کی خاطر دو سال کیا دس سال کی بھی قید ہو تو اسے خوشی سے سہنا چاہئے۔ اسی حوصلہ پہ میں اپنے کو بڑا بہادر سمجھ رہی تھی؟ ۔۔۔ میری اس وقت کی بے قراری اگر انصار نے دیکھ لی تو ان کے دل پر کیا بیتے گی؟

عذرا کے دل پہ جو گزری سو گزری مگر اس نے بظاہر بڑے حوصلے سے انصار کی قید کا حکم سُنا۔ ریاض اور انصار عذرا کی ہمت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

انصار کی گرفتاری کے ہفتے بھر بعد ہی سے عذرا نے آزادی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور پوری مستعدی اور تندہی سے اُسے انجام دے رہی تھی ریاض سے اُس نے کہہ دیا تھا کہ میں آزادی کی ادارت کا کام نہیں رہ کر دونگی مجھے کوئی اس سے روکے نہیں ورنہ سخت صدمہ ہوگا۔

جب محمد احسان نے انصار کی گرفتاری کی خبر سُنی تو انھیں بہت غصہ آیا۔" اس نالائق لڑکے کو کتنا سمجھایا کہ یہ زمانہ ٹھیک نہیں اپنا ذاتی اخبار نہ نکالو۔ اور اگر اخبار ہی میں کام کرنا ہے تو کسی انگریزی اخبار کے دفتر میں نوکری کر لو مگر ضد تھی تو یہی کہ نہیں اپنا اخبار نکالوں گا۔ پھر بار بار لکھتا رہا کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا ورنہ جیل خانے کی ہوا کھانی پڑے گی لیکن اس کی بھی پروا نہ کی۔ اب پڑے دو سال تک قید میں سڑیں گے۔ ریاض نے غریب لڑکی کی زندگی برباد کر دی۔ فرحت کیسا اچھا لڑکا تھا اس کا پیام

نامنظور کردیا اور میاں انصار منتخب کئے گئے اب سرکٹ کررہے ہوں گے۔ خدا جانے عذرا کا کیا حال ہوگا" انھوں نے اسی دن بھتیجی کو تسلی تشفی کا خط لکھا لیکن کچھ دن بعد جب انھوں نے "آزادی" پر اڈیٹر کے نام کی جگہ عذرا انصار لکھا دیکھا اور یہ معلوم ہوا کہ بی عذرا "آزادی" کی ادارت فرما رہی ہیں تو وہ بہت برہم ہوئے۔ انھوں نے ریاض کو خط لکھ کر حالات دریافت کئے اور اس کا جواب آنے پر خود الہ آباد روانہ ہوگئے۔ انصار کا مقدمہ اور سزا کا حکم ہوچکا تھا۔ ریاض ابھی الہ آباد میں موجود تھے۔

محمد احسان کہاں تو غصے میں بھرے ہوئے تھے کہاں بھتیجی کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر پگھل گئے۔ ان کے دل پر چوٹ لگی اور بھتیجی کو گلے سے لگا کر آب دیدہ ہوگئے۔ عذرا گزشتہ مہینہ بھر میں ایک مرتبہ بھی نہیں روئی تھی دردِ فراق کی آگ اندر ہی اندر اسے جلا رہی تھی۔ بعض وقت اسے معلوم ہوتا تھا کہ کلیجہ پھٹ جائے گا مگر آنکھ سے آنسو نہیں نکلتے تھے۔ شفیق چچا کے گلے سے لپٹ کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی اور اسے روتا دیکھ کر سارا گھر رونے لگا۔

محمد احسان نے ریاض سے گفتگو کی اور کہا کہ عذرا کو لے جا کر دہلی میں اپنے پاس رکھو۔ ریاض پہلے ہی بہن سے کہہ چکے تھے مگر وہ اسی پہ اڑی ہوئی تھی کہ میں یہیں رہ کر "آزادی" نکالوں گی۔ گزشتہ تین ہفتے سے "آزادی" کی ادارت کا کام وہ کررہی تھی اور اخبار کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا بلکہ اس کی مانگ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ریاض بہن کی طبیعت سے واقف تھے کہ ارادے کی پکی اور ہٹ کی پوری ہے۔ کسی کا کہنا نہیں مانے گی۔ مگر چچا کے کہنے سے ایک مرتبہ اور

بہن کو سمجھانے کی کوشش کی۔ عذرا نے کہا: بھائی جان آپ کے اور چچا جان کے حکم کے خلاف کام کرتے ہوئے مجھے بہت رنج اور شرمندگی ہوتی ہے مگر میں اس بات کا فیصلہ کر چکی ہوں کہ ان کی خواہش کے مطابق میں یہ کام ضرور کروں گی۔ اور میں اس فیصلے کو بدل نہیں سکتی۔"
ریاض۔ لیکن بی بی یہ تو سوچو کہ تم یہاں غیر شہر میں اکیلی کس طرح رہو گی۔ اور تنہا اتنے بڑے کام کو کیسے انجام دو گی۔
عذرا۔ بھائی جان چاہے کچھ ہو یہ کام تو اب مجھے کرنا ہی ہے اور اب تو اتنے دن میں مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہے کہ میں اس کو اچھی طرح کر لوں گی۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ آپ اور چچا جان بغیر ناراضگی کے مجھے اجازت دے دیجئے۔ "اُن" کے کام میں لگ کر شاید ــــ میں ــــ میں ــــ اُن کی جُدائی کو سہہ لوں ورنہ میری جان پر بن جائے گی۔
عذرا ہمیشہ سے بھائی کا ادب کرتی اور اُن کا حکم بے چون وچرا مانتی تھی۔ یوں بھی بھائی کا بہت لحاظ اور شرم کرتی تھی۔ آج تک اس نے ریاض کے سامنے انصار کا نام بھی نہ لیا تھا اس وقت بہن کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر انھیں اس کے دل کی حالت کا پورا اندازہ ہوا وہ خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ دیا مگر چچا کو سمجھایا کہ عذرا کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ کسی طرح اس بات پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ عذرا اخبار کا کام کرے۔ ریاض نے انھیں لے جاکر "آزادی" کا دفتر دکھایا۔ نذیر علی "آزادی" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سے ملوایا جو ایک بوڑھے تجربہ کار اور بہت شریف آدمی تھے۔ باقی سارے عملے سے بھی

ان کی ملاقات کرائی۔ نذیر علی نے ان کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ بیگم انصار بہت خوبی سے "آزادی" کا کام کر رہی ہیں اور آئندہ تجربہ ہو جانے پر اور زیادہ کامیابی سے اس کام کو انجام دے سکیں گی۔ محمد احسان نے یہ بھی دیکھا کہ عذرا برقعہ پوش دفتر جاتی ہے۔ تمام کاغذات وغیرہ ایک چھوکرا اس کے پاس لاتا اور لے جاتا ہے۔ عملے والوں اور دوسرے لوگوں سے جو کچھ بات چیت کرنی ہوتی ہے وہ چق کے پیچھے سے کرتی ہے۔ یہ سب دیکھ کر محمد احسان اس پر راضی ہوئے کہ خیر عذرا "آزادی" کی نگرانی کرتی رہے۔ لیکن اسے اکیلے الہ آباد چھوڑنا نہ تو محمد احسان مناسب سمجھتے تھے اور نہ ریاض۔ انھوں نے تجویز کیا کہ اخبار کو الہ آباد سے دہلی منتقل کرا لیا جائے۔ عذرا نے یہ بات انصار سے دریافت کی تو انھوں نے بھی اسے پسند کیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ "آزادی" دہلی سے نکلے اور عذرا بدستور اس کی اڈیٹر رہے۔

محمد احسان اپنی نوکری پر چلے گئے۔ ریاض نے دہلی جا کر مجسٹریٹ کے ہاں اخبار کی منتقلی کی درخواست دے دی اور کچھ دن بعد اس بنا پر کہ اخبار کی ادارت ایک خاتون کر رہی ہیں۔ اخبار منتقل کرنے کی اجازت مل گئی۔ ریاض نے اپنے مطلب کے قریب ہی "آزادی" کے لئے ایک دفتر تلاش کر لیا۔ انصار الہ آباد سے لکھنؤ جیل میں منتقل کر دیئے گئے عذرا جب تک اجازت ملی الہ آباد سے "آزادی" نکالتی رہی۔ اور اجازت ملنے کے بعد لکھنؤ ہوتی ہوئی انصار سے مل کر دہلی آ گئی۔ ریاض نے خود اپنی نگرانی میں "آزادی" کا دفتر منتقل کرایا۔ نذیر علی اور کئی اور کارکن الہ آباد سے دہلی آ گئے۔ بعض یہاں رکھ لئے گئے۔ ہفتے بھر کی

گڑبڑ کے بعد "آزادی" کا دفتر دہلی میں جم گیا۔

عذرا روز صبح کو آٹھ بجے بھائی کے ساتھ "آزادی" کے دفتر میں پہنچ جاتی۔ ریاض اپنے مطب میں چلے جاتے۔ ساڑھے بارہ بجے تک دونوں بہن بھائی اپنے اپنے دفتر میں کام کرتے۔ ساڑھے بارہ بجے ریاض عذرا کے پاس آجاتے اور آدھ پون گھنٹہ تک یہاں کا کام دیکھتے ایک بجے کے بعد دونوں گھر واپس آجاتے۔

وہ ایک مرتبہ عذرا اور ریاض، انصار سے ملنے لکھنؤ گئے۔ وہاں عذرا نے جیل کی زندگی کی ایک جھلک دیکھی اور اسے معلوم ہوا کہ انصار کیسی بے آرام اور کٹھن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس دن سے عذرا نے خود بھی کھانے پینے رہنے سہنے میں حد درجہ کی سادگی اختیار کر لی۔

پنتیسواں باب

مارچ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ موسم ابھی تک خوش گوار ہے۔ صبح اور رات کے وقت خاصی خنکی ہو جاتی ہے البتہ دوپہر کو ہوا میں خفیف سی گرمی آ جاتی ہے۔

عذرا اپنے کمرے میں چوڑے زرد کنارے کی سفید کھدر کی ساڑی اور زرد بلاؤس پہنے آرام کرسی پر نیم دراز ہے۔ اس کے چہرے سے نقاہت برس رہی تھی اور اس کے رنگ کی زردی ساڑی کے کنارے سے میل کھا رہی ہے۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے بندے ہاتھوں میں سونے کی دو دو چوڑیاں اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں منگنی کی انگوٹھی کے سوا اور کوئی زیور اس کے بدن پر نہیں۔ اور اسے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ وہ سوا سال کی بیاہی دلھن ہے۔

اس کے پلنگ کے برابر ایک چھوٹا سا پنگوڑا رکھا ہوا ہے جس پر جالی کی مچھر دانی پڑی ہے۔ پاس بیٹھی ایک عورت اونگھ رہی ہے۔

دو مہینے ہوئے عذرا ایک بچے کی ماں بنی ہے۔ فرخ اور سیدہ بہن کا چلہ کرنے آئی ہوئی ہیں۔ ریاض کو عذرا کی کمزوری کی وجہ سے اس کی اور بچے کی طرف سے بہت فکر تھی مگر خلاف توقع ولادت آسانی سے ہو گئی۔ مگر بعد میں بہت دن تک طبیعت خراب رہی اور کمزوری اب تک نہیں گئی ہے۔ اب تھوڑا تھوڑا چلنے پھرنے لگی ہے۔

بچے کی ولادت سے کچھ دن پہلے سے عذرا نے دفتر جانا چھوڑ دیا تھا اور اخبار کا کام گھر پر ہی کر لیا کرتی تھی۔ ریاض روز ایک چکر لگا کر دفتر کی نگرانی کرتے رہتے تھے باقی کام نذیر علی کرتے رہے۔

اس وقت عذرا "آزادی" کا آج کا پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر اخبار پر ڈالی اور پھر اسے ایک طرف ڈال کر آرام کرسی پر ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ ماتھے سے پسینے کے قطرے پونچھے۔ اور آہستہ سے اُٹھ کر پنگوڑے کے پاس گئی۔ پردا چھت پر اُلٹ دیا اور جھک کر بچے کو دیکھنے لگی۔ ننھا سا سُرخ سُرخ گول مٹول بچہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سر کے برابر کئے پڑا سو رہا تھا اور اس کا چھوٹا سا منہ سوتے میں بھی اس طرح چل رہا تھا جیسے دودھ پی رہا ہو۔ اس کا رنگ سُرخی مائل سانولا تھا، بڑی پیشانی، چھوٹا سا دہن اور اونچی ناک بالکل انصار کی سی تھی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں اور گھونگھر والے بال عذرا سے ملتے تھے۔ عذرا جھکی ہوئی بچے کو

دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ننھا ناصر انصار کی ننھی سی تصویر معلوم ہو رہا تھا وہ کتنی دیر تک ٹکٹکی لگائے بچے کی صورت تکتی رہی اور اس کی آنکھوں سے گول گول شفاف موتی بچے کے سر پر نچھاور ہوتے رہے۔ بچہ جاگ اٹھا اور اپنی گول گول سیاہ آنکھوں سے ماں کو دیکھنے لگا۔ عذرا کو اس کی آنکھوں میں تعجب، حیرت، محبت اور ہمدردی، حوصلہ اور ہمت کا پیام نظر آیا جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے بچے کو جھولے سے اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور دیوانہ وار اس کا منھ چومنے لگی۔ بار بار اس کے منھ سے یہ جملہ نکل رہا تھا "انصار — انصار — تمہاری عذرا اور تمہارا بچہ تمہارے منتظر ہیں۔ وہ کیسے اور سوا برس کی جدائی سہیں گے؟"

بیماری اور کمزوری نے عذرا کی برداشت کی قوت ختم کر دی تھی اب اس میں وہ پہلا سا ضبط نہ رہا تھا کہ تنہائی میں بھی آنکھ سے آنسو نہ نکلنے دے۔ ہاں دوسروں کے سامنے اب بھی وہ اسی طرح ہنس ہنس کر اور بے پروائی سے باتیں کرتی تھی۔

ریاض کمرے میں داخل ہوئے۔ عذرا نے جلدی سے بچے کو پنگوڑے میں لٹا دیا اور محجوب سی ہو گئی۔ ریاض نے عذرا کے اور بچے کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات دیکھ لئے۔ وہ پہلے بھانجے کے پاس گئے اور پیار سے اس کا گال انگلی سے چھو کر بہن کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

ریاض۔ عذرا۔ آج طبیعت کیسی ہے۔ اب کمزوری پہلے سے کم معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔

عذرا۔ جی ہاں اب تو بہت بہتر ہوں۔ چکر بھی زیادہ نہیں آتے۔

تھوڑا بہت چل بھی لیتی ہوں۔

ریاض۔ اب انشاءاللہ جلد یہ کمزوری بھی دور ہو جائے گی۔

عذرا۔ ہاں کسی طرح یہ جھگڑا ختم ہو تو میں اپنا کام شروع کروں سارا کام رُکا پڑا ہے۔ ابھی تو اخبار بھی دیکھتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔

ریاض۔ میں ابھی "آزادی" کے دفتر ہی سے آرہا ہوں۔ نذیر علی صاحب سب کام ٹھیک کر رہے ہیں تم بالکل فکر نہ کرو۔

عذرا۔ بھائی جان اگلے ہفتہ میں دفتر جا سکوں گی نا ؟

ریاض۔ نہیں ابھی پندرہ بیس دن تک ہم تمہیں کوئی کام نہیں کرنے دیں گے۔

عذرا۔ یہ تو بڑی مشکل ہے۔

ریاض۔ (مسکرا کر) تم جیسی نہ سہی مگر تھوڑی بہت قابلیت اور صلاحیت تو مجھ میں بھی ہے۔ میں برابر "آزادی" کے کام کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہوں مگر تمہیں اپنے سوا کسی پہ اعتماد نہیں۔

عذرا۔ (شرمندہ ہو کر) بھائی جان آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں بھلا آپ کا کیا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ مگر مجھے تو یہ فکر ہے کہ آپ کو ایک تو اپنا کام ہی اتنا زیادہ ہے اوپر سے یہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ دُہری محنت ہو گئی نا۔

ریاض۔ مہربانی کر کے تم ہر قسم کی فکریں اپنے دل سے نکال دو۔ اطمینان اور بے فکری سے اپنی طاقت کو بحال کرنے کی کوشش کرو۔

عذرا۔ (مسکرا کر) بہت خوب ڈاکٹر صاحب۔

ریاض۔ میں نے انصار کو بچے کی پیدائش کی اطلاع دی مگر اب تک ان کا کوئی جواب نہیں آیا۔ کیا تمہارے پاس کوئی خط آیا ہے ؟

عذرا۔ جی نہیں۔ معمول کے مطابق ہر پندرھویں دن جو خط ان کا آتا ہے اس مرتبہ وہ بھی نہیں آیا۔ اس کی وجہ سے کئی دن سے میری طبیعت پریشان ہے۔ وہ تو کبھی خط لکھنے میں دیر نہیں کرتے کہیں طبیعت نہ کچھ خراب ہو گئی ہو۔

ریاض۔ طبیعت تو اچھی ہو گی۔ شاید کسی دوسری جگہ منتقل کر دیئے گئے ہوں اور اس کی وجہ سے خطوں میں گڑبڑ ہو گئی ہو۔ میں آج ہی جیلر کو لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

عذرا۔ ضرور آج لکھ دیجئے گا۔

ہاجرہ کمرے میں دودھ کی بوتل لئے ہوئے آئی اور بچے کو گود میں لے کر بوتل اُس کے مُنہ سے لگا دی۔ کمزوری کی وجہ سے عذرا کے بالکل دودھ نہیں تھا اس لئے مجبوراً بچے کو اوپر کا دودھ پلانا پڑتا تھا۔

ہاجرہ۔ (ریاض کی طرف دیکھ کر) دیکھئے تو سہی کیسا ٹکر ٹکر میرا مُنہ تک رہا ہے۔

ریاض۔ (پاس آکر) دیکھو مُسکرا رہا ہے۔

ہاجرہ۔ بچے کے مُسکرانے کو ٹوکا نہیں کرتے۔

ریاض۔ افوہ رے بڑی بی۔

ہاجرہ۔ بتائیے ناصر کس کی صورت ہے۔ میں کہتی ہوں عذرا کو پڑا ہے اور عذرا کہتی ہے کہ انصار بھائی کی صورت ہے۔

ریاض۔ (عذرا اور بچے کی طرف دیکھ کر) عذرا سے بھی ملتا ہے اور انصار سے بھی۔ مگر انصار کی شباہت زیادہ ہے۔

نیچے کی منزل سے کچھ شور و غل اور گڑبڑ کی آوازیں آئیں، تو

عذرا نے کہا "یہ نیچے کیسا شور ہو رہا ہے"
ہاجرہ۔ شاہد ہو گا ـــ اس قدر شیطان ہو گیا ہے جس کی حد نہیں۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی شرارت کرتا رہتا ہے۔
سیّدہ۔ (نیچے سے چیخ کر) بھائی جان جلدی آئیے۔ دیکھئے تو سہی کون آیا ہے۔
عذرا۔ (تعجب سے) کیا اصغر آگئے؟ سیّدہ بہت خوش ہو کر بھائی جان کو بُلا رہی ہے۔
ریاض۔ دیکھتا ہوں کون ہے۔
ریاض تیزی سے نیچے اُترے تو دُور سے دیکھا کہ ڈیوڑھی کے دروازے کے پاس رحمو کسی شخص سے گلے مل رہا ہے ـــ اور آگے بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں ـــ بڑھی ہوئی داڑھی، پریشان بال، کھدر کا میلا کُرتا پاجامہ پہنے ـــ انصار چلے آرہے ہیں۔ تعجب اور مسرت کی ایک چیخ ریاض کے منہ سے نکلی اور دونوں جھپٹ کر ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔ فرخ اور سیّدہ جو دروازے کے پاس ننگے پاؤں خوشی سے بدحواس کھڑی ہوئی تھیں ریاض کے ہٹتے ہی انصار سے لپٹ گئیں۔ نوکر چاکر بچے وچے سب آکر چاروں طرف جمع ہو گئے۔
ریاض۔ بھئی کمال کیا یہ تم ٹپک کہاں سے پڑے؟
انصار۔ آج کل بہت سے سیاسی قیدی بلا کسی شرط کے چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ کل اچانک بے اطلاع مجھے رہا کر دیا گیا۔ پہلے میں نے سوچا کہ ایک دن رُک کر پہلے تار سے

اپنے آنے کی اطلاع کر دوں مگر دل نہ مانا کہ ایک دن کی دیر کروں اس لئے سیدھا چلا آیا۔

ریاض۔ بہت اچھا کیا۔ خدا کا شکر ہے ۔ مگر مجھے خوف یہ ہے کہ اس اچانک خوشی کا عذرا کے اوپر بُرا اثر نہ پڑے۔

انصار۔ (گھبرا کر) کیوں کیا بات ہے۔ عذرا کیسی ہیں کہاں ہیں؟

ریاض۔ تو کیا تمہیں میرا خط نہیں ملا۔

انصار۔ جی نہیں۔ آخر بات کیا ہے۔ کہئے نا میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔

ریاض۔ (مُسکرا کر) گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ عذرا ماشاء اللہ اچھی ہے۔ اوپر کے کمرے میں ہے۔ البتہ ابھی کمزور ہے۔

انصار۔ کیوں؟

سیّدہ۔ پہلے مٹھائی کھلائیے پھر بتائیں گے۔

ریاض۔ ارے بھائی آپ اب بیٹے کے باپ ہیں بیٹے کے باپ۔

انصار کا چہرہ بشاش ہو گیا، آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور وہ اپنی مُسکراہٹ نہ روک سکے۔

سیّدہ۔ میں جا کر بھابی دُلھن اور باجی کو تو خوش خبری سُنا دوں۔

ریاض۔ نہیں تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں۔ تم جا کر پھٹ سے کہہ دوگی اور اچانک اتنی بڑی خوش خبری سُن کر اس پر بُرا اثر پڑے گا۔ انصار میاں تم میرے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد آنا۔

انصار۔ بھئی اس وقت اتنی دیر ٹھہرنا مشکل ہے۔ یہ پندرہ منٹ پندرہ سال کے برابر ہیں۔

ریاض۔ جہاں دس مہینے کی جُدائی برداشت کی وہاں یہ پندرہ منٹ اور سہی۔

انصار۔ یہ دس پندرہ منٹ اس سے زیادہ کٹھن ہیں۔

ریاض اُوپر کی طرف مڑے اُدھر سے ہاجرہ یہ دیکھنے آ رہی تھی کہ کون آیا ہے۔ انصار پر اُس کی نظر پڑی تو سیڑھی سے گرتے گرتے بچی۔ انصار لپک کر آگے بڑھے اور ہاجرہ کو گلے سے لگا کر آب دیدہ ہو گئے۔

ریاض اوپر گئے تو دیکھا عذرا پریشان بیٹھی ہے۔ ریاض کو دیکھ کر بولی "بھائی جان بڑی دیر لگائی۔ کون آیا ہے؟ اصغر؟"

ریاض۔ نہیں اصغر نہیں آئے۔ بلکہ لکھنؤ سے ایک صاحب آئے ہیں وہ یہ خبر لائے ہیں کہ.............

عذرا۔ (گھبرا کر بات کاٹتی ہے) کیا خبر لائے ہیں۔

ریاض۔ گھبراؤ نہیں۔ خوش خبری ہے۔ مٹھائی کھلاؤ گی تو بتاؤں گا۔

عذرا۔ (وحشت کے عالم میں) بھائی جان مٹھائی کیا آپ کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ آپ وہ خبر تو سنائیے۔

ریاض۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کل ہر جگہ سیاسی قیدیوں کی رہائی ہو رہی ہے۔

عذرا۔ یہ کون سی نئی بات ہے۔ یہ سلسلہ تو مہینوں سے چل رہا ہے مگر ہمیں کیا۔

ریاض۔ ان کا خیال ہے کہ انصار بھی عنقریب چھوڑ دئے جائیں گے۔

عذرا۔ (خوشی، حیرت، گھبراہٹ کے ملے جلے لہجے میں) بھائی جان کیا سچ مچ.........

ریاض۔ ہاں ہاں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ممکن ہے انصار چھوٹ چکے ہوں....

اسی وقت انصار کمرے میں داخل ہوئے۔ عذرا نے مڑ کر ادھر دیکھا اور ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کا سارا جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ بھائی بھاوج کی موجودگی کو بھول گئی اور جھپٹ کر انصار سے ملنے کیلئے

آگے بڑھی۔ مگر وہ قوتِ ارادی جس سے کام لے کر آج تک اُس نے اپنے کو قابو میں رکھا تھا اور سب کچھ حوصلے، استقلال اور جوانمردی کے ساتھ سہا تھا، اس وقت اس کا ساتھ چھوڑتی معلوم ہوئی۔ الضار کو سامنے کھڑا دیکھ کر اُس کی قوتِ برداشت ختم ہوگئی۔ اس کے قدم ڈگمگانے لگے — الضار نے لپک کر عذرا کو اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا ریاض نے بڑھ کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

عذرا کو ہوش میں آتا دیکھ کر ریاض کے اشارے پر سب لوگ کمرے سے باہر چلے گئے۔

عذرا نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اس کا چہیتا شوہر اس کا سر اپنے زانو پر رکھے جھکا ہوا فکرمند نظروں سے اُسے دیکھ رہا ہے۔ عذرا کی آنکھیں جوشِ مسرت سے آبگوں ہوگئیں اور اس نے دونوں باہیں الضار کی گردن میں ڈال دیں — ایک کے مُنھ سے نکلا۔ "الضار" اور دوسرے کے "عذرا میری جان" ایک لمحے بعد دونوں کی نظریں جُھولے کی طرف اُٹھیں جہاں ان کی تمناؤں کا مرکز پڑا سو رہا تھا۔ عذرا اور الضار کے چہروں پر دلفریب مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔

L. ——— H

اِس مُصنّفہ کی دُوسری کِتابیں

آتشِ خاموش (ناول) ایک دلچسپ پُراثر اور دلکش سماجی ناول جو ہندوستان اور پاکستان میں بے انتہا مقبول ہوا ہے۔ جسے بڑے بڑے نقادوں نے بھی سراہا ہے۔ قیمت صہ،

یادگارِ حالی (سیرت) مولانا حالی کی سیرت کی ایک دلکش اور مکمل تصویر۔ یہ کتاب کئی یونیورسٹیوں میں بی۔اے آنرز کے کورس میں داخل کی گئی ہے۔ قیمت للعہ

بنیادی حق (ڈراما) ایک سوشل ڈراما جس میں ناپسندیدگی کی شادی کی بُرائی دکھائی گئی ہے بڑا ہی دلچسپ اور سبق آموز۔ ہندوستانی گھریلو زندگی کی جیتی جاگتی تصویر۔ قیمت ۱۰ر

امتحان (ڈراما) ایک ماسٹر صاحب کی زندگی کی دلکش تصویر جو تعلیمی خدمت کے لئے اپنا سب کچھ تج دیتا ہے۔ یہ کئی جگہ اسٹیج ہو کر خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ قیمت ۹ر

عفت (ڈراما) ایک سماجی و اصلاحی پُراثر ڈراما۔ ایک بیوہ نوجوان لڑکی کس طرح غریب جاہل لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتی ہے۔ (دوبارہ زیرِ طبع)

نراس میں آس (افسانے) ہندوستان اور پاکستان میں فساد کے زمانے میں جو عبرت ناک اور روح فرسا واقعات پیش آئے اُن کا دردناک اور سبق آموز مرقع جس میں انسانیت اور شرافت و ہمدردی کی صفات کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ (دوبارہ زیرِ طبع)

نقشِ اوّل (افسانے) مصنفہ کے افسانوں اور ڈراموں کا سب سے پہلا مجموعہ جس نے بہت مقبولیت حاصل کی ہے۔ (دوبارہ زیرِ طبع)

بھولی منّہ۔ بچّوں کے لئے ایک دل کش کہانی۔ قیمت ۵ر

جادو کا ہرن۔ دلچسپ کہانی جسے بچّے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ قیمت ۷ر